فرخندہ

ایک نہایت دلچسپ گھریلو ناول

رئیس احمد جعفری

JAF & CO.
Plot # 43/4 Q-2, Block-6,
PECHS, Near Jheel Park
Karachi.

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اہتمام
ملک مقبول احمد

مقبول اکیڈمی
۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

قیمت -/370 روپے

خورشید مقبول پریس، لاہور

دیباچہ

مقبول اکیڈمی نے جعفری صاحب کے کئی ناول شائع کرنے کا فخر حاصل کیا ہے۔ اور یہ عرض کرنا شاید حقیقت کا اظہار ہوگا کہ ان کا ہر ناول خواہ وہ معاشرتی ہو یا تاریخی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ ایک کامیاب مصنّف کی خوبی یہ ہے کہ وہ ملک کے تعلیم یافتہ اور متوسط شہری حلقے میں اپنی تحریر کا سکّہ جمانے اور یہ بات جعفری صاحب کی کتابوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ ان کی کتابیں ہر طبقے میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تحریر کو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھنے والوں میں جہاں مرد ہیں وہاں خواتین بھی ہیں بلکہ خواتین کی نسبت غالباً کچھ زیادہ ہی ہے۔ کیونکہ ان کے ناولوں میں عورت کا جو کردار پیش کیا جاتا ہے وہ پست اور گرا ہوا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں عورت کی صحیح عظمت اور تقدیس جلوہ گر ہوتی ہے۔

عورت کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ اسے کھلونا بنا کر ہر دور میں کھیلا گیا ہے۔ مصنّفوں نے بھی اس کے ساتھ بے انصافی میں کمی نہیں کی ہے اس کا وہ رُوپ تو پیش کیا ہے جس میں بشریت اور بشریت کی لغزشیں نمایاں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ رُوپ نہیں پیش کیا ہے جس میں اپنے کردار کی عظمت اور سیرت کی بلندی کے اعتبار سے وہ مافوق الفطرت نظر آتی ہے اور جو اس کا خاص الخاص جوہر ہے۔

جعفری صاحب نے اپنے ناولوں میں اس چیز کو کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا ہے۔

جعفری صاحب کے ناولوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مقصدیت ہوتی ہے۔ پڑھنے والے اس صرف وقت گزاری کا کام نہیں لیتے بلکہ اس سے کچھ حاصل کرتے ہیں۔

یہ ناول جو آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ مذکورہ خصوصیات کا مکمل طور پر آئینہ دار ہے۔ زبان کی حلاوت، محاورات کی آمیزش، مکالمات کی برجستگی پلاٹ کی ندرت اور مقصدیت کی کارفرمائی آپ کو سحر آنگیز طور پر جیسی نکھری ہوئی اس میں نظر آئے گی شاید ہی کسی اور ناول میں نظر آ سکے۔

(ناشر)

(۱)

جاوید کے گھر میں ایک نئے مہمان نے آج قدم رکھا تھا۔

اس نئے مہمان کا نام تھا فرخندہ — !

فرخندہ کی عمر ۱۱، ۱۲ سال کی ہوگی، یہ اس گھر میں ہمیشہ کے لئے رہنے کو آئی تھی۔

فرخندہ کی ماں عارفہ نے اپنی پسند کے ایک شخص سے شادی کرلی تھی۔ جاوید کو عارفہ کی یہ حرکت اتنی ناپسند ہوئی کہ اس نے زندگی بھر کے لئے عارفہ سے تعلقات منقطع کر لئے اس کی خفگی بجا بھی تھی، اس نے عارفہ کو باپ کی طرح پالا تھا۔ بہت محبت کرتا تھا۔ اس نے اس کی شادی کے لئے ایک بڑی رقم الگ کردی تھی، اور سوچا تھا دھوم دھام سے بہن کو بیاہے گا۔ لوگ کہہ اٹھیں گے بھائی ایسا ہوتا ہے جو صحیح معنوں میں مرحوم باپ کی جگہ لے سکتا ہے لیکن عارفہ کی ضد اور خود سری نے یہ طلسم درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

جاوید ایک غریب گھر کا فرد تھا۔

اس نے چھوٹے سرمایہ سے کاروبار شروع کیا اور بہت جلد ملک التجار بن گیا کاروبار شروع کرتے وقت اس کی جیب میں ہزار روپے بھی نہیں تھے۔ لیکن چند ہی سال کی محنت نے اُسے لکھ پتی بنا دیا۔ اس نے دولت بے ایمانی سے نہیں کمائی تھی۔ وہ شب و روز محنت کرتا تھا اور ایک پیسہ کا ہیر پھیر پسند نہ کرتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ عارفہ کی شادی کسی شریف اور دولت مند آدمی

پیسہ کرے گا، لیکن عارفہ نے ایک شریف، لیکن غریب شخص کا انتخاب کیا اس انتخاب پر اسے اس درجہ اعتماد تھا کہ اس نے محبت کرنے اور جان چھڑکنے والے بھائی کی بھی پرواہ نہ کی، اس بات کا جاوید کو بڑا صدمہ ہوا، اس نے طے کر لیا کہ اب زندگی بھر عارفہ کی صورت نہیں دیکھے گا۔

اور واقعی اس نے زندگی بھر عارفہ کی صورت نہیں دیکھی۔

یہ بات نہیں تھی کہ عارفہ جاوید سے محبت نہ کرتی ہو۔ بہت کرتی تھی، عام طور پر بہنیں بھائی سے جتنی محبت کرتی ہیں اس سے کہیں زیادہ، وہ بھائی سے بچھڑ گئی۔ لیکن اکثر اسے یاد کر کے خون کے آنسو رویا کرتی تھی۔

لیکن اس نے بھائی سے پھر کبھی رسم و راہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی اسے وہ اپنی محبت کی توہین سمجھتی تھی، بھائی نے اس کی محبت کو نہ سمجھا اور اسے اپنا تابع فرمان بنانا چاہا، اور جب وہ ایسا نہ کر سکی تو ہمیشہ کے لئے ہی ناطہ توڑ لیا۔ پھر بھی اس کو اس بھائی سے محبت تھی، دل خون کے آنسو روتا رہا، لیکن اس نے جاوید کے گھر کا رُخ نہیں کیا۔

جاوید اس کا منتظر تھا کہ عارفہ خود کسی دن آجائے گی، معافی مانگے گی، اور وہ معاف کر دے گا۔

لیکن اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی، نہ عارفہ نے اس کے گھر میں کبھی قدم رکھا نہ معافی مانگی۔

عارفہ غربت میں بھی خوش تھی۔

لیکن یہ غربت کی خوشی بھی آسمان نہ دیکھ سکا۔

شادی کے ٹھیک سات سال کے بعد، جب فرخندہ کی عمر ۵ سال کی تھی۔ توفیق کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔

توفیق کے انتقال کی خبر جاوید نے سنی، لیکن وہ تعزیت کے لئے عارفہ کے گھر نہیں گیا، اس لئے نہیں کہ عارفہ جس شہر میں رہتی تھی وہ ہزاروں میل کے فاصلے پر تھا، مشکل سے دو سو میل کا فاصلہ ہوگا، بات یہ تھی کہ اس طویل مدت

یں عارفہ کے مستقل سکوت نے جسے وہ گستاخی اور خود سری پر محمول کرتا تھا۔
اُسے محبت سے متنفر کر دیا تھا۔
اس درجہ متنفر کر دیا تھا کہ توفیق کے انتقال پر نہ وہ سورج گنج گیا، نہ اُس
نے ماتم پُرسی کا خط لکھا۔ گویا کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔
البتہ اگر عارفہ خود سے آجاتی، تو بے شک وہ اس کے لئے نفرت، خفگی
اور حد سے زیادہ برہمی کے باوجود گھر کے دروازے کھول دیتا اور آنکھیں فرش راہ کر
دیتا۔ لیکن دنیا میں بالکل بے سہارا، اور بے یار و مددگار ہونے کے باوجود،،
عارفہ اب بھی وہی تھی جو پہلے تھی۔
وہ نہیں آئی۔
اس نے بھائی کو اپنے بیوہ ہونے کی اطلاع بھی نہیں دی۔
وہ خون کے آنسو روتی رہی اور اپنی بچی فرخندہ کو پالتی رہی۔
کچھ عرصے کے بعد جس طرح جاوید نے عارفہ کی شادی کو فراموش کر دیا
تھا۔ اس کی بیوگی کو بھی فراموش کر دیا۔
اور پھر کئی سال کے بعد خبر ملی کہ عارفہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئی
عارفہ کے مرنے کی خبر سن کر اس کا دل ہل گیا، وہ اب تک کبھی نہیں رویا تھا
لیکن بچوں کی طرح پھُوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اور پہلی گاڑی سے سورج
گنج روانہ ہوا۔ اور محبت کی تنہا یادگار فرخندہ کو ساتھ لے کر مرزا پور واپس
آگیا۔

(۲)

فرخندہ کو اپنے باپ کی صورت بھی یاد نہیں تھی، ماں یاد تھی، اور ہر وقت یاد رہتی تھی، جاوید نے سورج گنج پہنچ کر یہ غم بڑی حد تک غلط کر دیا۔ وہاں دو دن رہا اور اس مختصر سی مدت میں اس نے فرخندہ کا دل جیت لیا تھا۔ جب وہ اسے اپنے ساتھ لانے لگا تو فرخندہ اتنی خوش تھی جیسے پردیس سے گھر جا رہی ہے دادا دادی نے اسے روکنے کی کوشش کی، لیکن نہ روک سکے۔

راستے میں فرخندہ نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی تصویر نکالی، اور جاوید کو دور سے دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"ماموں جان بتایئے یہ کیا ہے؟"

جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹی اتنی دور سے کیسے دیکھ لوں؟ پاس لاؤ۔"

وہ تصویر لے کر آگے بڑھی اور اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولی۔

"بتایئے۔!"

جاوید نے کوئی جواب نہیں دیا، غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے پوچھا

یہ تمہیں کہاں سے ملی بیٹی؟'

وہ ہنستی ہوئی بولی۔

کیا آپ کی نہیں ہے؟"

اس نے جواب دیا۔

"ہے تو، لیکن تم نے پائی کہاں سے۔؟"

فرخندہ نے بتایا۔

"امی ہر وقت یہ تصویر اپنے پاس رکھا کرتی تھیں، ایک روز اس تصویر کو سامنے رکھی بیٹھی تھیں، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، میں نے پوچھا۔

"امی آپ رو رہی ہیں؟"

انہوں نے جلدی سے آنسو پونچھ لئے، اور پوچھا،

"جانتی ہے یہ کس کی تصویر ہے فرخندہ؟"

میں نے کہا۔

"امی میں کیا جانوں آپ بتایئے!"

کہنے لگیں۔

"یہ میرا پیارا بھائی ہے، تیرا ماموں!"

میں نے پوچھا۔

"امی کیا ان کا انتقال ہوگیا۔؟"

امی نے مجھے کبھی نہیں مارا تھا۔ میرے منہ سے جیسے ہی یہ الفاظ نکلے انہوں نے زور کا ایک طمانچہ میرے منہ پر مارا، پانچوں انگلیاں بن گئیں میرے گال پر۔

کہنے لگیں۔

"بدزبان، خدا نہ کرے، میرا بھائی مرے، تجھ جیسی ہزاروں کو اس پر قربان کر دوں!"

یہ کہتے کہتے فرخندہ کی آنکھیں آب گوں ہوگئیں، جیسے ابھی ابھی عارفہ نے اسے طمانچہ مارا ہے۔ لیکن اپنی اس کیفیت پر غالب آکر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں نے پوچھا، تو پھر آپ کے وہ بھائی کہاں ہیں؟ ہم نے آج تک دیکھا

نہیں ؟"

امی نے کوئی جواب نہیں دیا رونے لگیں، انہیں روتا دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ میں بھی رونے لگی، انہوں نے مجھے کلیجہ سے لگا لیا، اور پیٹھ تھپکتی ہوئی بولیں۔

" آئیں گے ـــ لیکن جب میں مر جاؤں گی!"

اور دفعتہً فرخندہ نے گھورتی ہوئی نظروں سے جاوید کو دیکھا اور کہا۔

" جب وہ مر گئیں تب آئے آپ؟ سچ تو کہتی تھیں، لیکن آپ ان کی زندگی میں کیوں نہیں آئے؟ کیا آپ ان سے خفا تھے؟"

جاوید کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس نے فرخندہ کو گود میں بٹھا لیا۔ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اور گلوگیر آواز میں گویا ہوا۔

" بیٹی تیری ماں مری نہیں زندہ ہے!"

فرخندہ نے حیرت بھری نظروں سے جاوید کو دیکھا اور سوال کیا۔

" امی زندہ ہیں؟"

جاوید نے جواب دیا۔

" ہاں بیٹی زندہ ہیں!"

فرخندہ کی جرأت کچھ اور بڑھی۔ اس نے پوچھا۔

" لیکن کہاں ہیں؟"

جاوید نے ایک عجیب جذبے کے عالم میں کہا۔

" میری طرف دیکھو میں تیرا ماموں بھی ہوں اور ماں بھی!"

یہ فلسفہ فرخندہ کی فہم سے بالاتر تھا۔ لیکن اس میں جو محبت جھلک رہی تھی اسے اس نے محسوس کر لیا۔ اس نے ماموں کے گلے میں باہیں ڈال دیں، اور کہنے لگی۔

" میرے ماموں ـــ"

جاوید نے اُسے کلیجہ سے لگا لیا اور کہا۔

" میری بچی ـــ جب تک میں زندہ ہوں، ماں کی کمی تجھے محسوس نہیں ہوگی!"

نہ جانے کیوں ایک عجیب سا سوال فرخندہ کی زبان پر آگیا۔

" آپ ممانی جان کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے ؟"

جاوید کچھ سوچتا ہوا بولا -

" بیٹی انہیں ساتھ لاتا تو گھر کس پہ چھوڑتا ؟ گھر کا سارا کام انہی کے ہاتھ میں تو ہے - اب تو ہم مرزا پور پہنچ ہی رہے ہیں ، اپنی ممانی سے ملو گی تو بہت خوش ہو گی - وہ مجھ سے زیادہ تمہیں چاہیں گی !"

اس خوشخبری نے فرخندہ کا دل مسرت سے بھر دیا - اس نے خوشی کے عالم میں کہا -

" پھر تو ہماری ممانی جان بہت اچھی ہیں !"

جاوید نے جواب دیا -

" ہاں بیٹی بہت اچھی !"

-:- -:- -:-

(۳)

فرخندہ کے لئے اس گھر کا ماحول نیا تھا، لوگ نئے تھے، زندگی نئی تھی لیکن وہ گھبرائی نہیں۔ اس نے گھر میں اس طرح قدم رکھا، جیسے وہ اسی کا گھر تھا۔ کچھ عرصے کے لئے سفر پر گئی تھی اور اب واپس آگئی ہے، گھر کے لوگ اس سے ملتے ہوئے جھجکتے تھے، لیکن وہ سب سے بے جھجک ملتی تھی اور بے جھجک باتیں کرتی تھی۔

عائشہ بیگم، ان کے لڑکے، لڑکیاں، سب ہی کے لئے فرخندہ ایک عجوبہ تھی۔ ایسی تکلف برطرف لڑکی ان کی نظر سے آج تک نہیں گزری تھی، بھوک لگی کھانا مانگ لیا، نہ ہوتی بھوک تو کھانے سے انکار کر دیا۔ بھائیوں اور بہنوں کو کھیلتے دیکھا، خود بھی ناخواندہ مہمان بن کر پہنچ گئی اور جس کا جی چاہا ساتھ دینے لگی، جس سے جی چاہا مخالف بن کر کھیل کی رہنمائی کرنے لگی اور جب جی چاہا، دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے کمرے میں جاکر کوئی چھوٹی موٹی سی کتاب پڑھنے لگی۔

جاوید اپنے کاروبار میں اس درجہ مصروف رہتا تھا کہ وہ سارا پیار جو سورج گنج سے مرزا پور تک اس نے ظاہر کیا تھا اب ایک نعمت پارینہ بن چکا تھا صبح صبح وہ چلا جاتا اور رات کو اس وقت آتا، جب بچے اور گھر والے عام طور پر سو چکے ہوتے تھے۔

پندرہ دن گزر گئے۔ اس عرصے میں جاوید اور فرخندہ کی ملاقات ہی نہیں

ہو سکی۔ بات چیت کیا ہوتی۔۔

آج اتوار کا دن تھا اور جاوید کو باہر کسی سے خاص کام بھی نہیں تھا، وہ اپنے کمرے سے نکل کر عائشہ کے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اسے فرخندہ نظر آئی۔ فرخندہ کو دیکھ کر اس نے کچھ شرمندگی سی محسوس کی، یا آں شورا شوری یا ایں بے نمکی کہاں تو یہ تلقین کہ تو اپنی ماں کو بھول جا، آج سے تیرا ماموں بھی ہوں اور ماں بھی اور کہاں عمل کی یہ کیفیت کہ پندرہ دن اس بن ماں کی بچی کو آئے ہوئے ہو گئے اور جھوٹوں خبر بھی نہ لی۔

اس نے پیار بھری نظروں سے فرخندہ کو دیکھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرے میں لے آیا۔

"بھئی آج ذرا باتیں کریں گے تم سے!"

وہ اطمینان سے ماموں کے پاس بیٹھ گئی، اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"آپ تو نظر ہی نہیں آتے، جیسے گھر رہتے ہی نہ ہوں!"

جاوید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا کروں بیٹی، کاموں میں کچھ ایسا اُلجھا رہتا ہوں کہ فرصت ہی نہیں ملتی، تو سوئی ہوتی ہے کہ باہر چلا جاتا ہوں، سو چکتی ہے تب رات کو واپس آتا ہوں؟"

بات سچ تھی، فرخندہ نے تردید نہیں کی۔

ذرا دیر کے بعد جاوید نے پوچھا۔

"ناشتہ کر لیا تم نے؟"

وہ بولی۔

"جی ہاں کر لیا!"

"کیا کیا تھا ناشتے میں؟"

"بس، وہی ایک چائے کی پیالی اور آدھی باسی روٹی!"

جاوید کے کاٹو تو لہو نہیں۔

"تم روز یہی ناشتہ کرتی ہو؟"

"جی ۔"

"انڈا نہیں ملتا تمہیں ؟"

"جی نہیں !"

"اور مکھن، توس ؟"

"وہ بھی نہیں !"

"کل رات تم نے کیا کھایا تھا ؟"

"کل رات کو ؟"

"ہاں بیٹی، کل رات کو تم نے کیا کھایا تھا ؟"

"دل روٹی !"

جاوید کا ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا ۔

"گوشت ؟"

ماموں جان گوشت تو جب سے آئی ہوں آج تک نہیں کھایا میں نے ؟"

تم صرف دال روٹی کھاتی رہی ہو اب تک ؟"

"جی ۔"

"کل رات کو تو بہت سی چیزیں پکی تھیں، بریانی، کباب، قورما، میٹھے ٹکڑے، اور دوسری کئی چیزیں ؟"

"جی ہاں یہ چیزیں پکی تو تھیں، بلکہ کبابوں کے لئے قیمہ میں نے ہی پیسا تھا"

جاوید پر جیسے بجلی گر پڑی، اس نے پوچھا ۔

"قیمہ تم نے پیسا تھا ۔"

"جی تو کیا ہوا ؟"

"کچھ نہیں ہوا ۔ لیکن سوال یہ تھا کہ پھر بھی تمہیں دال روٹی ملی ؟"

"وہ تو روز ہی ملتی ہے ماموں جان !"

"کیا تم سب کے ساتھ کھانا نہیں کھاتیں ؟ ناشتہ نہیں کرتیں ؟"

"جی نہیں !"

"کیوں آخر؟"

"ممانی جان نے نہ کبھی بلایا نہ میں گئی، میرے کمرے ہی میں دال روٹی بھیج دیتی ہیں، کھالیتی ہوں!"

"کیا تم اچھوت ہو ماموں جان ۔؟"

"ہوگا کچھ ۔ تمہیں ناشتے میں صرف ایک چائے کی پیالی اور آدھی باسی روٹی ملتی ہے؟"

"ماموں جان جی!"

"اور کھانا صرف دال روٹی ۔؟"

"جی ہاں ماموں جان!"

"مگر تمہیں مجھ سے تو کہنا چاہیئے تھا!"

"آپ سے کیا کہتی؟"

"یہی کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے؟"

"لیکن دال تو بڑے مزے کی ہوتی ہے اور باسی روٹی بھی اب بُری نہیں لگتی!"

"کیا عارفہ تمہیں یہی کھلایا کرتی تھی ۔؟"

"وہ تو بہت سی چیزیں ڈھیر کر دیتی تھیں میرے سامنے، بعض دفعہ تو سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کھاؤں؟ کیا نہ کھاؤں؟"

"اب تم ناشتہ میرے ساتھ کرو گی، دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی اور رات کو بھی میرے ساتھ ہی تمہیں کھانا پڑے گا ۔!"

فرخندہ ہنس پڑی، پھر کہنے لگی ۔ ۔

"لیکن ماموں جان آپ تو صبح اس وقت چلے جاتے ہیں جب سوئی ہوتی ہوں اور رات کو اس وقت آتے ہیں، جب میں سو چکی ہوتی ہوں ۔

"کل سے ایسا نہیں ہوگا۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا، تمہیں میرے ساتھ کھانا پڑے گا، سمجھ گئیں؟"

"میں نے تمہیں دس روپے دیئے تھے، ملازمہ سے کوئی کھانے پینے کی چیز

منگا کر کیوں نہ کھا لی ؟

" وہ تو ممانی جان کے پاس میں نے رکھوا دئے ہیں !"

" لے لو !"

" ~~وہ نہیں دیتیں~~ !"

جاوید پر جیسے بم کا گولا پڑ گیا ہو، وہ چونک پڑا، اس نے کہا۔

" وہ نہیں دیتیں۔ کیا مطلب ؟ ۔ کیا تم نے روپے واپس مانگے تھے ؟"

" جی ہاں ایک دن میرا مٹھائی کھانے کو جی چاہا تھا میں نے آٹھ آنے اپنے روپوں میں سے مانگے تھے ؟"

" پھر ۔ ؟"

ممانی جان نے پوچھا کیا کرو گی آٹھ آنے لے کر ؟ میں نے کہا مٹھائی کھاؤنگی !"

" ہاں سن رہا ہوں، پھر انہوں نے کیا کہا ؟"

وہ کہنے لگیں، چٹورپن کی عادت اچھی نہیں ہوتی، پھر نہ انہوں نے دیئے نہ میں نے مانگے !"

" چٹورپن ۔ خیر دیکھا جائے گا !"

پھر وہ اُٹھ کر کہیں باہر چلا گیا اور فرخندہ اپنے کمرے میں آ گئی ۔

* * *

(۴)

دوپہر کے کھانے سے ذرا پہلے جاوید باہر سے آگیا۔ اور سیدھا عائشہ کے کمرے میں پہنچا، اس نے کہا۔

"عائشہ میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا۔ کیا فرصت ہے؟"

عائشہ کے لئے یہ انداز گفتگو نیا تھا، جاوید نے اس طرح اکھڑی اکھڑی باتیں اس سے کبھی نہیں کی تھیں، نظر اٹھا کر دیکھا تو رنگ رخ بھی بدلا ہوا نظر آیا یہ چیزیں بھی بالکل نئی تھی، وہ جاوید پر حاوی تھی، جو چاہتی تھی کرتی تھی، جاوید کی مجال نہیں تھی کہ اس کے کسی معاملے میں دخل دے سکے۔ وہ صحیح معنوں میں گھر کی مالکہ تھی، لیکن آج اسے اپنے پاؤں تلے سے زمین سرکتی نظر آرہی تھی، اس نے نرم اور ملائم لہجہ میں کہا۔

"پہلے بیٹھ تو جائیے اطمینان سے پھر باتیں ہوتی رہیں گی!"

کوئی اور موقع ہوتا تو اس خوش اخلاقی پر جاوید صدقے قربان ہونے لگتا لیکن اس وقت رسمی طور پر بھی اس نے متبسم ہونا پسند نہیں کیا۔ وہ شخص جو بے بات کی بات پر مسکراتا رہتا تھا۔ اس کا یہ تند و درشت انداز دیکھ کر عائشہ گھبرا گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر حیرت بھری نظروں سے شوہر کو دیکھا اور کہا۔

"آخر آپ بیٹھ کیوں نہیں جاتے، کیا کھڑے ہی رہیں گے!"

وہ بیٹھ گیا، عائشہ نے اپنی دہشت چھپا کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب شروع کر دیں، اپنی ضروری باتیں!"
جاوید نے سگرٹ سلگایا اور ایک لمبا کش لیتے ہوئے کہا۔
"اس گھر میں ایک لڑکی فرخندہ رہتی ہے ۔ رہتی ہے؟"
عائشہ اس اچانک سوال سے حواس باختہ ہو گئی، لیکن اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور کہنے لگی۔
"ہاں رہتی ہے!"
رفتہ رفتہ خلافِ عادت اور خلاف معمول جاوید کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے سوال کیا۔
"یہ کس کی لڑکی ہے؟"
"عارفہ کی!"
"عارفہ کون تھی؟"
"آپ کی بہن!"
"یہاں اس کی کیا حیثیت ہونی چاہیے؟"
"وہی جو گھر کے دوسرے بچوں کی ہے!"
"لیکن کیا یہ حیثیت اسے حاصل ہے؟"
"نہ حاصل ہونے کی وجہ؟"
"کیا تمہارے بچوں کو بھی ناشتے میں صرف چائے کی ایک پیالی اور آدھی باسی روٹی ملتی ہے؟ کیا تمہارے بچے بھی صرف دال روٹی دونوں وقت کھاتے ہیں یہ سیروں گھی اور مکھن کون کھا جاتا ہے؟ یہ گوشت، گردے، کلیجی اور طرح طرح کے لذیذ کھانے جو دسترخوان پر نظر آتے ہیں، کیا میرے لئے پکتے ہیں۔؟
عائشہ چکرا سی گئی، فوراً کچھ جواب دیتے نہ بن پڑا۔ جاوید نے اور زیادہ بلند آواز سے سوال کیا۔
کیا تمہارے بچوں کے لئے مٹھائی نہیں آتی ہے؟ وہ نہیں کھاتے ہیں؟ فضول خرچی کے لئے بھی اگر وہ تم سے روپے پیسے مانگتے ہیں تو کیا فوراً بغیر کوئی

سوال کیے نہیں دے دیتی، لیکن اگر فرخندہ اپنے دس روپے تمہارے پاس رکھائے اور اس میں سے آٹھ آنے مٹھائی کے لیے مانگے تو اُسے "چٹورپن" کا طعنہ دے کر اس کی رقم ضبط کر لیتی ہو۔؟

عائشہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ چھوکری اتنا بڑا فتنہ ثابت ہو سکتی ہے اور اس تفصیل سے ڈھول کا پول کھول سکتی ہے اس پر شرمندگی کی کیفیت بھی طاری تھی اور برہمی کی بھی، دفعتہً جاوید نے کہا۔

" خاموش کیوں ہو، جواب دو۔"

وہ بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پاتی ہوئی بولی۔

" تو فرخندہ نے پندرہ دن کے اندر اندر لگائی بجھائی کا فن بھی سیکھ لیا ہے چھوٹی بچی شکایت بھی کرنے لگی۔ مجھے اس سے فکر نہیں تم سے ہے، تم نے یقین کیسے کر لیا؟

یہ کہتے کہتے عائشہ رونے لگی، مگر جاوید ذرا بھی متاثر نہیں ہوا، اس نے کہا۔

" مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" مجھے میری باتوں کا جواب دو۔ پھر مجھ سے پوچھو، لیکن خیر میں بتائے دیتا ہوں، اس نے خود سے کوئی بات نہیں کی میں نے کرید کرید کر اس سے سوال کیے اور اسے سچ بولنا پڑا۔!"

عائشہ نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

" اگر اس لڑکی کے ابھی یہ لچھن ہیں تو یہاں اس کا گزارا نہیں ہو سکتا!"

جاوید کو غصہ آگیا۔

" کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

" کہنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں، سنو بھی تو کہنے بھی تو دو!"

" سن رہا ہوں کہو!"

" تو سنو۔ یہ لڑکی ظاہر میں تو بڑی بھولی نظر آتی ہے لیکن ہے بس کی گانٹھ!"

" وہ کیونکر؟"

" ہر وقت بچوں سے لڑتی جھگڑتی رہتی ہے ــــ چور رنگ ہے!"

اسی جرم میں تم نے اس کے دس روپے ضبط کر لئے۔

" وہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی میری باتوں کا یقین نہیں آئے گا تمہیں اسی لئے چپ سادھے ہوئے تھی!"

" چپ سادھے رہو، یہی اچھا ہے!"

" چاہے وہ جو کچھ کرے؟"

" تمہیں شرم آنی چاہیئے یہ باتیں کرتے ہوئے!"

" تو کیا جھوٹ بول رہی ہوں؟"

" یہ سب غلط، سب جھوٹ ۔"

" میں پوچھتی ہوں کیا یہ لڑکی اس لئے ہے کہ گھر میں پھوٹ ڈلوادے؟"

" یہ لڑکی گھر میں اس لئے آئی ہے کہ اس طرح رہے جس طرح دوسرے رہتے ہیں، وہ ہرگز چور نہیں ہے، اگر ہے بھی تو چرالے سب کچھ اس کا ہے وہ ہرگز لڑاکا نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو پاگل قطعاً نہیں ہے اسی وقت لڑتی ہو گی جب کوئی اس سے لڑنا چاہتا ہو گا۔ وہ کسی کی ذلیل نہیں ہے کوئی ایک کہے گا تو وہ دس سنانے کا حق رکھتی ہے، اور یہ حق میں نے اسے دیا ہے، کوئی اس کے گال پر ایک طمانچہ مارے گا تو وہ اس کے منہ پر گھونسہ مارنے کا حق رکھتی ہے اور یہ حق بھی میں نے اسے دیا ہے ۔ آگیا سمجھ میں؟

" بہت اچھی طرح!"

" اور ایک بات کان کھول کر سن لو!"

" کھلے ہوئے ہیں سن رہی ہوں، کہو!"

" آج سے اس کا کھانا اور ناشتہ میرے ساتھ ہوا کرے گا ۔"

" لیکن تم ۔"

ہاں میں دیر سے آیا کرتا ہوں لیکن اب جلدی سے آجایا کروں گا اور اگر کسی دن نہ آسکوں تو یہ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ سب کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھائے اور جو چاہے اور جتنا چاہے کھائے!" اور اگر کبھی میں نے اب یہ سنا کہ

اس کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں ہو رہا ہے، اسے چائے اور باسی روٹی اور دال روٹی ملتی ہے تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ تم نے میری محبت کا رنگ اتنے طویل ساتھ میں اچھی طرح دیکھ لیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ میری نفرت کا رنگ بھی دیکھو۔ اگر مجھے یقین ہو گیا کہ فرخندہ کے ساتھ اچھا اور محبت کا برتاؤ نہیں ہو رہا ہے تو بہت ممکن ہے میں یہ گھر چھوڑ دوں ——؟"

"گھر بھی چھوڑ دو گے اس کے لئے؟"

"ہاں —— وہ میری بہن کی لڑکی ہے، اس بہن کی جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا تھا اور جو دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی۔"

"یہ تو بڑی عجیب اور بالکل نئی بات سن رہی ہوں۔ ورنہ تم تو عارفہ کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔ اس کا میاں مر گیا جب بھی تم پرسے تک کے لئے نہیں گئے، بیوہ ہونے کے بعد کئی سال وہ زندہ رہی مگر تم نے خبر بھی نہ لی اور آج یہ سن رہی ہوں کہ وہ تمہاری چہیتی بہن تھی اور تم اُس کے چہیتے بھائی تھے کیا تمہاری نفرت محض ڈھونگ تھی؟"

"ڈھونگ نہیں حماقت!"

"کیا تم اس کی سب باتیں بھول گئے؟"

ہاں —— اب مجھے صرف وہی یاد ہے اور زندگی کی آخری سانس تک میرا دل مجھے ملامت کرتا رہے گا کہ میں نے اس پر ظلم کیا!"

"ہو گا بھئی، ہم کیا جانیں —— !"

"لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے وہ تو جان لیا تم نے؟"

"بہت اچھی طرح!"

"تو بتاؤ کیا فیصلہ کیا تم نے؟"

"میری کیا مجال ہے کہ کوئی فیصلہ کر سکوں، حکم سن لیا اب اس کی تعمیل ہو گی!"

"میں یہی چاہتا تھا!"

اتنے میں خادمہ آئی اور اس نے کہا۔
" کھانا تیار ہے سرکار — !"
" جاوید اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے خادمہ سے کہا۔"
" فرخندہ کہاں ہے ؟" وہ بولی۔
" کھیل رہی ہے، اپنی گڑیوں سے!"
جاوید نے کہا" اسے کھانے کے کمرہ میں لے آؤ!"
خادمہ نے سنا اور حیرت سے عائشہ اور جاوید کی طرف دیکھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

- ⁂ - ⁂ - ⁂ -

(۵)

فرخندہ اب جاوید کے ساتھ کھانا کھاتی تھی اس کی وجہ سے اس نے اپنا معمول بدل لیا تھا اب جلد گھر واپس آجایا کرتا تھا اور شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ خالی ہاتھ آیا ہو، کچھ نہ کچھ اس کے لئے ضرور لاتا تھا۔

عائشہ یہ دلدوز منظر دیکھ کر جل جاتی تھی، فرخندہ کی خاطر داریاں جاوید کی طرف سے جتنی بڑھ رہی تھیں، اتنی ہی وہ اس سے متنفر ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن دل کی دل میں رکھنے پر مجبور تھی۔ زبان سے اُف بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جاوید کے تیور دیکھ چکی تھی، اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی اور اُسے مشتعل کرنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن بچے تو بچے ہوتے ہیں، وہ نہ مزاج شناس ہی ہیں، نہ دوست جو جی میں آیا کر گزرے، نتیجہ کچھ ہی ہو اس کی پروا نہیں، ایک روز نسیمہ اور فرخندہ میں لڑائی ہو گئی، نسیمہ کو یہ غرّہ کہ گھر ہمارے باپ کا ہے فرخندہ کی یہ اکڑ کہ گھر ہمارا بھی ہے۔ کیونکہ ہمارے ماموں کا بھی ہے۔ نسیمہ نے کہا۔

"تم تو ہمارے باپ کے ٹکڑوں پر پل رہی ہو!"

فرخندہ نے برجستہ جواب دیا۔

"تم ہمارے ماموں جان کے ٹکڑے توڑ رہی ہو۔"

نسیمہ نے کہا۔

"کمینی، ذلیل!"

فرخندہ نے بھی یہی الفاظ دوہرائے
"کمینی، ذلیل!"
نسیمہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، تڑ سے ایک طمانچہ فرخندہ کے گال پر جڑ دیا، فرخندہ بھی کب رہنے والی تھی، اس نے دھڑ سے ایک گھونسہ بی نسیمہ کی پیٹھ پر جڑ دیا، وہ روتی ہوئی ماں کے کمرے میں گئی۔ ماں نے اسے گود میں اٹھا لیا، اور پوچھا۔
"کیا ہوا میری بچی؟"
نسیمہ نے روتے روتے کہا۔
"فرخندہ نے مارا!"
عائشہ نے بگڑے ہوئے تیور سے سوال کیا۔
"تجھے فرخندہ نے مارا؟ اس کی یہ ہمت؟"
نسیمہ نے پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔
"اتنی زور سے گھونسہ مارا ہے کہ اب تک درد ہو رہا ہے!"
عائشہ کا جی چاہا، اسی وقت جائے اور مارتے مارتے فرخندہ کو بے دم کر دے لیکن جاوید کی تصویر نظر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی، اس ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتی، لیکن ہاتھ نہ چلا سکی تو کیا ہوا زبان تو چلا سکتی تھی، کہنے لگی۔
"ہاتھ ٹوٹیں اس نمک حرام کے، ہمارا کھاتی ہے اور ہمیں پر غراتی ہے اتنی ذرا سی لونڈیا نے نہ جانے کیا جادو کر دیا ہے ان پر (جاوید پر) کہ بس ہر وقت اسی کا کلمہ پڑھتے ہیں، اسے بھول گئے کہ جیسی اس کی ماں تھی، ویسی ہی یہ نکلے گی۔"
منّی پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے پوچھا۔
"اس کی ماں کیسی تھی؟"
وہ تو دل کا غبار نکالنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی تھیں، یہ تو آتش سمندر پر تیل ثابت ہوئی، کہنے لگی۔

ہوتی کیا آوارہ تھی ۔
سہیل کو یہ الفاظ سن کر حیرت ہوئی، اس نے سوال کیا۔
ہماری پھوپھی آوارہ تھیں؟ — کیوں سلما؟" وہ بولی۔
" آوارہ نہ ہوتیں تمہاری پھوپھی صاحبہ، تو خود شوہر پسند کر کے گھر سے نکل کیوں جاتیں؟"
سہیل کا جذبہ جستجو تیز ہوتا جا رہا تھا۔
" امی کیا وہ بھاگ گئی تھیں پھپھی کسی کے ساتھ؟"
" ہاں — تمہارے ابا جان، یعنی تمہاری پھوپھی کے بھائی صاحب منع ہی کرتے رہ گئے مگر وہ تو جوانی کے نشے میں مدہوش ہو رہی تھیں، بھائی کی کیا سنتیں؟ نکاح کیا اور چل کھڑی ہوئیں، اپنے خاندان کو رسوا کر کے، بھائی کے منہ پہ کالک لگا کے اور اپنے کلنک کا ٹیکہ لگا کے!"
سہیل نے سراپا استعجاب بن کر پوچھا۔
" سچ امی؟"
وہ خفا ہوتی ہوئی گویا ہوئیں۔
" اے لڑکے تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"
اسی شرم سے تو پھر مرتے مرتے مر گئیں، اس گھر میں قدم نہیں رکھا نہ بھائی نے صورت دیکھنا گوارا کی؟"
" ہاں ہم نے تو کبھی انہیں دیکھا نہیں"
" تو تو بالشت بھر کا بچہ تھا تجھے وہ کیا یاد ہوں گی۔"
" لیکن امی، اگر وہ ایسی ہی بری تھیں تو ابا جان فرخندہ کو کیوں لے آئے اور لا کر یہاں کیوں رکھا؟"
" میں کیا جانوں بیٹے؟ میں خود حیران ہوں، کہ بھائی کا یہ حال تھا کہ بہن کا نام سننا بھی گوارا نہیں تھا، جاوید اسے یاد کر کے آنسو بہایا کرتے ہیں اور اس بس کی گانٹھ فرخندہ سے تو ایسی محبت شروع کی ہے کہ تم لوگوں کو یعنی

اولاد تک کو بھول بیٹھے ہیں ۔ پاگل پن ہے یہ بھی !"
" ہم نے تو کبھی فرخندہ کا نام بھی نہیں سنا تھا ۔"
" سنتے کیسے، اجازت کب تھی، اس گھر میں ان ماں بیٹی کا نام لینے کی کسی کو۔"
اتنے میں عائشہ بیگم کو کوئی کام یاد آیا اور وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں، ان کے جانے کے بعد سہیل کے جی میں نہ جانے کیا آئی، اُٹھا اور تیر کی طرح فرخندہ کے کمرے میں پہنچا وہ کاپی پر لکھنے کی مشق کر رہی تھی، سہیل نے اندر جاتے ہی کاپی چھینی اور ایک طرف پھینک دی، فرخندہ نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔
" یہ آپ نے کیا کیا ۔ ؟ مجھے ماسٹر صاحب، کو ان کا دیا ہوا کام کر کے دکھانا ہے ؟
سہیل نے گویا کچھ نہیں سُنا کہنے لگا ۔
" تم نے سہیلہ کو مارا ؟"
وہ بولی ۔
" اس نے بھی تو مجھے مارا تھا !"
" تم نے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ؟"
" ہاں بے شک !"
" تم نے سہیلہ کی پیٹھ پر گھونسہ مارا ؟"
" اس نے میرے گال پر طمانچہ مارا تھا !"
بے غیرت، بے حیا، بے شرم !"
" آپ خود ہوں گے !"
" تم نے مجھے بے غیرت کہا، بے حیا کہا، بے شرم کہا ؟"
" جو جیسی کہے گا، ویسی سنے گا !"
" میں سہیلہ نہیں ہوں !"
" لیکن میں تو فرخندہ ہوں !"
" اگر میں تمہیں ماروں تو ؟"

"میں بھی ہاتھ پیر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی رہوں گی - !"
"کیا تم مجھے بھی مارو گی ؟ کیوں ؟"
"ہاں جو مجھے مارے گا وہ مار کھائے گا!"
"مگر میں تم سے بڑا ہوں - " کم از کم چار برس !"
"اس سے کیا ہوتا ہے - اپنی عزت اپنے ہاتھ !"
"اب مجھے یقین آگیا، امی نے جو کچھ کہا تھا بالکل صحیح کہا تھا!"
"کیا کہا تھا ؟"
"جیسی تمہاری ماں تھی ویسی ہی تم بھی ہو !"
"میری ماں کیسی تھی ؟"
"آوارہ عورت — جس نے اپنی پسند کے آدمی سے شادی کی اور اس کے ساتھ اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اور اپنے بھائی کے منہ پر سیاہی لگا کر بھاگ کھڑی ہوئی -"
یہ سن کر فرخندہ کا تن بدن کانپنے لگا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا -
"تو تو جھوٹ بکتا ہے — "
اور پھر جو قلمدان سامنے رکھا ہوا تھا وہ اٹھا کر سہیل پر کھینچ مارا، اس نے آج ہی کپڑے بدلے تھے اور اسکول کے ایک فیکشن میں جانا تھا، اس لئے بڑے اچھے کپڑے منتخب کر کے پہنے تھے، سارے کپڑے، سیاہی سے داغدار ہو گئے۔ قلمدان ماتھے سے زور سے ٹکرایا اور ماتھے پر گرمڑ پڑ گیا۔
سہیل کو آج تک کسی نے پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا وہ باپ کا پیارا اور ماں کا دلارا تھا، اس کی گستاخیاں اور بدتمیزیاں، شوخی اور شرارت سمجھ کر ٹال دی جاتی تھیں، وہ بڑے سے بڑا نقصان کر ڈالے، کسی کو کتنی ہی اذیت پہنچائے، مگر کسی میں ہمت نہ تھی اس کا ہاتھ پکڑ سکے، اسے روک سکے، ٹوک سکے۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا اور اس کے ہر کام کے اچھے ہی معنی لئے جاتے تھے۔

اس نے جب اپنے کپڑوں کی یہ گت دیکھی اور ماتھے پر درد محسوس کیا تو تاب ضبط نہ رہی، اس نے پہلے تو فرخندہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے جھنجھوڑا اور پھر زور سے میز پر دھکا دے کر گرا دیا، جس جگہ وہ گری، یہاں ایک کیل ابھری ہوئی تھی، جو سر میں گڑ گئی اور خون بہنے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر سہیل الٹے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آگیا، راستے میں عائشہ سے مڈبھیڑ ہو گئی، پیچھے پیچھے وہ بھی پہنچیں اور انہوں نے پوچھا۔

"یہ کیا ہوا؟"

سہیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اتنے میں عائشہ کی نظر بیٹے کے ماتھے پر گئی، تو وہ کچھ سوچا ہوا نظر آیا، بیقرار ہو کر پوچھا۔

"بتاتا کیوں نہیں کس سے لڑ کر آیا ہے؟"

سہیل نے کہا۔

"یہ سب فرخندہ کی حرکت ہے؟"

فرخندہ کی حرکت ہے؟ وہ تجھے کہاں ملی تھی؟ - کیا تو اس سے لڑنے گیا تھا؟"

"ہاں -"

"پھر -؟"

اس نے قلمدان کھینچ کر مجھے مارا، جس سے کپڑے بھی خراب ہو گئے اور ماتھے پر چوٹ بھی آئی - اس وقت تو میں واپس آگیا ہوں، لیکن میرا نام بھی سہیل نہیں اگر ایسا بدلہ نہ لوں کہ زندگی بھر یاد کرے -

بڑی بے بسی کے ساتھ عائشہ نے کہا۔

خدا اس حرامزادی کو موت بھی نہیں دیتا، یہ تو ڈائن بن کر ہمارے گھر آئی ہے، نہ جانے کب اس سے نجات ملے گی، آج وہ آئیں تو فیصلہ ہو جائے گا ایسی مرد مار لڑکی ہمارے گھر میں نہیں رہ سکتی!"

اور جس وقت عائشہ اپنے چہیتے بیٹے سے یہ باتیں کر رہی تھی، اسی وقت زینب۔ گھر کی خادمہ کسی کام سے فرخندہ کے کمرے میں پہنچی تو اسے میز پر نیم بیہوش اور خون سے لہو لہان دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھی اور اُسے گود میں لے کر بڑے پیار سے سوال کیا۔

"یہ کیا ہوا میری بچی؟"

زینب اس گھر کی پرانی ملازمہ تھی، اس نے جاوید اور عارفہ کو گودوں کھلایا تھا۔ جب سے فرخندہ آئی تھی اسے کلیجہ سے اس طرح لگائے ہوئے تھی جیسے وہ اُسکی ماں ہے۔

فرخندہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی، زینب نے پھر سوال کیا۔

"بیٹی یہ کیا ہوا؟"

فرخندہ نے کمزور آواز میں کہا۔

"سہیل بھائی نے دھکا دے کر میز پر گرا دیا، کیل گڑ گئی۔"

زینب نے جلدی جلدی اس کا خون پونچھا، پھر زخم میں جالا بھرا پھر اسے بستر پر لٹا دیا، اس کے بعد سوال کیا۔

"لیکن سہیل یہاں کیوں آیا تھا؟ — اگر آیا تھا تو اس نے یہ ظلم کیوں کیا؟"

فرخندہ رونے لگی، اس نے کہا۔

"وہ میری امی کو گالی دے رہے تھے!"

زینب نے سراپا حیرت بن کر پوچھا۔

"تیری امی کو گالی دے رہا تھا؛ عارفہ کو؟"

فرخندہ نے جواب دیا۔

"ہاں — اور مجھے بھی!"

"میں نے وہ گالیاں تو سن لیں جو مجھے دی تھیں، لیکن جب امی کو انہوں نے آوارہ عورت کہا۔"

اور اس کے بعد وہ کچھ نہ کہہ سکی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے

زنیب نے اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو پونچھے، خود اس کی آنکھیں بھی آب گوں ہو گئیں، بھرائی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

" اس نے عارفہ کو آوارہ عورت کہا "

فرخندہ نے اقرار میں گردن ہلا دی، اس کی آنکھوں سے اب تک آنسو بہ رہے تھے۔ زنیب نے ایک مرتبہ پھر اپنے بوڑھے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے اور کہا۔

اللہ ان لوگوں سے سمجھے گا، جو ایک یتیم بچی کو بھی سکھ سے نہیں رہنے دیتے نہ جانے کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو جیسے ان کے سینے میں دل کے بجائے پھر کا ٹکڑا ہے!"

(۶)

جاوید آج ذرا دیر سے گھر واپس آیا، لیکن خلاف معمول بات یہ تھی کہ سارے گھر پر سناٹا چھایا ہوا تھا، نہ شوروغل، نہ ہنگامہ، نہ چیخ و پکار، اس سکون اور سکوت پر اُسے حیرت ہوئی۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ البتہ عائشہ سے فرمائش کی۔

"بھئی بھوک لگی ہے کیا کھانے میں کچھ دیر ہے؟"

عائشہ نے بہت سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔

"دیر کیوں ہوتی، تمہارا انتظار ہو رہا تھا، زینب نکال رہی ہے۔ ابھی دستر خوان بچھتا ہے۔"

ہمیشہ کا معمول تھا جاوید جب باہر سے آتا تھا تو سہیلہ آتے ہی اس سے لپٹ جاتی تھی، آج وہ پیکر سنجیدگی بنی خاموشی سے الگ تھلگ بیٹھی تھی جاوید نے عائشہ سے پوچھا۔

آج سہیلہ بیگم منہ پھلائے کیوں بیٹھی ہیں؟ کیا تم نے دو چار ہاتھ جھاڑ دئے؟

وہ بولیں۔

"میں کیوں مارتی اپنی بچی کو، جب کہ خدا رکھے دوسرے پیٹنے والے اور مرمت کرنے والے موجود ہیں۔"

جاوید نے گھور کر عائشہ کو دیکھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر سہیلا سے کہا۔

"بیٹی ادھر آؤ ۔"

"وہ آئی اور چپ چاپ باپ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی، جاوید نے سوال کیا ۔

"اپنے ابو جان سے خفا ہو کچھ بیٹی ؟"

سہیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ اس کی آنکھیں ہلنے لگیں، جاوید نے پریشان ہو کر عائشہ سے دوبارہ کہا ۔

"کیا بات ہے آخر — ؟ یہ کیوں رو رہی ہے ؟"

پھر اُسے اُٹھا کر گود میں بٹھایا اور پیار کرنے لگا، اس اثناء میں عائشہ نے کہا ۔

"اسی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے ۔"

جاوید نے اس سے پوچھا ۔

"کیوں بیٹی رو کیوں رہی ہو ؟"

سہیلہ نے روتے ہوئے جواب دیا ۔

فرخندہ نے مارا ۔

جاوید کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اس نے پوچھا ۔

"تجھے فرخندہ نے مارا ؟"

وہ بولی ۔

"اتنی زور سے پیٹھ پر گھونسہ مارا کہ اب تک درد ہو رہا ہے !"

جاوید کو غصہ آ گیا، اس نے کہا ۔

"یہ کیا لغویت ہے ؟ میں فرخندہ کو تنبیہ کردوں گا ۔"

اتنے میں سہیل آیا اور دروازے کے پاس کھڑا ہو کر باپ کو دیکھا پھر واپس جانے کے لئے مڑا، عائشہ نے اُسے ٹوکا ۔

"آؤ بیٹے تم بھی اپنی پٹائی کا حال سنا دو باپ کو — میں کچھ کہوں گی تو شامت آجائے گی میری ۔"

سہیل آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا اندر داخل ہوا، جاوید نے عائشہ سے سوال کیا۔
"اسے کس نے مارا؟"
عائشہ نے جواب دیا۔
"خدا رکھے فرخندہ کے سوا کس کی ہمت ہو سکتی ہے کہ مردوں پر ہاتھ اُٹھائے۔"
کچھ حیرت، کچھ اضطراب، کچھ برہمی کے ساتھ جاوید نے کہا۔
"فرخندہ نے مارا سہیل کو؟"
وہ کہنے لگیں۔
"میں جھوٹی ہوں تو بچہ سامنے کھڑا ہے دریافت کر لو اس سے، یہ بھی جھوٹا ہو تو ماتھا دیکھ لو سوجا ہوا ہے یا نہیں؟"
جاوید نے دیکھا تو واقعی ماتھا سوجا ہوا تھا، اب تو وہ غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔
"کیا ہوا تھا؟"
عائشہ نے لقمہ دیا۔
"سب ہی سے ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے، ہزار مرتبہ اس کمبخت سے کہا ہے۔ ساری دنیا سے ٹھٹول کر لے، لیکن فرخندہ سے بات نہ کر، وہ تیرے ماموں کی چہیتی اور ہتھ چھٹ، کسی دن مرمت کر دے گی، سو آج دیکھ لو مرمت ہو گئی، صاحبزادے کی، سوجا ہوا ماتھا لئے گھوم رہے ہیں!"
جاوید کا پارہ اب نقطۂ عروج پر پہنچ چکا تھا، اس نے کڑک کر کہا
"کہاں ہے فرخندہ بلاؤ اسے!"
اتنے میں زینب نے دستر خوان لگا دیا جانے کی اطلاع دینے آئی۔
جاوید نے اس سے پوچھا۔
"فرخندہ کہاں ہے؟"
وہ بولی۔

" اپنے کمرے میں پڑی ہے، بخار میں لت پت ۔"

جاوید نے متحیر ہو کر سوال کیا ۔

" بخار ہے اسے ؟ "

وہ بولی ۔

" ہاں، میرے خیال میں تو ڈاکٹر کو دکھا دو بھیا ! خون بہت نکل گیا ہے اس کے سر سے ۔"

اس انکشاف پر عائشہ بیگم بھی چونک پڑیں ۔

جاوید اُٹھ کھڑا ہوا ۔

" چلو میں چلتا ہوں ۔"

--:-- --:-- --:--

(۷)

جاوید فرخندہ کے کمرے میں پہنچا۔
عائشہ بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچی، زینب ساتھ ساتھ تھی، فرخندہ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، خون اب تک رس رہا تھا۔ جس نے پٹی سرخ کر دی تھی۔ جاوید اس کے پاس جاکر بیٹھ گیا، اور محبت بھرے لہجہ میں پوچھا۔
"یہ کیا ہوا بیٹی؟" "تم زخمی کیسے ہو گئیں؟"
پھر اس نے فرخندہ کی نبض پر ہاتھ رکھا، زینب نے سچ کہا تھا واقعی وہ بخار میں لت پت تھی کسی طرح ۱۰۱ سے کم نہ ہوگا۔
جاوید نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرایا۔
"بیٹی بتاؤ۔ کیا سہیلہ سے تمہاری لڑائی ہو گئی تھی آج؟"
وہ کمزور آواز میں بولی۔
"جی ہاں —"
"کیا بات ہوئی تھی؟"
فرخندہ نے جواب دیا۔
میں بیٹھی اپنی گڑیوں سے کھیل رہی تھی، یہ آئیں اور کہنے لگیں۔ تو ہمارے باپ کے ٹکڑوں پر پڑی ہوئی ہے، ہماری برابری کرتی ہے۔
جاوید کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔
سہیلہ نے یہ کہا؟ — پھر تم نے جواب دیا۔

وہ بولی۔

" میں نے کہا تم خود میرے ماموں جان کے ٹکڑے توڑ رہی ہو۔"

ذرا دیر کے لئے جاوید کے ہونٹ تبسّم سے آشنا ہوئے، اس نے پوچھا

" پھر ___ ؟"

وہ کہنے لگی۔

" پھر سہیلہ نے میرے منہ پر ایک طمانچہ بڑے زور سے مارا دیکھ لیں، اب بھی نشان ہے میرے گال پر!"

جاوید نے کہا۔

" ہاں دیکھ رہا ہوں ___ اس کے بعد کیا ہوا۔"

" اس نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا۔

" میں نے بھی اس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔"

بے ساختہ جاوید کے منہ سے نکلا

" شاباش بہت اچھا کیا تم نے ___ لیکن بیٹی سہیل تو لڑکا ہے اور تم سے چار سال بڑا ہے، تم نے اُسے بھی مارا۔"

وہ بولی۔

" ماموں جان میرا جی چاہ رہا تھا، میں سہیل بھیا کی زبان کاٹ لوں، گلا گھونٹ دوں!"

یہ کہتے کہتے اس کے ہونٹ لرزنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔

جاوید اس کیفیت سے خاصا متاثر ہوا، لیکن اس نے تفتیش کا سلسلہ جاری رکھا۔

" یہ کیوں ؟" کیا کہا تھا اس نے ؟"

فرخندہ اب اپنے گرمئے بے اختیار اور سوز نہاں پر کسی حد تک غالب آگئی تھی، اس نے کہا۔

" انہوں نے امی کو کہا آوارہ عورت ___ "

ویہ ایک بم کا گولہ تھا، جس نے جاوید کو تڑپا دیا۔ عائشہ بھی دم بخود تھیں

انہیں قطعاً نہیں معلوم تھا۔ معاملات یہ صورت اختیار کر چکے ہیں، فرخندہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

ماموں جان! میں اپنی امی کو بہت چاہتی ہوں اور جب سے وہ مری ہیں اور زیادہ چاہنے لگی ہوں، یہ الفاظ سُن کر مجھے غصہ آگیا۔ میں نے قلمدان کھینچ کر مار دیا۔"

جاوید نے سوال کیا۔

" لیکن تم کیسے زخمی ہوئیں؟"

وہ کہنے لگی۔

سہیل بھیا نے پہلے تو میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر مجھے زور سے جھنجوڑا پھر دو تین مکے مارے، اس کے بعد میز پہ دھکیل دیا۔ کیل میرے ماتھے میں گھس گئی، بہت سارا خون نکل گیا، میں تو بیہوش ہوئی جارہی تھی، لیکن زینب بوا نے آکر خون پونچھا، پٹی باندھی اور زخم میں جالا بھر دیا۔ لیکن سر اب تک درد کر رہا ہے اور بدن ٹوٹ رہا ہے!"

پھر اس نے سر پہ بندھی ہوئی پٹی پہ ہاتھ رکھا اور وہ ہاتھ جاوید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

" دیکھئے خون اب تک بند نہیں ہوا ہے!"

جاوید نے اُسے خود گود میں لے کر پیار کیا اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

" ابھی بند ہو جائے گا، تمہیں ڈاکٹر کے ہاں لے کر چلتا ہوں وہ انجکشن لگا دے گا اور تم بالکل اچھی ہو جاؤ گی۔"

پھر وہ عائشہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔

" آپ لوگ کھانا تناول فرمایئے، مجھے شاید دیر ہو جائے واپس آنے میں!"

(۸)

جاوید کے جانے کے بعد عائشہ بیگم اپنے کمرے میں پہنچیں ۔ انہوں نے سہیل کے آنسوؤں اور سہیل کی چوٹ سے جو نفسیاتی فائدہ اٹھایا تھا وہ باطل ہوگیا تھا سوچا کچھ تھا ہوا کچھ ۔ جاتے ہی پہلے تو انہوں نے سہیل کے ایک دوہتڑ رسید کیا ۔ اور بگڑ کر کہنے لگیں ۔

" میں کہتی ہوں کمبخت تجھے فرخندہ سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، کہ اس کی ماں آوارہ تھی ۔ ۔ ۔ ؟ بول !"

سہیل نے بڑے اطمینان سے دوہتڑ کی ذرا بھی پروا کئے بغیر کہا ۔

" آپ ہی تو کہا کرتی ہیں، میں نے آپ ہی سے سنا تھا ۔"

وہ چیختی ہوئی بولی ۔

" میں تو نہ جانے کیا کیا کہا کرتی ہوں، جو کچھ مجھ سے سنے گا، سب اگل دے گا دوسروں کے سامنے ۔

سہیل نے ذرا اکھڑتے ہوئے تیور کے ساتھ سوال کیا ۔

" تو کیا اس کی ماں آوارہ نہیں تھی ؟"

لاجواب ہوتے ہوئے عائشہ نے کہا ۔

" اگر تھی بھی تو تجھے کیا ؟ — کوئی تو خدائی فوجدار ہے ؟ — تجھے اتنا یاد رہ گیا وہ آوارہ تھی، یہ بھول گیا تھا، تیرے باپ کی بہن تھی وہ اور تیرا باپ اُسے بہت چاہتا تھا ؟"

وہ بے پروائی سے گویا ہوا۔
میں نہیں جانتا ۔ جو جیسا ہو گا ویسا ہی کہا جائے گا۔"
عائشہ بیگم نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔
اد میرے خدائی خود سر کیا تو میرے چونڈے میں آگ لگوائے گا ؟ کیا تو مجھے اس عمر میں طلاق دلوائے گا ؟ وہ شخص جس کا نام جاوید ہے، بڑا اسر پھرا ہے اس سے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔
اب تو سہیل بھی کچھ سراسیمہ سا نظر آنے لگا، لیکن کچھ کہہ نہ سکا زینب سامنے کھڑی تھی۔ عائشہ نے اس سے تنکے کا سہارا لینے کی کوشش کی اس سے پوچھا۔
"بوا تم ہی بتاؤ اب کیا کروں ؟"
زینب نے کہا۔
"بیٹی بہت بُرا ہوا یہ !
وہ بولیں۔
"یہ تو میں بھی جانتی ہوں، لیکن یہ بتاؤ اب کیا کروں ؟ ۔ ان کا رجاوید کا) غصہ جانتی ہوں قیامت ہے وہ غصہ میں بھرے ہوئے گئے ہیں، تم نے دیکھا نہیں تھا سارے بدن سے کانپ رہے تھے ۔؟"
زینب نے تائید کرتے ہوئے کہا۔
" ہاں بیٹی دیکھا تو تھا میں نے بھی !"
عائشہ کہنے لگی۔
"اس وقت تو وہ اس لئے کچھ نہیں بولے کہ فرخندہ کے خون رس رہا تھا اور اسے ڈاکٹر کے ہاں لے جانا تھا۔
زینب نے پھر خشک سی تائید کر دی۔
" ہاں یہی بات تھی !"
عائشہ نے بڑی بے بسی کے ساتھ پوچھا۔

"بوا اب کیا ہو گا؟"

زینب نے اطمینان دلایا۔

"کچھ نہیں ہو گا، بچے آپس میں لڑ ہی جایا کرتے ہیں، ہو گئی لڑائی، اب تم نے ڈانٹ ڈپٹ کر دیا ہے، احتیاط کریں گے، نہیں لڑیں گے۔"

لیکن عائشہ کو تسلی نہیں ہوئی، اس نے کہا۔

"نہیں بوا، جھوٹی تسلی نہ دو، مجھے تو ایک بڑا ہولناک طوفان آتا دکھائی دے رہا ہے اس گھر میں وہ آ کر قیامت ڈھا دیں گے، نہ سہیلہ کی خیر ہے نہ سہیل کی، نہ میری۔ کیا ہو گا میرے مولا؟ میرا تو یہ سوچ سوچ کر خون سوکھا جا رہا ہے؟"

زینب نے سچ کے چہرے سے تھوڑا سا نقاب اٹھایا۔

"لیکن بیٹی، تمہارا برتاؤ بھی تو فرخندہ کے ساتھ اچھا نہیں ہے، بچے ان جانے طور پر ماں کی تقلید کرتے ہیں، یہ بھی اس سے نفرت کرنے لگی، اور میں کہتی ہوں، بچے پھر بچے ہیں، اول تو فرخندہ یتیم بچی ہے، ویسے بھی تمہیں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہتے تھا اور جانتی ہو کہ بھیا (جاوید) اس پر فدا ہے۔ پھر تو اور زیادہ تمہیں دکھاوے کے طور پر ہی اس سے اچھا برتاؤ کرنا چاہیے تھا!"

-:- -:- -:-

(۹)

زینب کے اس تھوڑے سے سچ نے عائشہ کے تن بدن میں آگ لگا دی، اس نے کہا۔

"واہ بوا واہ، تم نے بھی ایک ہی کہی۔"

زینب نے پوچھا۔

"تو بیٹی میں نے غلط کہا ہے۔!"

عائشہ نے جواب دیا۔

"بالکل غلط!"

زینب نے سوال کیا۔

"وہ کیسے بیٹی؟"

وہ بولی۔

"کیا تم نہیں جانتیں، عارفہ جب تک اپنے دھگڑے کے ساتھ بیاہ رچا کر اس گھر سے منہ کالا کر کے نہیں گئی تھی، میری زندگی اس نے اجیرن کر دی تھی!"

زینب نے سراپا حیرت بن کر سوال کیا۔

"تمہاری زندگی اجیرن کر دی تھی عارفہ نے؟۔ یہ میں سن رہی ہوں بیٹی۔؟"

وہ تنک کر گویا ہوئی!

"اب اتنی بھولی بھی نہ بنو! کیا تم کو نہیں معلوم، جب تک وہ یہاں رہی اس گھر کی حالت وہی تھی، سارا روپیہ پیسہ بھائی صاحب لاکر چہیتی بہن کے ہاتھ دیں

رُندھ دیتے تھے، گھر میں وہی پکتا تھا جو وہ چاہتی تھی۔ کپڑے سب کے وہی بنتے جو وہ پسند کرتی تھی، اس کی مرضی ہوتی تو گھر بھر کو سینما لے جاتی، اس کا جی نہ چاہتا تو کوئی نہیں جا سکتا تھا، ملازم اس کی رائے سے رکھے جاتے تھے اور اس کے فیصلے سے برطرف کئے جاتے تھے۔ کیا یہ غلط ہے؟"

"ہاں یہ ٹھیک ہے!"

"میں اس گھر کے مالک کی بیوی تھی — بتاؤ تھی یا نہیں؟"

"ہاں تھیں!"

"مگر میری حیثیت کیا تھی؟ کیا میں اس کی دستِ نگر نہ تھی؟"

"دستِ نگر کاہے کو ہوتیں؟ بھیا نے تمہارا جیب خرچ مقرر کر رکھا تھا وہ برابر ملتا رہتا تھا تمہیں، گھر کا سارا انتظام بے شک عارفہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ تمہیں اتنا چاہتی تھی —

"جھوٹ مت بولو، وہ مجھے بالکل نہیں چاہتی تھی!"

"بیٹی جھوٹ تم بول رہی ہو!"

"میں؟ — میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

ہاں — وہ تمہیں اتنا چاہتی تھی، جیسے تم اس کی بھابی نہیں بال ہو، وہ اپنے لئے معمولی سے کپڑے بناتی تھی۔ تمہارے لئے قیمتی سے قیمتی کپڑے بنائی تھی اپنے لئے اس نے کبھی کوئی زیور نہیں بنایا، تمہارے لئے ہزاروں روپے کے زیورات بھائی سے لڑ لڑ کر بنوائے — کیا یہ جھوٹ ہے!"

"اگر یہ سچ بھی ہے تو یہ خیرات تھی جو مجھے عارفہ کے ہاتھ سے ملتی تھی؟"

"بیٹی خفا نہ ہو جانا یہ تمہارے دل کی کھوٹ ہے۔"

"میری جگہ تم ہوتیں تو تم بھی محسوس کرتیں۔ جب تک عارفہ اس گھر میں رہی میں نے اپنی حیثیت ایک باندی سے زیادہ بھی نہیں سمجھی، اللہ اللہ کر کے وہ دفع ہوئی، میں نے اطمینان کا سانس لیا، پھر وہ مر گئی، تو میں بالکل بے فکر ہو گئی، کیونکہ جب تک وہ زندہ تھی ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا، نہ جانے کب

بھائی صاحب کی محبت زور کرے اور وہ جا کر اسے لے آئیں، اتنی اتنی اللہ آمین کے بعد وہ مری، لیکن مرتے مرتے بھی میرے دل پر زخم چپکا لگا گئی۔"

" اسے بیٹی کیا کیا اس جان ہارنے؟"

" اس جان ہارنے کیا کیا؟ - مرنے کے بعد اپنا بھوت چھوڑ گئی۔

" فرخندہ!" وہی صورت، وہی باتیں، وہی ادائیں، جتنی نفرت مجھے عارفہ سے تھی اس سے کہیں زیادہ فرخندہ سے ہے عارفہ صرف میرے لئے وبال جان تھی اور یہ موئی پستولی، میرے لئے اور مجھ سے زیادہ میرے بچوں کے لئے وبال جان ہے۔

- * - - * - - * -

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

(٠١)

"علم غیب تو بیٹی کسی کو بھی نہیں حاصل ہے انہوں نے خود ایک دن اس سے پوچھا۔

"تم نے ناشتہ میں کیا کیا کھایا آج ؟"

وہ جھوٹ نہیں بولی، سچی بتادی۔

یہ سن کر بھیا نے کھانے کو پوچھا۔

"اور کھانا کیا کیا کھاتی ہو ؟"

"جو کھاتی تھی سچ سچ بتادیا۔"

"اے ہے کچھ وہ سچی کچھ تم!"

"تو کیا مجھ سے لڑنے کا ارادہ ہے ؟"

"اور تم سے لڑتی ہے میری بیزار، لو اور سنو، پاؤں کی جوتی سر پہ کچھ اپنے ہوش میں ہو یا نہیں ؟ کچھ میرے برابر کی ہو جو تم سے لڑوں گی ؟"

"بیٹی ۔۔"

"خبردار جو مجھے بیٹی کہا، تمہارے بیٹے جاوید صاحب ہیں اور بیٹی فرخندہ خانم۔ وہ تو میں پہلے ہی دن سمجھ گئی تھی، تمہارے لئے فرخندہ کی صورت میں عارفہ زندہ ہو گئی ہے۔ اس کی حامی بھروگی، دیکھ لو وہی کر رہی ہو!"

"میں نے تمہارے بھلے کو ایک بات کی تھی، مجھے کیا معلوم تھا میرے ہی اوپر الٹ پڑو گی ؟"

"میرے بھلے کو کیا بات کی تھی ؟"

"پوری بات کہنے بھی دی ہوتی۔ تم نے زبان پکڑ لی میری!"

"اچھا کہو، سن رہی ہوں ۔ ہاں"

"بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ خدا سے ڈرو، فرخندہ یتیم اور بے گناہ لڑکی ہے اس کا دل دکھاؤ گی، تکلیف دو گی، تو اس کی آہ عرش تک سیدھی جائے گی۔ اسے کلیجہ سے لگاؤ گی، پیار کرو گی، اچھا سلوک کرو گی، تو اللہ کی رحمت نازل ہو گی تم پر ۔۔"

"ماشاء اللہ وعظ تو اچھا کہہ لیتی ہو ؟"

"بیٹی وعظ کہنا میں کیا جانوں ؟ یہ تو محبت بھرے دل کی صدا ہے اللہ نے تمہیں بھی اولاد دی ہے، خدا سے ڈرو ـــ"

"اب تم کو سنے لگیں، آج کیا ہو گیا ہے تمہیں ؟"

"میرے دشمن کوسیں، جاوید کی اولاد کو، یا جاوید کی دلہن کو میں کوس سکتی ہوں ؟" "کوسوں تو میرے منہ میں کیڑے پڑیں ـــ"

"توبہ اللہ ـ کیسی باتیں بنانی آتی ہیں بڑی بی تمہیں ؟"

"باتیں بنا کر کوئی انعام نہیں لوں گی تم سے، میں تو صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں، اسے سن لو، اسے مان لو، تو دین و دنیا میں ہر جگہ تمہارا بھلا ہے !"

"وہ کون سا نسخہ کیمیا ہے، جو میرا دین بھی سنوار دے گا اور دنیا بھی، ذرا بتاؤ تو سہی !"

"وہ نسخہ کیمیا یہ ہے کہ فرخندہ کو اپنی اولاد سمجھو، دل میں یہ اٹل فیصلہ کر لو۔ کہ جس طرح سہیلہ تمہاری لڑکی ہے، اسی طرح فرخندہ بھی ہے تم صرف سہیلہ کی ماں نہیں ہو، فرخندہ کی بھی ہو، تمہاری ایک بچی نہیں دو بچیاں ہیں، میں نے سنا ہے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی یتیم بچہ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتا ہے، اسے اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنے اس کے سر پر بال ہوتے ہیں !"

"(فخر کے ساتھ) اور کیا سنا ہے ؟"

"بیٹی اتنا کافی ہے، اس پر عمل کر لو گی تو سب ٹھیک ہے۔"

"لیکن میں اس پر عمل نہیں کر سکتی !"

"یہ کیوں آخر ؟"

اس لئے کہ مجھے فرخندہ سے نفرت ہے اسے دیکھتی ہوں کہ مجھے وہ زہر کی پڑیا یا عارفہ یاد آجاتی ہے ایمں اس لڑکی سے صرف نفرت کر سکتی ہوں، محبت نہیں کر سکتی، سہیلہ میری کوکھ سے پیدا ہوئی ہے، اس نے میری دشمن کے پیٹ سے جنم لیا ہے اسے اور سہیلہ کو کس طرح میں ایک سمجھ سکتی ہوں، سہیلہ، سہیلہ ہی رہے گی اور یہ جو کچھ ہے وہی رہے گی، مجھے دکھا دے سے نفرت ہے جو

میرا ظاہر ہے وہی میرا باطن ہے، میں اپنی نفرت کو چھپا نہیں سکتی۔ کسی طرح بھی نہیں!"

"پھر تو بیٹی یہ گھر جہنم بن جائے گا!"

"بن جائے!"

"پھر تمہاری اور جاوید کی ان بن ہو جائے گی!"

ہو جائے گی

"اس وقت تم غصہ میں ہو، اکیلے میں میری باتوں پر غور کرنا، پھر کوئی آخری رائے قائم کرنا۔"

"میری رائے ہمیشہ وہی رہے گی جو اب ہے، اس میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔"

میری بچی، میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے، میں تمہیں بھی جانتی ہوں اور جاوید کی بھی مزاج شناس ہوں، اسے میں نے گودوں کھلایا ہے، اگر تم اپنی بات پر اڑی رہیں، تو اپنے ہاتھوں اپنا گھر ڈھا دو گی، تم اب تک محسوس نہیں کر سکیں کہ جاوید فرخندہ کو کتنا چاہتا ہے اس نے عارفہ کی محبت فرخندہ کی طرف منتقل کر دی ہے۔

خدا کے لئے اس سے ٹکر نہ لو، خدا کے لئے اپنے پاؤں پر کلہاڑی نہ مارو خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کرو، بے شک اپنے اوپر رحم نہیں کرتیں تو اپنے اوپر رحم کرو، بے شک تم فرخندہ سے نفرت کرتی رہو، لیکن صرف یہ کہ وہ تمہارے شوہر کی بھانجی ہے اور تمہارا شوہر اس سے بے محبت کرتا ہے، اس سے اچھا سلوک کرو، شریف لوگ تو دشمنوں سے بھی اچھا سلوک کرتے ہیں، تم شریف ماں اور شریف باپ کی بیٹی ہو۔ اپنی وضع نباہو۔

عائشہ بڑے غور سے زینب کی باتیں سن رہی تھی اور زینب کہے جا رہی تھی۔

"جاوید تمہارا شوہر ہے، تمہارا سہاگ اس کے دم سے قائم ہے، تمہاری خوشیاں

صرف اسی کی ذات سے وابستہ ہیں، اسے صدمہ نہ پہنچاؤ، اس کا دل نہ توڑو، اسے مشتعل نہ ہونے دو، ورنہ یہ چھوٹا سا گھروندا، جس میں اب محبت کے پھول کھلے رہتے تھے، آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائے گا، تم اپنے لئے، اپنے بھلے کے لئے، فرخندہ سے بدسلوکی نہ کرو۔ بیٹی یہ وعظ نہیں ہے۔ میں ٹھری ایک جاہل وعظ کیا کہوں گی، اور وہ بھی تم جیسی پڑھی لکھی کے سامنے لیکن عمر کی عزت کرتے ہیں، میں عمر میں تمہاری ماں سے بھی بڑی ہوں، میری نصیحت دل کے کانوں سے سنو، کہو تو قرآن ہاتھ پر رکھ کر کہہ دوں، میں نے جو کچھ کہا ہے وہ فرخندہ کی محبت میں نہیں تمہاری ہی محبت میں کہا ہے، ویسے یہ سچ ہے کہ میں فرخندہ کو بہت چاہتی ہوں، اسے دیکھتی ہوں تو عارفہ یاد آجاتی ہے اور میری محبت ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔"

-٭- -٭- -٭-

(۱۱)

کئی گھنٹے گزر گئے مگر جاوید فرخندہ کو لے کر ایسا گیا کہ واپس نہیں آیا۔

اب تو عائشہ بیگم سخت پریشان ہوئیں، کچھ شوہر کا ڈر، کچھ اپنی اولاد۔ سہیلہ اور سہیل کی نالائقی، کچھ زینب کی نصیحت اور فضیحت نے ان کی رائے تو فرخندہ کے بارے میں نہیں بدلی تھی، لیکن حواس باختہ ضرور کر دیا تھا اور اب سب سے بڑھ کر یہ حادثہ، اتنی دیر ہوگئی جاوید واپس نہیں آیا۔

"وہ بار بار سوچتی تھی، آخر اس تاخیر کا راز کیا ہے؟"

مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

آخر جب کچھ سمجھ آئی تو اس نے سہیل کی خبر لینا شروع کی۔

"حرامزادے تو آخر کیا لینے گیا تھا فرخندہ کے کمرے میں!"

وہ بے پروائی سے گویا ہوا۔

"اس نے سہیلہ کو کیوں مارا تھا؟"

وہ جل کر بولیں۔

"اور اب میری چونڈی جو مونڈی جائے گی، تب کیا کرو گے؟ اور سنو تم پر بے بھاؤ کے جوتے پڑیں گے تب کیا ہوگا؟"

سہیل کی بے پروائی اب تک قائم تھی، کہنے لگا۔

"دیکھا جائے گا۔"

سہیل کی ان باتوں سے وہ مشتعل ہو گئیں، لیکن گھبراہٹ اشتعال پر غالب

نکلی اٹھیں اور سیدھی زینب کے کمرے میں پہنچیں، اور اس سے کہا۔
" کتنی دیر ہو گئی ہو گی، انہیں گئے ہوئے ؟"
زینب نے جواب دیا۔
" کوئی تین گھنٹے تو ہو چکے ہوں گے، دستر خوان لگ چکا تھا، جب گئے تھے اب عصر کی اذان ہو چکی ہے!"
تشویش اور اضطراب کے عالم میں عائشہ نے سوال کیا۔
تو آخر کہاں رہ گئے!"
" وہ بولی۔"
" میں کیا جانوں بیٹی ؟ ۔ خدا خیر کرے، کہیں فرخندہ کی حالت خدانخواستہ زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو!"
" بھاڑ میں جائے فرخندہ، میں ان کو پوچھ رہی ہوں تم فرخندہ کا رونا رو رہی ہو!"
اس اعتراض کا زینب کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، خاموش ہو رہی، لیکن اس کی یہ خاموشی بھی عائشہ کو کھانے لگی، اس نے پوچھا۔
" آخر وہ اب تک کیوں نہیں آئے!"
" زینب نے گول مول سا جواب دیا۔"
" ہاں بیٹی آئے تو نہیں اب تک!"
عائشہ نے جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد دلائی۔
" وہ کھانا کھا کر بھی تو نہیں گئے ہیں!"
جواب میں زینب صرف اتنا کہہ سکی ۔
" ہاں ۔"
" کسی کو بھیجو معلوم کرے کہاں گئے ہیں وہ ؟"
تو کیا میں یوں ہی بیٹھی ہوئی ہوں ؟ ۔ دو دفعہ امجد کو بھیج چکی ہوں، نہ وہ ڈاکٹر شیخ کے ہاں گئے۔ نہ ڈاکٹر احمد کے ہاں، یہی دونوں خدانخواستہ جب کبھی کوئی بیمار پڑتا ہے۔ بلائے جاتے ہیں۔"

(مضطرب ہو کر) نہ ڈاکٹر شیخ کے ہاں گئے، نہ ڈاکٹر احمد ہاں گئے ہیں ؟"

" ان دونوں میں سے تو کسی کے ہاں نہیں گئے ۔؟"

" پھر آخر کہاں جا سکتے ہیں ۔ ؟"

" یہی تو میں سوچ رہی ہوں ؟"

" صرف سوچتی ہی رہو گی یا کچھ بتاؤ گی بھی !"

" بیٹی بتاؤں کیا ؟ جتنی تم ناواقف ہو، اتنی ہی میں بھی لاعلم ہوں ۔!"

کچھ سوچتے ہوئے عائشہ نے کہا ۔

" ممکن ہے ڈاکٹر مرزا کے ہاں لے گئے ہوں، وہ چیر پھاڑ بھی جانتے ہیں مانے ہوئے ڈاکٹر ہیں !"

" ہاں یہ ہو سکتا ہے ۔ کیا امجد سے کہہ دوں وہاں سے معلوم کر آئے جا کر ؟"

" پوچھنے کی ضرورت ہے ؟ فوراً امجد کو بھیجو اور جو خبر لائے فوراً اس کی اطلاع دو، میں سخت پریشان ہوں، میرے تو آئے گئے حواس غائب ہوئے جا رہے ہیں "

" ہاں بیٹی کیوں نہ ہو گا ؟ ۔ تم پریشان نہ ہو گی تو اور کون ہو گا ؟"

اتنے میں سہیلہ آئی اور ماں کے پاؤں سے لپٹ کر کسی بات کی ضد کرنے لگی انہوں نے ایک طمانچہ اس کے بھی جڑ دیا اور کہنے لگیں ۔

" چپ چاپ چلی جاؤ اپنے کمرے میں ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا !"

رنگ محفل دیکھ کر وہ چپ چاپ کھسک گئی اسے گئے ہوئے مشکل سے ایک منٹ گزرا ہو گا کہ زینب نے کہا ۔

" ہاں تو آ گئے ۔ اب لیکن خالی ہاتھ ؟ فرخندہ کہاں ہے ؟"

(۱۲)

زینب نے بے تابانہ آگے بڑھ کر پوچھا۔

" بیٹے بڑی دیر لگا دی تم نے ؟ ۔ دولہن (عائشہ) تو سخت پریشان تھیں ہر جاننے والے ڈاکٹر کے ہاں بے چاری نے آدمی دوڑائے، لیکن کہیں بھی تمہارا پتہ نہیں چلا، اب امجد کو ڈاکٹر مرزا کے ہاں بھیجا ہے دولہن نے۔"

جاوید نے ایک دزدیدہ نگاہ عائشہ پر ڈالی اور جواب میں کہا۔

" ہاں دیر ہو گئی !"

عائشہ نے سوال کیا ۔

" لیکن فرخندہ کو کہاں چھوڑ آئے ؟ "

" جاوید نے اس سوال کا جواب عائشہ کے بجائے زینب کو دیا ۔

" وہ ہسپتال میں ہے !"

دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے زینب نے پوچھا ۔

" ہسپتال میں ؟"

جاوید نے جواب دیا ۔

" ہاں ۔ کافی گہرا گھاؤ آیا ہے سر میں، ڈاکٹر سجاد نے آپریشن کیا ہے۔

" آپریشن ۔ ؟ "

" ہاں، ورنہ معاملہ بہت نازک ہو جاتا !"

" اب کیا حال ہے اس کا ؟"
بے ہوش پڑی ہے اتنی چھوٹی سی جان اور نہ جانے کتنا خون نکل گیا۔
" ہاں بیٹے خون تو بہت نکلا !"
اور تم یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئیں کہ زخم میں جالا بھر اور پٹی باندھ کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئیں اور مریض کا دکھ جاتا رہا ؟"
زینب اس اعتراض پر کچھ سٹ پٹا گئی، کہنے لگی،
" مجھے کیا معلوم تھا گھاؤ اتنا گہرا ہے ؟"
جاوید نے خفگی کے لہجہ میں کہا۔
" بہر حال وہ ہسپتال میں ہے غالباً دس بارہ روز اسے وہاں رہنا پڑے گا میں صرف اطلاع دینے آیا تھا، اب پھر وہیں جا رہا ہوں، رات کو میرا قیام وہیں رہے گا۔ دن کو تم چلی آیا کرنا !"
" بیٹے تم وہاں رہ کر کیا کرو گے ؟ میں رات دن وہاں رہوں گی !"
نہیں مجھ ہی کو اس کے پاس رہنا چاہیئے اس سے اس کا دل خوش ہوگا۔ اور اسے یقین ہو جائے گا، اس گھر میں سب اس کے دشمن نہیں ہیں کوئی دوست بھی ہے !"
اس طنز کو عائشہ نے شربت کے گھونٹ کی طرح پی لیا اور کہنے لگی
دن کو بوا چلی جایا کریں گی، رات کو میں رہ جایا کروں گی !"
تو زہر خند کرتے ہوئے جاوید نے کہا۔
تمہیں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے میرے خیال میں یہ خدمت سہیل کے سپرد کر دو تو زیادہ بہتر رہے گا۔!"
یہ الفاظ سن کر عائشہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی، لیکن عورت دور اندیش تھی ضبط سے کام لیا اور کوئی تلخ جواب نہیں دیا، بلکہ کہا۔
میں نے سہیل کو اس حرکت پر شاباش تو نہیں دی بے شک اس سے بڑی غلطی ہوئی اور میں نے اسے مارا بھی، سزا دی، لیکن سہیل کو یہ تو

نہیں معلوم تھا کہ میز میں کیل نکلی ہوئی ہے ۔"

جاوید کو غصہ آگیا، اس نے کہا ۔

"اسے تو صرف یہ معلوم تھا کہ فرخندہ کی ماں آوارہ تھی اور یہ علم بھی اُسے الہام کے ذریعہ ہوگا، گھر میں تو کسی سے یہ بات سُنی نہ ہوگی ؟"

یہ ایسا اعتراض تھا جس کا جواب عائشہ کے پاس کچھ نہ تھا، وہ خاموش ہو رہی ۔

"ایک اٹیچی میں میرے اور فرخندہ کے کچھ کپڑے رکھ دو، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلد از جلد مجھے ہسپتال پہنچنا چاہیے، اب وہ ہوش میں آچکی ہوگی اور اس کی آنکھیں مجھے تلاش کر رہی ہوں گی اور مجھے نہ پاکر وہ بہت زیادہ پریشان ہو جائے گی!"

یہ باتیں سن کر عائشہ کی روح تڑپ اٹھی،

جس لڑکی سے وہ انتہائی نفرت کرتی تھی ۔

اس سے جاوید کی یہ انتہائی محبت قطعاً ناقابل برداشت تھی، لیکن یہ موقعہ نہ سوال جواب کا تھا نہ لڑنے جھگڑنے کا چنانچہ چپ چاپ تعمیل حکم کے لئے وہ روانہ ہو گئی ۔

--- --- ---

(۱۳)

جاوید کے جانے کے بعد عائشہ نے زینب سے کہا۔

" تم نے ان کی جلی کٹی باتیں سنیں ؟"

وہ بولی،

" ہاں سنیں !"

عائشہ نے کہا۔

" اس طرح کی باتیں کرتے انہیں شرم نہ آئی ؟"

بات کو ختم کرنے کے لئے زینب نے کہا۔

" سہیل نے جو کچھ کیا واقعی بہت بُرا کیا ۔"

" تو میں کب اس کی تعریف کر رہی ہوں ۔ کیا اس کا گلا گھونٹ دوں ؟ زہر دے دوں اسے ۔"

" اے خدا نہ کرے بیٹی ! للّٰہ ایسے بدکلامی کے الفاظ منہ سے نہ نکالو خدا اسے زندہ رکھے !

" پھر طنز و توہین کی بارش کیوں ہو رہی تھی ؟"

" جانتی ہو اسے غصہ جلدی آجاتا ہے اور یہ بات بھی غصہ کی تھی ، لیکن ایک بات ہے ۔ غصہ اُتر بھی جلد ہی جاتا ہے ، دیکھ لینا کل تک اس کا اثر بھی نہ رہے گا ؟"

لیکن مجھے غصہ دیر میں آتا ہے اور بہت دیر میں اترتا ہے ؟"

لیکن تمہیں کس بات پر غصہ ہے ؟"

"میری حماقت کہ!"

فرخندہ ہسپتال سے آجائے، اس کے سر پہ ہاتھ رکھو، وہ بھی خوش ہو جائے گی، جاوید کا دل بھی صاف ہو جائے گا، آخر وہ اس کی بہن کی - اور بہن بھی وہ جسے دنیا میں وہ سب سے چاہتا - لڑکی ہے اس کی حالت دیکھ کر اسے اگر غصہ آگیا تو تعجب کی کیا بات ہے؟"

"لیکن بوا میری ایک بات سن لو!

"سن رہی ہوں بیٹی کہو!"

"فرخندہ کے لئے میرے دل میں جو نفرت ہے وہ محبت سے نہیں بدل سکتی!"

"لیکن اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

"تم نہیں جانتیں؟"

"بالکل نہیں -"

"اس نے میرے شوہر کو مجھ سے چھین لیا ہے اس نے میرے بچوں سے ان کا باپ کو چھین لیا ہے، اس نے اس گھر میں فتنہ و فساد کی داغ بیل ڈال دی ہے میں اُسے نہ بھول سکتی ہوں، نہ معاف کر سکتی ہوں!"

"اچھی ماں ہو تم، اس سے نفرت کرتی ہو -"

"ہاں بے شک کرتی ہوں!"

"اور محبت نہیں کر سکتیں -!"

"قطعاً نہیں کر سکتی!"

"شوق سے نہ کرو، لیکن بتاؤ نفرت کر کے اور محبت نہ کر کے اس کا بگاڑ کیا لو گی؟"

بگاڑوں گی یا نہیں یہ تو آگے چل کر معلوم ہوگا، لیکن اس سے کوئی مطلب واسطہ نہیں رکھوں گی، تم نے جس طرح جاوید صاحب اور عارفہ کو پالا پوسا ہے اسی طرح فرخندہ کو بھی پروان چڑھانا -

"یہ تو میرا فرض ہے اور اُسے ضرور انجام دوں گی، لیکن تم اس سے نفرت

کر کے کیا فائدہ اُٹھا لوگی۔"

مجھے ایسا فائدہ نہیں چاہیے، جو اس کے طفیل میں حاصل ہوا۔

"کیا اس طرح تم جاوید سے دور نہیں ہو جاؤ گی؟"

"مجبوری ہے!"

"کیا اس طرح یہ ہنستا کھیلتا گھر سنسان نہیں ہو جائے گا۔؟"

"مجبوری ہے!" وہ کیوں خراب ہونے لگا؟"

"تمہاری اور جاوید کی تلخی کا اثر لازمی طور پہ بچوں پر بھی پڑے گا!"

"مجھے اس کی پروا نہیں!"

"گویا گھر پھونک تماشہ دیکھنا چاہتی ہو؟"

"یہی سہی!"

بیٹی اگر تم اپنے فیصلے میں اتنی اٹل ہو، تو پھر میرا کچھ سننا یا سمجھانا بھی بے کار ہے۔

"میرا بھی یہی خیال ہے!"

"بس تو پھر ٹھیک ہے جو چاہے کرو۔ میں صرف دعا کر سکتی ہوں، تمہاری بھلائی کے لئے سو وہ کرتی رہوں گی!"

"شکریہ — عائشہ نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی، زینب ہکا بکا کھڑی اسے دیکھتی رہی!"

-٭- -٭- -٭-

(۱۴)

جاوید منزل پر گھٹن، تلخی اور اداسی کی فضا چھائی ہوئی تھی، اب تک جاوید کی برہمی کم نہیں ہوئی تھی، فرخندہ والے واقعہ کے بعد سے اب تک اس نے سہیلہ کو پیار نہیں کیا تھا، سہیلہ سے بات نہیں کی تھی اور عائشہ کو منہ نہیں لگایا تھا عائشہ کی طرف سے بھی اس فضا میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہیں ہوئی تھی۔

ایک روز یکایک سلمیٰ ہنستی مسکراتی جاوید منزل میں داخل ہوئی۔

سلمیٰ عائشہ کی بہن تھی، عمر میں چھوٹی، عقل میں بڑی، اس کا شوہر ارشاد کسی دوسرے شہر میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز تھا۔ بڑی سعی و کوشش کے بعد اس کا تبادلہ مرزاپور میں ہو گیا تھا۔

سلمیٰ خوش تھی کہ جدائی کا دور ختم ہوا، اب دونوں بہنیں ایک ہی شہر میں رہیں گی۔

عائشہ کو بھی اس کے آنے خوشی ہوئی۔

سلمیٰ نے گھر کی فضا، عائشہ کی افسردگی، سہیلہ اور سہیل کی خاموشی سے تاڑ لیا، ضرور دال میں کچھ کالا ہے، اس نے بہن سے پوچھا،

"آپا تبادلہ کیا بات ہے؟"

عائشہ نے بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے سلمیٰ !"

"تم چپ چپ کیوں ہو ؟ بچے ڈرے ڈرے سے کیوں ہیں ؟ بھائی صاحب کا موڈ کیوں ٹھیک نہیں ہے۔ گھر میں کم آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سب سے خفا ہیں — آخر کیوں ؟"

"ہاں خفا تو ہیں گھر بھر سے !"

"وہی تو پوچھتی ہوں، کیوں ؟ کس لئے ؟"

اس لئے کہ اس گھر میں میری ایک سوکن آگئی ہے۔

سوکن آگئی ہے ؟ — کہاں ہے وہ ؟ — بتاؤ میں ابھی جا کر اس کا منہ نوچ لوں گی !"

"تم ایسا کروگی تو تمہارے بھائی صاحب تمہارا گلا گھونٹ دیں گے !"

"دیکھا جائے گا، یہ بتاؤ وہ ہے کہاں ؟"

"فی الحال ہسپتال میں ہے دو تین دن میں آجائے گی !"

"ہسپتال میں کیوں ہے — ؟"

"تفریح کرنے گئی ہے !"

سلمیٰ ہنس پڑی۔

لیکن عائشہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

سلمیٰ نے بہن کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور بچوں کی طرح اصرار کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپا کیا تم نہیں بتاؤ گی کیا معاملہ ہے ؟"

عائشہ نے آنسو پونچھے اور ساری کہانی از اول تا آخر سنا ڈالی، سلمیٰ غور سے اس کی باتیں سنتی رہی، پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے تمہیں فرخندہ سے نفرت کی جانی چاہیے وہ نفرت کی مستحق بھی ہے اس کی ماں بھی اسی قابل تھی۔"

"بس یہی میرا جرم ہے اور اس جرم سے میں کبھی باز نہیں آسکتی !"

"ہرگز۔ باز نہ آؤ، لیکن آپا، فرخندہ کی دشمنی کے پیچھے تمہیں اپنا گھر برباد نہیں کرنا چاہیے، اپنے بچوں کا مستقبل خراب نہیں کرنا چاہیے، خود اپنی زندگی تلخ نہیں بنانی چاہیے ۔"

"یہی نصیحت زینب بھی کر چکی ہیں!"

"کر چکا کریں ۔ سچی بات ہر کسی کی غور سے سننا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے!"

"تو تمہاری رائے بھی یہی ہے کہ مجھے فرخندہ کے قدموں پر سر رکھ دینا چاہیے"

"توبہ کرو آپا، یہ کون کہہ سکتا ہے؟"

"پھر آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"صرف ایک بات؟"

"کیا ہے وہ بات؟"

یہ کہ حکمت عملی سے کام لو، فرخندہ کے لئے جو نفرت تمہارے دل میں ہے اسے بھائی صاحب کے دل میں منتقل کر دو!"

"یہ نہیں ہو سکتا!"

"ضرور ہو سکتا ہے، لیکن احتیاط اور دور اندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہے ۔

"تو بتاؤ کیا کروں؟"

فرخندہ سے نفرت کرو، لیکن ظاہری برتاؤ کرو کہ بھائی صاحب قائل ہو جائیں۔ تم اس سے محبت کرتی ہو؟

"پھر کیا ہو گا؟"

پھر بھائی صاحب فرخندہ سے دور ہوتے جائیں گے، پھر وہ تم پر اعتماد کریں گے، تم جو کہو گی وہ مانیں گے، اور پھر چند سال بعد جہاں چاہنا اس کی شادی کر کے دفع کر دینا اپنے گھر سے بارہ سال کی عمر تو ہے اس کی ۴، ۵ سال میں شادی کے قابل ہو جائے گی، رشتہ وہ تلاش کرو جہاں دن رات اسے

جوتے کھانے کو ملیں اور اس کے ساتھ وہ سلوک ہو جو باندیوں سے ہوتا ہے
جو رشتہ تم پسند کروگی بھائی صاحب بھی اسے پسند کرنے پر مجبور ہوں گے ۔
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ــ "

" تو کیا ہوگا ؟ "

" پھر وہ جیت جائے گی، تم ہار جاؤ گی ! "

" لیکن ان کے دل میں تو یہ بات جم گئی ہے کہ میں اس کی دشمن ہوں ! "

" یہ بات میں ان کے دل سے نکال دوں گی ۔ "

" کیا جادو آتا ہے تمہیں ــ ؟ "

" ہاں ــ عقل سے بڑا جادو کوئی نہیں ہے ! "

عائشہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ۔

" اچھا دیکھنا ہے تمہاری عقل کو دیکھیں گے کیا کر لیتی ہو تم ؟ "

" دیکھ لینا ! "

اور واقعی سلمٰی نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا
اس گفتگو کے تیسرے دن اس نے جاوید سے کہا ۔
بھائی صاحب فرخندہ کب آرہی ہے ہسپتال سے ؟"

جاوید نے بے رخی سے جواب دیا ۔

" کل ــ "

سلمٰی نے کہا ۔

" لیکن وہ اکیلی نہیں آئے گی، وہاں سے نہ چوروں کی طرح چھپ چھپائے
آئے گی ــ ! "

یہ عجیب سی باتیں سن کر اس نے سوال کیا ۔

" پھر کیا ہوگا ــ ؟ "

سلمٰی نے جواب دیا ۔

" ہم سب لوگ اسے لینے جائیں گے اور باجے تاشے کے ساتھ واپس

لائیں گے ۔"

"سب لوگ کون ؟"

ہیں، آپا، سہیلہ، سہیل، آپ، زینب بوا، امجد سب ہی جائیں گے اور اسے بڑی ٹھاٹھ سے لائیں گے، پھر یہاں بڑی دھوم سے میلاد شریف ہوگا، اس کے غسل صحت کی تقریب منائی جائے گی، اسے تحفے دیئے جائیں گے۔

اتنے دنوں کے بعد پہلی مرتبہ جاوید کے ہونٹ تبسم سے آشنا ہوئے۔

" اچھا ۔"

وہ عائشہ کے انداز میں سر ہلاتی ہوئی بولی ۔

" جی ہاں ۔"

" تحفے کون کون دے گا اسے ؟"

" سارا گھر ۔ آج میں نے اس کے لئے زرکار اور زرنگار جوڑا بنایا ہے سہیلہ اس کے لئے لیمن سیٹ لائی ہے اور میاں سہیل نے تو حاتم کی گور پہ لات ماردی ہے وہ اس کے لئے ایک بڑی خوبصورت سونے کی گھڑی لایا ہے ۔"

" (مسکراتے ہوئے) یہ خبر کس اخبار میں پڑھی ہے تم نے ؟"

" وہ مسکراتی ہوئی بولی ۔

" ہوم گزٹ میں !" اری سہیلہ! ذرا اپنا سیمن سیٹ تو لاینے ۔

سہیلہ نے ایک قیمتی سیمن سیٹ لاکر سامنے رکھ دیا ۔ پھر سلمٰی نے سہیل کو پکارا وہ حاضر ہوا تو پوچھا ۔

" وہ گھڑی کہاں ہے جو تم اپنی بہن فرخندہ کے لئے لائے ہو !"

سہیل نے جیب سے گھڑی نکال کر سامنے رکھ دی ۔

پھر سلمٰی نے زینب کو آواز دی، وہ آئیں تو کہا ۔

" ذرا جاکر وہ زربفت کا جوڑا تو لانا جو آپا نے فرخندہ کے لئے بنایا ہے !"

وہ جوڑا ابھی آگیا ۔

یہ سب چیزیں دیکھ کر جاوید واقعی خوش ہوگیا۔ اس نے کہا ۔
" یہ جادو کی چھڑی تم نے چلائی ہوگی ۔
وہ بولی ۔
"کسی نے بھی چلائی ، لیکن اب خوش ہو جایئے معاف کر دیں ، سب کو بچے آپس میں لڑتے ہیں ، میل بھی کر لیتے ہیں ۔ فرخندہ میں اور سہیل و سہیلہ میں لڑائی ختم بھی ہو گئی ۔ سچ کہتی ہوں سہیل اتنا نادم ہے کہ جب یہ ذکر چھڑتا اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں ۔ ہماری آپا زبان کی تو ذرا سخت ہیں ، لیکن دل کی بڑی اچھی ہیں ، یقین کرو ، وہ اسے اتنا چاہتی ہیں ۔ جتنا سہیلہ کو آپ کو نے خواہ مخواہ بات کا تبنگڑ بنا دیا ۔"

جاوید خاموش ہوگیا اور دوسرے دن واقعی بڑی دھوم دھام سے فرخندہ ہسپتال سے گھر آ گئی ایسی شان دار استقبال کا تو وہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتی ۔ اس کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں ۔

٭٭٭ ٭٭٭ ٭٭٭

حِصّہ دوم

قیدِ نفس

(۱)

گھر کی بوجھل بوجھل سی فضا ختم ہو گئی!

اب یہ گھر پھر وہی گھر تھا جہاں ہر وقت قہقہے گونجا کرتے تھے اور لطف ومسرت کے ترانے برسا کرتے تھے۔

جاوید پھر وہی پہلا سا محبت کرنے والا شوہر اور محبت کرنے والا باپ تھا سلمٰی اپنے شوہر سمیت اب اس گھر کی مکین بن گئی تھی، گھر ایک تھا کھانا الگ الگ پکتا تھا۔

فرخندہ کے ساتھ جاوید کا وہی برتاؤ تھا۔

فرخندہ سے جاوید اب بھی اتنی ہی محبت کرتا تھا۔ جتنی اسے پہلے پہل دیکھنے کے بعد اس نے محسوس کی تھی۔

لیکن رفتہ رفتہ اب وہ اس کی طرف سے بے پروا ہوتا جا رہا تھا۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ نہ صرف عائشہ کا وہ سلوک تھا جو ایک ماں کا ایک بیٹی کے ساتھ ہوتا ہے۔ سلمٰی اور ارشاد بھی اسے بہت مانتے اور چاہتے تھے اسہیل اور سہیلہ بھی اس سے اگر گھل مل کر نہیں ملتے تھے۔ تو چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کرتے تھے اور وہ اچھے سے اچھا کھاتی تھی، اچھے سے اچھا پہنتی تھی اس کے کچھ زیورات بھی عائشہ نے بار بار کی یاد دہانی کے بعد جاوید سے روپیہ لے کر بنوا دیئے تھے۔ غرض کوئی بات نہیں تھی، جس سے جاوید یہ محسوس کرتا کہ

کہ اسے فرخندہ کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت ہے۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے سامنے بار بار مختلف پہلوؤں سے فرخندہ کا اس کی معصومیت اور بھولپن کا ذکر کیا جاتا۔ سلمٰی خود ہنستی اور جاوید عائشہ کو بھی ہنساتی۔

یہ رنگ اور فضا دیکھ کر جاوید فرخندہ کی طرف سے بہت زیادہ مطمئن ہو گیا تھا۔ جو اندیشہ ہائے دور دراز اس کے دل میں اس کی راحت و آسائش کے متعلق پیدا ہو گئے تھے، وہ سب دُور ہو چکے تھے۔

فرخندہ کو ایک آدھ بار اس نے ٹٹولا بھی، لیکن اس نے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی، جس سے اس کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا۔

ایک روز جاوید نے دیکھا کہ سلمٰی کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا

"یہ کیا ہوا بھئی ؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں !"

جاوید نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"پھر اس شدید گرمی کے موسم میں دستانے پہننے کی کیا ضرورت پیش آگئی ؟"

عائشہ بیچ میں بول پڑی

انھوں نے فرخندہ کے ایسے لاڈ شروع کئے ہیں کہ کیا عارفہ بھی کرتی ہو گی، مچل گئی، میرا پوری کھانے کو جی چاہ رہا ہے، ہماری سلمٰی بیگم فوراً تیار ہو گئیں، آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ بنانے بیٹھ گئیں، وہ لپکتی لپکتی آئی اور اس نے کڑکڑاتے ہوئے تیل میں پانی ڈال دیا، اس سے بھبکا اٹھا اور بہت سا تیل اُبل کر باہر گر پڑا۔ اس کا ایک حصہ ان کے ہاتھ پر گرا۔ چھالے پڑ گئے اور فرخندہ بیگم مسکراتی ہوئی یہ جا وہ جا !"

جاوید نے کچھ چیں بہ جبیں ہوتے ہوئے کہا۔

"بڑی شریر ہو گئی ہے، میں باز پرس کروں گا !"

سلمیٰ نے کہا۔

بھائی صاحب آپ کو ہمارے سر کی قسم ہے جو اس سے کچھ کہا آپ نے بچہ ہے، اس نے ضد کی میں نے پوری کر دی، اسے شرارت سوجھی پانی ڈال کر بھاگ کھڑی ہوئی، سب ہی بچے اس طرح کی باتیں کیا کرتے ہیں کہیں ان باتوں پر باز پرس ہوتی ہے؟

پھر شکایت آمیز لہجہ میں اس نے عائشہ سے کہا۔

"آپا تمہاری یہی لگائی بجھائی کی باتیں مجھے ناپسند ہیں۔"

عائشہ نے کہا۔

لیکن یہی ضد اگر کہیں سہیلہ نے کی ہوتی تو تم ٹس سے مس نہ ہوتیں اور یہی شرارت اگر سہیلہ سے سرزد ہوتی، تو مارتے مارتے اسے دھنک کر رکھ دیتیں صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں اسے سہیلہ سے زیادہ چاہتی ہو؟"

سلمیٰ گویا بگڑ گئی، کہنے لگی۔

اچھا ہاں چاہتی ہوں۔ پھر؟"

وہ بولی۔

"پھر کیا حقیقت معلوم ہوگئی تمہاری!"

اس بحث سے جاوید بھی لطف لینے لگا، اس نے عائشہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ کیا سلمیٰ غریب نے کوئی ایسا جرم کیا ہے کہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاؤ آخر کیوں نہ محبت کرے فرخندہ سے؟"

عائشہ بیگم جل کر کہنے لگیں۔

ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ کرے، کیا میں منع کرتی ہوں کچھ؟"

سلمیٰ نے گویا انکشاف راز کرتے ہوئے کہا۔

اچھا میں تو فرخندہ سے اتنی محبت کرتی ہوں، مانا یہی بات ہے لیکن تم؟ کیا تم اس سے نفرت کرتی ہو؟ کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں؟ ۔ کہہ دوں اس دن والی بات؟"

عائشہ سچ مچ بگڑ گئی، کہنے لگی۔
دیکھو سلمیٰ اس طرح کی باتیں مجھے پسند نہیں ہیں، زبان ذرا قابو میں رکھو ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا!"
جاوید نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔
" ارے کیا ہوا بھئی، تم دونوں لڑنے کیوں لگیں؟"
عائشہ بولی۔
" مجھے کیا ضرورت ہے لڑنے کی!"
" لیکن مجھے سچ بولنے کی ضرورت ہے!"
جاوید نے اشتیاق کے ساتھ کہا۔
" لیکن کیا ہے وہ سچ؟ ہمیں بھی تو معلوم ہو؟"
سلمیٰ نے کہا۔
" بات یہ ہوئی کہ کل نیاز تھی بڑے پیر کی، آپا نے کھیر پکائی، سب کو دو دو پیالے دئے۔"
ہاں بڑے مزے کی تھی، میں نے بھی کھائی تھی!"
" جی ۔ لیکن فرخندہ کو چار پیالے مرحمت فرمائے!"
" اچھا۔"
" جی ہاں۔"
" پھر کیا ہوا؟"
ہوا یہ کہ سہیلہ مچل گئی، مجھے بھی چار دو۔
اور انہوں نے نہیں دئے؟"
نہ صرف نہیں دئے، بلکہ اسے ڈانٹا بھی، جھڑکا، بیچاری رو کر چپ ہو رہی
" یہ کیا لغویت تھی؟ دے دئے ہوتے!"
سلمیٰ بولی۔"
یہی تو میں کہہ رہی تھی، مگر دو چار صلواتیں مجھے بھی سنا دی گئیں!"

" بڑی سعادت مند ہو کسی دن پٹ نہ جانا۔
" بھائی صاحب آپ تو بات بھلائے دے رہے ہیں، پوری بات تو سنیئے!"
" سن رہا ہوں، کہو!"
تھوڑی دیر کے بعد فرخندہ آئی آپا نے پوچھا۔
" کھیر کھا لی تم نے؟"
وہ بولی۔
" جی ہاں ـــ"
لیکن اس جی ہاں میں ہماری آپا جان کو " حسن طلب" کا جلوہ نظر آیا، بڑے چاؤ سے پوچھا۔
" اور کھاؤ گی؟"
وہ انکار نہ کر سکی، میں خاموش نہ رہ سکی، میں نے کہا۔
" اب ہے کیا جو دو گی؟"
بجائے اس کے کہ مجھے جواب دیتیں، اٹھیں اور نعمت خانے سے دو پیالے لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دئے، کچھ کسمسا کر اس نے قبول کر لئے، میں بگڑ گئی۔
میں نے کہا۔
آپا یہ کونسا انصاف ہے؟ اب سہیل کو کیا دو گی، یہ تو اس کا حصہ تھا!"
کہنے لگیں۔
تجھے کیا؟ ـــ سہیل پھر کسی دن کھا لے گا۔ لیکن فرخندہ کا جی کیسے مار دیتی تم نے دیکھا نہیں اس کا جی چاہ رہا ہے؟
یہ داستان سنا کر سلمیٰ نے کہا۔
" اب بتایئے بھائی صاحب! میں فرخندہ سے زیادہ محبت کرتی ہوں یا ہماری آپا جان؟"
جاوید نے قہقہہ لگایا اور کہا۔
عائشہ ـــ واقعی انہوں نے بڑے ایثار سے کام لیا، لیکن سہیل بے چارہ

رہ گیا منہ تکتا، اس کے لئے بازار سے مٹھائی منگا دی ہوتی !"
سلمٰی نے بتایا۔

" وہ تو خیر میں نے منگا کر اسے خوب جی بھر کے کھلا دی، لیکن اس واقعہ سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود تو مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ تم فرخندہ کو چاہتی ہو اور خود حقیقتاً اس کے عشق میں گرفتار ہیں !"

" جاوید کو ہنسی آ گئی ؟

" عشق میں گرفتار ہیں، واہ بھئی واہ، بہت خوب، سبحان اللہ ؟"

- - - -

(۲)

دن اسی طرح گزرتے رہے۔
ایک سال گزر گیا۔
دو سال بیت گئے۔
یہ تیسرا سال تھا۔

ہسپتال سے فرخندہ کے واپس آنے کے بعد جو فضا اس گھر میں سلمیٰ نے قائم کردی تھی، اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فرخندہ اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہی تھی۔

"یہ زمانہ ہوتا ہے مسرت کا، امنگ کا ترنگ کا، حوصلوں اور ولولوں کا شوخی کا اور شرارت کا اس زمانے میں بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے، خود بخود دل میں لہریں اٹھتی ہیں نشاط و طرب کی، آنسو ڈھونڈے سے نہیں ملتے، تبسم کی کلیاں اور قہقہوں کے پھول ابر باراں کی طرح برستے رہتے ہیں!"

لیکن کیا فرخندہ کی بھی یہی کیفیت تھی؟
نہیں ایسا نہیں تھا۔

وہ ضرورت سے زیادہ اور اس سے کہیں زیادہ افسردہ نظر آیا کرتی تھی، وہ ولولے اور حوصلے جو اس عمر کی لڑکیوں میں ہوتے ہیں قطعاً ناپید تھے۔
گھر کی کسی دلچسپی میں از خود وہ حصہ نہیں لیتی تھی، کسی سے بات بھی نہیں کرتی تھی

ماسٹر صاحب پڑھانے آتے تھے پڑھ لیتی تھی۔ ان کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں سبق یاد کرتی یا کسی کتاب کا مطالعہ شروع کر دیتی، یا کوئی نیا، پرانا، اچھا بُرا جو اخبار رسالہ نظر آجاتا اس کی ورق گردانی شروع کر دیتی، کھانا سب ایک ساتھ کھاتے تھے وہ بھی شریک دسترخوان ہو جاتی، لیکن اس طرح جیسے مہمان ہو جاوید نے اب کھانے کے وقت گھر آنے کی پابندی ترک کر دی تھی۔ کیونکہ اب اُسے کوئی اندیشہ فرخندہ کی طرف سے نہیں تھا۔

ایک روز سلمیٰ، عائشہ، ارشاد، سہیلہ، سہیل سب لوگوں نے سینما کا پروگرام بنایا تھا۔ تیار ہو کر جب سب جانے لگے تو چلتے وقت عائشہ نے کہا۔

"ہم سب لوگ سینما جا رہے ہیں، چلتی ہو؟"

ظاہر ہے اس دعوت کا مقصد ساتھ نہ لے جانا تھا۔ چنانچہ اس نے معذرت کر دی۔

"نہیں ممانی جان، آج میری کچھ طبیعت ٹھیک نہیں آپ جائیے!"

ممانی جان نے الٹ کر یہ بھی نہ پوچھا، کیا طبیعت خراب ہے، نہایت سعادت مندی کے ساتھ معذرت قبول کی اور تشریف لے گئیں۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد زینب آئی اور فرخندہ کے پاس بیٹھ گئی اس نے پوچھا۔

"تم نہیں گئیں سب کے ساتھ سینما؟"

وہ بولی۔

"نہیں ۔"

"کیوں بیٹی؟"

بس جی نہ چاہا۔

لیکن یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے، زینب نے دیکھ لیا لیکن خاموش رہی، کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔

"بیٹی ایک بات پوچھتی ہوں، دیکھو سچ سچ جواب دینا؟

فرخندہ کچھ گھبرا سی گئی، کہنے لگی۔

"کیا بات پوچھنا چاہتی ہو بوا؟"

زینب نے کہا۔

ہسپتال سے واپس آنے کے بعد کچھ دن تک تو بہت خوش نظر آتی رہی لیکن کچھ عرصے کے بعد تیری وہ خوشی جاتی رہی اور ہر وقت فکر میں غرق رہنے لگی اور اب تو یہ حالت ہے کہ تو افسردہ اور رنجیدہ بھی رہنے لگی ہے۔ کیا مجھے بھی نہیں بتائے گی؟ دیکھو پھر نہ کہنا، میں نے عارفہ کو گود میں کھلایا ہے اسے پالا پوسا ہے اور جب سے تجھے دیکھا ہے وہ محبت جو عارفہ کی میرے دل میں تھی، تیری محبت میں منتقل ہو گئی ہے تجھے خوش دیکھتی ہوں، تو میرا دل بھی خوش ہو جاتا ہے تو رنجیدہ اور افسردہ نظر آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مٹھی میں لے کر بڑے زور سے کسی نے میرا دل دبا دیا ہے۔ تیری حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی، تجھے بتانا پڑے گا بات کیا ہے؟

فرخندہ غور سے زینب کی باتیں سنتی رہی، پھر کہنے لگی۔

"بوا کچھ اور باتیں کرو!"

زینب نے غور سے اسے دیکھا اور بولی۔

کیوں لڑکی، مجھے باتوں میں اڑائے گی؟ — جو پوچھتی ہوں اس کا جواب دے!"

وہ بڑی بے بسی کے ساتھ بولی۔

"کیا جواب دوں؟"

تو رنجیدہ اور افسردہ کیوں رہتی ہے؟"

"خوش کیوں رہوں؟" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں

(۳)

زینب نے اسے کلیجہ سے لگا لیا اس کے آنسو پونچھے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

ضرور کوئی بات ہے، کیا تو مجھ سے بھی چھپائے گی؟ - مجھ سے جو تجھے ماں کی طرح چاہتی ہے؟"

فرخندہ نے زینب کے اس دعوے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

اگر تم نہ ہوتیں تو اب تک کب کی مر گئی ہوتی یا پاگل ہو گئی ہوتی، تمہارا ہی تو ایک سہارا ہے جو مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے!"

یہ عجیب و غریب اور خلاف توقع الفاظ سن کر زینب پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔

" لیکن میری جان، میری بچی کچھ معلوم بھی تو ہو!"

" بات یہ ہے بوا کہ تمہارے اور ماموں جان کے سوا گھر کا ہر فرد مجھ سے نفرت کرتا ہے، مجھے ذلیل کرتا ہے، میرا مذاق اڑاتا ہے -"

یہ میں کیا سن رہی ہوں بیٹی؟"

میں جھوٹ نہیں بولتی، جھوٹ بولنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے؟"

" وہ تو میں جانتی ہوں، لیکن تو نے تو ایسی چپ سادھ رکھی ہے کہ نہ مجھ سے کبھی کچھ کہا۔ نہ اپنے ماموں سے، پھر ہم کیسے جان لیتے کہ تجھ پر کیا بیت رہی ہے!"

" بات یہ ہے تم گھر کے کام کاج میں ایسی پھنسی رہتی ہو کہ سر اٹھانے کا موقع

نہیں ملتا، رہے ماموں جان، وہ گھر میں ٹکتے ہی کتنی دیر ہیں ؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن اتنی مدت گزر گئی اور تو صرف دل پر سہتی رہی زبان سے اُف بھی نہ کی ۔"

کیا کرتی اُف کر کے، ماموں جان کو اگر میرے حالات معلوم ہو جائیں، تو پھر وہ سب سے خفا ہو جائیں گے، ان کا غصہ یہ جانتی ہو، رہیں تم تو تمہیں اپنا افسانہ سنا کر پریشان کرنے کو جی نہیں چاہتا!"

"میں ہر بات کا تدارک کر دوں گی، بتاؤ تو سہی معاملہ کیا ہے ؟"

"کہہ تو دیا، سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں، ذلیل کرتے ہیں مجھے جی چاہتا ہے بھاگ جاؤں کہیں یہ گھر چھوڑ کر ؟"

"کچھ دیوانی ہوئی ہے لڑکی ؟ ۔ خبردار جو آئندہ اس طرح کی بات کبھی زبان سے نکالی !"

"اچھا ۔

"لیکن جو میرے سوال کا جواب بھی تو دے !"

"اس کا جواب میرے پاس کچھ نہیں ہے !"

"کیوں ۔ ؟"

جس ذہنی تکلیف سے مجھے سابقہ پڑ رہا ہے، وہ مجھے ان میں مبتلا کر کے میری جان تو لے سکتی ہے، لیکن اسے میں زبان پر نہیں لا سکتی !"

"کیوں کیا وہ کوئی راز ہے ؟"

"نہیں راز نہیں، لیکن ایسا عجیب ماجرا ہے جسے بیان کروں تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔ تم بھی نہیں، ماموں جان بھی نہیں !"

"آخر کچھ تو معلوم ہو ۔ میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ ا   ان لوگوں نے کوئی ایسی بات کی ہو، جس سے ان کی نفرت ظاہر ہوتی ہو ؟"

یہی تو کمال ہے بوا ۔ اس لئے میں خاموش ہوں، جو کچھ ہو رہا ہے اسے محسوس کر سکتی ہوں اور کرتی ہوں، لیکن اس کا ثبوت نہیں دے سکتی !"

"یہ کیا بات ہوئی ؟"

"سنو گی ؟"

"ہاں ضرور !"

"یقین کر لو گی !"

"کیوں نہ کروں گی ؟"

"اچھا تو سنو ۔"

"ہاں سن رہی ہوں سناؤ :"

"جب میں ہسپتال سے آئی تھی تو مجھے بہت سے تحفے ملے تھے ؟"

"ہاں ۔۔۔"

"لیکن وہ سب چھن گئے !"

"حیرت ہے، سب چھن گئے ؟ ۔ کس نے چھین لئے ؟"

"جس جس نے دئے تھے !"

وہ کس طرح ۔

"ممانی جان نے نہایت اعلیٰ درجہ کا زربفت کا جوڑا دیا تھا یاد ہے ؟"

"ہاں بہت اچھی طرح"

ایک دن کہنے لگیں، سہیلہ سلمیٰ کے ساتھ ان کی نند کے ہاں جا رہی ہے ۔
ذرا اپنا وہ جوڑا دے دو، آ کر واپس کر دے گی، میں نے دے دیا ۔

"اور واپس نہیں لیا ؟"

سنتے جاؤ ۔ جب سہیلہ واپس آئی، تو سلمیٰ خالہ نے کہا، بھئی یہ جوڑا تو سہیلہ پر سجا تھا کہ ہر کوئی ان کی طرف دیکھ رہا تھا، ایسا کرو فرخندہ اس کی قیمت لے لو اور اس کو دے دو، چھوٹی بہن خوش ہو جائے گی !"

پھر تم نے کیا جواب دیا ۔

میں نے کہا، چھوٹی بہن سے قیمت بھی لی جا سکتی ہے ؟ میں نے دیا !"

سلمیٰ خالہ نے خوش ہو کر سہیلہ سے کہا ۔

دیکھ میں نہ کہتی تھی فرخندہ دام نہیں لے گی!"
" اس دن سے جوڑا سہیلہ کے پاس ہے!"
" واہ بھئی یہ بھی اچھی رہی!"
" اور سنو، شاید تمہیں یاد ہو سہیل نے ایک خوبصورت اور قیمتی گھڑی دی تھی مجھے!"
" یاد کیوں نہ ہوگا؟"
ایک روز میرے پاس آئے اور کہنے لگے، آج ہمارے اسکول میں ایک ڈرامہ ہے، کیا دو گھنٹے کے لئے وہ گھڑی دے سکتی ہو — ؟"
" تم نے دے دی؟"
" پھر کیا کرتی؟"
" پھر کیا ہوا؟"
وہ گھڑی لے گئے، شام کو واپس آئے تو منہ اُترا ہوا تھا، کہنے لگے فرخندہ وہ گھڑی تو گر کر ٹوٹ گئی، میں تمہیں دوسری لادوں گا!"
میں نے کہا، ٹوٹ گئی، تو بلا سے، اب دوسری لانے کی ضرورت نہیں ہے بہت خوش ہوئے، پھر خوشامدانہ لہجہ میں کہا
لیکن وعدہ کرو، ابا جان کو یہ بات نہیں معلوم ہو گی!"
" تم نے وعدہ کر لیا؟"
ہاں —"
" شاباش! تم سے اُمید بھی یہی تھی!"
" لیکن وہ گھڑی ٹوٹی نہیں تھی!"
" یہ کیسے معلوم ہوا؟"
ابھی بتاؤں گی پہلے پوری داستان سن لو!"
" سن رہی ہوں!"
" ایک روز سلمٰی خالہ —"

" بھاڑ میں جائے تمہاری سلمیٰ خالہ ۔"

ایک روز سلمیٰ خالہ میرے پاس آئیں، کہنے لگیں، بھائی صاحب تمہیں کتنا جیب خرچ دیتے ہیں؟ میں نے کہا، تیس روپے مہینہ، پوچھنے لگیں کیا کرتی ہو ان روپوں کا؟ میں نے کہا جمع کرتی ہوں، سوال کیا کتنے روپے جمع کر لئے ہیں؟ میں نے جواب دیا۔ آٹھ سو روپے ہوں گے، کہنے لگی۔ تمہاری ممانی جان کو ایک مصیبت پڑی ہے، کیا ان کی مدد کرو گی ۔ ؟"

میں نے پوچھا۔

" کیا ہوا ممانی جان کو ؟" کہنے لگیں،

تمہارے ماموں جان نے ان کے پاس ہزار روپے کسی کام کے لئے رکھائے تھے وہ چوری ہو گئے، آج بھائی صاحب نے تقاضا کیا ہے ان روپوں کا اگر نہ دے تو غضب ہو جائے گا۔

" تم نے روپے دے دیئے ہوں گے!"

" ہاں ۔"

جیتی رہو! عقل تو ختم ہے تم پر!"

" تو پھر کیا کرتی ؟"

" انکار کر دیتیں!"

یعنی ان کے دل پر نقش بٹھا دیتی کہ مجھے ان سے ہمدردی نہیں ہے، وہ جاتیں بھاڑ میں، میں اپنی پونجی نہیں دے سکتی ۔"

" پھر لوٹا دئے انہوں نے وہ روپے ؟"

لوٹانا ہوتے تو لینے کی کیا ضرورت تھی ۔

" واہ بھئی واہ !"

اب سنو، دو تین دن ہوئے، میں سلمیٰ خالہ کے کمرے کی طرف سے گزری وہاں مجمع لگا ہوا تھا، میں اپنے رستے چلی جاتی، لیکن میرے کان میں اپنا نام پڑا تو ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی اور دروازے کی اوٹ سے باتیں سننے لگی، ممانی جان

کہہ رہی تھیں۔

آوارہ عورت عارفہ، مرتے مرتے ہمارے پاس ایک آفت جان فرخندہ کی صورت میں چھوڑ گئی ہے، اسے کس طرح ٹھکانے لگاؤں سمجھ میں نہیں آتا!" سلمیٰ خالہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایسی جلدی کیا ہے، وہ وقت بھی آجائے گا!"

کہنے لگیں۔

مجھے وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی، جی چاہتا ہے گلا گھونٹ دوں حرامزادی کا!"

سلمیٰ خالہ نے کہا۔

وہ خود ہی اپنے ہاتھوں اپنا گلہ گھونٹ لے ہم تو اس ترکیب پر عمل کر رہے ہیں، اس کی جمع جتھا تو تمہیں مل گئی۔"

ممانی جان نے کہا۔

" اس کے باپ کی تھی وہ جمع جتھا میرے شوہر کی تھی!"

سلمیٰ خالہ بولیں۔

گھڑی سہیل نے چھین لی ترکیب سے، زربفت جوڑا ہیں نے دلوادیا سہیلہ کو اسے بیوقوف بنا کر ردیوں کی تھیلی تمہارے حصے میں آگئی، فی الحال کافی ہے!"

ممانی جان نے کہا۔

مجھے تو اس دن سکھ ملے گا جب یہ یہاں سے دفع ہوگی، آخر یہ ہوتی کون ہے ہمارے ٹکڑے توڑنے والی؛ جی چاہتا ہے زہر دے دوں، بدمعاش لڑکی کو!"

سلمیٰ خالہ ہنسنے لگی

ماں تو خیر بدمعاش تھی، لیکن فرخندہ کہاں سے بدمعاش ہوگئی۔

کہنے لگیں۔

نہیں ہے تو ہو جائے گی، اس کی صورت سے یہ بدمعاشی برستی ہے دیکھ لینا

ماں کی طرح یہ بھی کسی مرد کا ہاتھ پکڑ لے گی اور بھاگ کھڑی ہو گی ! "
سلمیٰ خالہ ہنستی ہوئی بولیں ۔
اسی دن ہم تمہیں مٹھائی کھلائیں گے ۔ خدا وہ " مبارک دن جلد لائے " ۔

٭ ٭ ٭

(۴)

فرخندہ کی آنکھیں تر ہو گئیں، اس نے تقریباً روتے ہوئے کہا۔

بوا تم ہی بتاؤ، اس طرح کیوں کر میں جی سکتی ہوں؟ کس طرح اس گھر میں میرا دل لگ سکتا ہے، اپنی مری ہوئی ماں کے بارے میں دل کو چھید ڈالنے والی باتیں سنتی ہوں اور کچھ نہیں کہہ سکتی، اپنی ماں کے بارے میں یہ ناپاک الفاظ سنتی ہوں۔ کلیجہ مسوس کر رہ جاتی ہوں، اپنے بارے میں یہ ناپاک الفاظ سنتی ہوں اور اُف بھی نہیں کر سکتی، اندر اندر ان لوگوں کا یہ حال ہے اور ظاہر میں سلمیٰ خالہ جب تک بیٹی نہ کہہ لیں میرا نام نہیں لیتیں، ممانی جان کی زبان بیٹی بیٹی کہتے سوکھتی ہے، سہیلہ ظاہر میں بہت اچھی طرح پیش آتی ہے، یہی حال سہیل بھیا کا ہے لیکن سب اپنی کاٹ میں مبتلا ہیں ابھی پرسوں کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا، میں گھر کے باغیچہ میں ٹہل رہی تھی، بڑے درخت کے نیچے سنگ مرمر کی جو بینچ بچھی ہے۔ اس پر یہ بھائی بہن بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور ہنستے جا رہے تھے مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ ان میں کیا باتیں ہو رہی ہیں، اپنے خیال میں دھن میں چپ چاپ چلی جا رہی تھی۔ ان دونوں کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں نے سنا سہیلہ کہہ رہی تھی

بھیا یہ فرخندہ نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے؟"

سہیل نے کہا۔

"ہاں۔ بس ابا سے ڈرتا ہوں۔ ورنہ ایک دن میں ٹھیک کر دوں۔

سہیلہ : بالکل برابری کرنے لگی ہے ۔ اب تو ہماری ۔
سہیل : کیوں نہ کرے ، اباجان کی بہ چہیتی بھانجی ہے ۔
سہیلہ : اس لئے تو امی بھی چپ رہتی ہیں ورنہ وہ تو مارتے مارتے اُلو کردیں ۔
سہیل : ، فکر نہ کرو ، سلمیٰ خالہ نے بڑی اچھی اسکیم سوچی ہے ۔ اس گندگی کے پٹارے کو ہٹانے کی ۔
سہیلہ : "(خوش ہوکر) سچ ؟"
سہیل : ہاں بھئی سچ نہیں تو کیا جھوٹ !"
سہیلہ : تو کیا ہے وہ اسکیم ؟ ذرا معلوم تو ہو !"
سہیل : انہوں نے سوچا ہے چوریاں کرائی جائیں ۔
سہیلہ : چوریاں کرائی جائیں ؟ اس کا مطلب ؟
سہیل : آج تمہارے سونے کی چوڑیاں غائب ہوگئیں ، کل سلمیٰ خالہ کی پرس لاپتہ ہوگئی ، پرسوں امی کے طلائی کنگھن کسی نے چرائے ، ترسوں میری گھڑی جو میں غسل خانے میں رکھ آیا تھا ۔ وہاں سے کسی نے پار کردی !
سہیلہ : اچھا پھر ، اس سے کیا ہوگا ؟"
سہیل : مزہ آئے گا ۔
سہیلہ : میں تو اپنی چوڑیاں نہیں چرانے دوں گی کسی کو ،
سہیل : احمق ہو اچھی خاصی ۔ واقعی چوری تھوڑے ہوگی ۔
سہیلہ : پھر ۔ ؟"
سہیل : مشہور کردیا جائے گا یہ چیزیں چوری ہوگئیں ، پھر خوب تلاش کی جائے گی اس طرح ہنگامے ہوں گے ، شور و غل ہوگا ، اباجان سے ان کا تذکرہ کیا جائے کوئی زینب بوا پر شبہ ظاہر کرے گا ، کوئی امجد پر حالانکہ سب چیزیں بڑی احتیاط سے ان کے بکس میں مقفل ہوں گی !"
سہیلہ : (حیران ہوکر) بھیا میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ، صاف صاف کہو ۔
سہیل : واقعی بے وقوفوں کو سمجھانا بہت مشکل ہے ۔

سہیلہ : تو کیا میں بے وقوف ہوں ؟
سہیل : اور کیا عقل مند ہو۔ ارے خدا کی بندی یہ سب چیزیں جب غائب ہو جائیں گی، اور ان کے ملنے سے مایوسی ہو جائے گی۔ تب ایک دن فرخندہ کے تکیہ کے نیچے سے تمہاری چوڑیاں برآمد ہوں گی۔
سہیلہ : (خوش ہو کر) میں سمجھ گئی۔
سہیل : اب عقل آتی جاتی ہے۔
سہیلہ : پھر اس کی شکایت ابا جان سے کی جائے گی، وہ پٹے گی، بڑا مزہ آئے گا۔
سہیل : پھر بے وقوفی کی باتیں شروع کیں تم نے ؟
سہیلہ : یہ لو، کیا کہا میں نے۔
سہیل : ابا جان سے بالکل شکایت نہیں کی جائے گی، ان کی موجودگی میں سلمیٰ خالہ امی سے کہیں گی، سہیلہ کی چوڑیاں مل گئیں فرخندہ کے تکیے کے نیچے رکھی تھیں، معلوم ہوتا ہے وہ کسی کام سے لائی ہو گی، پھر واپس کرنا بھول گئی اس کے جواب میں امی کہیں گی، ہاں بچے ایک دوسرے کی چیز اٹھا ہی لیا کرتے ہیں۔ کیا ہوا ؟ سلمیٰ خالہ کہیں گی تو میں کب کہتی ہوں کچھ۔ کیا میں نے اس پر چوری کا الزام لگایا۔
امی کہیں گی، اتنی ہمت کس میں ہے کہ میرے سامنے میری بچی پر کوئی چوری کا الزام لگائے، منہ نوچ لوں گی اس کا۔
ابا جان سب کچھ سنتے رہیں گے کچھ نہیں بولیں گے۔
سہیلہ : اچھا یہ تو ہوا، اس کے بعد کیا ہو گا ؟"
سہیل : اس کے بعد، کئی دن کے بعد میری گھڑی اس کی الماری میں رکھی ہوئی ملے گی اور پھر وہی ڈرامہ کھیلا جائے گا۔ جو چوڑیوں کے بارے میں کھیلا جا چکا ہے ؟"
سہیلہ : اب کے بھی خالہ شکایت کریں گی اور امی فرخندہ کی حمایت کریں گی ؟
سہیل : ہاں ۔

سہیلہ : اور اس دفعہ بھی ابا جان کو غصہ نہیں آئے گا - ؟
سہیل : شاید نہیں ، کیونکہ وہ اس سے بہت محبت کرتے ہیں ، البتہ مشکوک ہو جائیں گے ۔
سہیلہ : اس کے بعد ؟
سہیل : اس کے کئی دن بعد ایک دن امی کہیں گی فرخندہ سے بیٹی ، تیرے کپڑے بنانے ہیں ناپ کے لئے اپنی ایک شلوار اور کرتہ دے دے ، جب وہ شلوار کرتا لینے جائے گی تو امی بھی اس کے پیچھے پیچھے جائیں گی اور جیسے ہی وہ بکس کھولے گی ، ترکیب سے وہ اپنا پرس اس میں ڈال کر نکال لیں گی اور اس سے پوچھیں گی بیٹی میرا یہ پرس یہاں کہاں سے آیا تمہارے بکس میں ؟ وہ انکار کرے گی امی کہیں گی تمہیں چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی ، مجھ سے جو چاہتیں مانگ لیتیں ، کیا میں نہ دے دیتی ؟
اتنے میں سلمٰی خالہ آجائیں گی ، وہ امی سے کہیں گی -
یہ پرس مل گیا آپا ؟ - کہاں سے ؟"
وہ جواب دیں گی ، فرخندہ کے بکس میں رکھی تھی ؟
سلمٰی خالہ فرخندہ سے کہیں گی ۔
کیوں بیٹی ، اب تم چوری کرنے لگیں ، گھڑی اور چوڑیوں کی اور بات تھی مگر یہ نوٹوں سے بھری ہوئی پرس کیا کرنے لائی تھیں تم ؟ - ضرور بھائی صاحب سے کہوں گی کہ تمہاری خبر لیں ، ورنہ ہاتھ سے نکل جاؤ گی ، فرخندہ دہشت سے تھر تھر کانپنے لگے گی ، امی کہیں گی ۔
بیٹی یہ بہت بری بات ہے ، پرس تو خیر میری تھی کوئی بات نہیں تم نے لے لی مگر اب تو مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ دوسری چیزیں بھی جو چوری ہوئی ہیں ، تمہی نے لی ہیں ۔
سلمٰی خالہ بیچ میں بول پڑیں گی اور کہیں گی ۔
آپا تلاشی لیں گی اور ساری چیزیں برآمد ہو جائیں گی ، کوئی تو تکیہ کے نیچے سے

کوئی الماری سے کوئی بکس سے۔

اس کے بعد سلمیٰ خالہ کہیں گی۔

یہ باتیں بھائی صاحب کو بتا دینا چاہیئں، ورنہ آخر میں ساری ذمے داری تمہارے ہی اوپر آئے گی کہ تمہی نے تربیت نہ کر کے، اور لاڈ پیار کر کے لڑکی کو برباد کر دیا، اپنی خیر چاہتی ہو تو بتا دو سب کچھ بھائی صاحب کو۔

امی کہیں گی، ان سے کہہ کر کیا کروں گی، ان کا غصّہ بہت بُرا ہے۔

خالہ کہیں گی۔

ہوا کرے، کیا ان کے غصّے کے ڈر سے ہم لڑکی کو برباد کر دیں، یہی لچھن رہے تو سسرال جا کر بھی چوریاں کرے گی۔ وہ لوگ تو رعایت کرنے سے رہے۔ دوسرے دن طلاق مل جائے گی، اس کے بعد پھر یہ صاحبزادی اسی گھر میں آکر رہیں گی

امی چپ ہو جائیں گی، سلمیٰ خالہ کہیں گی۔

اور مجھے تو ایک اور ڈر بھی ہے۔

امی پوچھیں گی۔

" وہ کیا ؟

سلمیٰ خالہ بتائیں گی۔

خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، سہیلہ اور سہیل کو بھی یہ لڑکی چور بنا کر رہے گی۔

امی خفا ہو جائیں گی۔

تمہارے منہ میں خاک، میرے بچوں کو کیا کمی ہے جو چوری کریں گے!

سلمیٰ خالہ کہیں گی۔

میرے منہ میں خاک۔ لیکن بی فرخندہ کو کیا کمی ہے جو انہوں نے چوری شروع کر دیں۔

امی لاجواب ہو جائیں گی اور سلمیٰ خالہ کہیں گی۔

اصل بات یہ کہ لڑکی اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتی،

امی پوچھیں گی ۔
یہ تم نے کیسے کہہ دیا۔؟
وہ جواب دیں گی ۔
" اس کی ماں بھی اس گھر کو اپنا گھر نہیں سمجھتی تھی، یہ بھی نہیں سمجھتی، جانتی ہے ماموں کی جائداد، املاک اور کاروبار کی وارث اللہ رکھے اس کی اولاد ہوگی اسے تو اس میں سے کچھ حصہ ملنے سے رہا، تو کیوں نہ چوریاں کرکے رفتہ رفتہ اتنا جمع کر لیا جائے کہ سسرال میں خوب مزے سے بسر ہو اور شوہر کو آسانی سے زرخرید بنا لیا جائے ۔
امی ان باتوں سے قائل ہو جائیں گی ۔ اور دریافت کریں گی
"تو پھر اب کیا کیا جائے ؟ کیا واقعی انہیں بتا دوں سب کچھ ؟
خالہ جواب دیں گی ۔
" بتانا ہی پڑے گا ۔ تم نہ بتاؤ گی تو میں بتا دوں گی ایک ایک بات ۔ غضب خدا کا ، یہ عمر ، یہ صورت اور یہ لچھن ، اس نے تو اپنی ماں کے بھی چالاکی ، مکاری اور عیاری میں کان کاٹ لئے ۔"
سہیلہ : تو خالہ امی ابا جان کو سب کچھ بتا دیں گی ؟
سہیل : ہاں ۔ خوب نمک مرچ لگا کر ، سہیلہ : پھر تو واقعی ابا جان کو غصہ آجائیگا ۔
سہیل : بے شک اور وہ مزاج درست کر دیں گے گل بہار بیگم کا ۔
سہیلہ : ہنستے ہوئے ، گل بہار بیگم ؟ "
سہیل : ہاں اور کیا ، وہ تو اپنے آپ کو نورجہاں بیگم سمجھ رہی ہیں تم کو گل بہار بیگم پر اعتراض ہے جو لونڈی تھی بلکہ نور جہاں کی ۔
سہیلہ : تو کیا ابا جان اس حرامزادی کو گھر سے نکال دیں گے ؟
سہیل : یا تو نکال دیں گے اور یا اپنے دادا کے ہاں پارسل کر دی جائے گی اور وہاں فاقے کرے گی ، بڑے غریب لوگ ہیں وہ اور اگر نہ نکالا تو اس سے نفرت بہرحال کرتے رہیں گے ۔ یہ چاؤ اور یہاں کا دور ختم ہو

جائے گا، پھر وہ ہمارے قبضے میں ہوگی، اٹھتے جوتی، بیٹھتے لات
قسم خدا کی وہ تماشہ دیکھنے میں آیا کرے گا کہ ہر روز سینما اور تھیٹر جانا چھوڑ
دے گی!"

سہیلہ : (ہنستے ہوئے) پھر اس کی یہ ہمت بھی نہیں پڑے گی کہ ابا جان
سے ہماری یا امی ~~اور خالہ کی شکایت کرے~~

سہیل : ظاہر ہے کس منہ سے شکایت کرے گی اور اگر کی بھی تو سنے گا کون
ہر شکایت کے جواب میں ابا جان کا وہ فرمائشی تھپڑ پڑے گا کہ دن
میں صاحبزادی فرخندہ کو تارے نظر آجائیں گے تو میرا نام سہیل نہیں۔

سہیلہ : ہاں ہے تو ٹھیک، لیکن یہ چوریاں کب سے شروع ہوں گی۔

سہیل : وہ تو شروع بھی ہو چکی، تمہاری چوڑیاں، میری گھڑی، امی کا پرس
اور دوسری تمام چیزیں ہو چکی ہیں؟

سہیلہ : لیکن وہ ہیں کہاں؟

سہیل : سلمیٰ خالہ کے کمرے میں صندلی بکس ہے نا؟ دیکھا تو ہوگا تم نے

سہیلہ : ہاں دیکھا ہے بڑا خوبصورت ہے، جی چاہتا ہے چرا لوں۔

سہیل : چوری کا ذکر سنتے سنتے خود بھی چوری کرنے کے لئے تڑپ اٹھیں۔

سہیلہ : میں تو مذاق کر رہی تھی۔ لیکن ابھی تک سارے گھر میں کسی کو پتہ نہیں ان
چوریوں کا۔

سہیل : وہ وقت بھی جلد آنے والا ہے، جمعہ کے مبارک دن سے اعلان شروع
ہوگا۔ سب سے پہلے تمہاری چوڑیوں سے معاملہ چلے گا۔ پھر ہر چوتھے
روز، ایک ایک چیز کا اعلان ہوتا رہے گا۔

سہیلہ : جمعہ کے دن سے؟

سہیل : ہاں - بڑا مبارک دن ہوتا ہے جمعہ کا۔

سہیلہ : ہنستے ہوئے) ہاں ٹھیک ہے، بس اب جمعہ کے دن کا انتظار ہے
کس روز ہے جمعہ۔

سہیل : پرسوں !

فرخندہ نے زینب کو یہ داستانِ غم سنائی ۔
میں دبے پاؤں گئی تھی، الٹے پاؤں واپس آگئی۔ اب بتاؤ بوا میرا حشر کیا ہوگا؟ آخر میں نے ان کی کیا خطا کی ہے ؟ کیا بگاڑا ہے؟ میں تو کسی سے بات بھی نہیں کرتی ۔
زینب نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا ۔
" اپنی زبان پر تالا لگاؤ ۔ اچھا ہوا تم نے سب کچھ سُن لیا ۔ انجان بنی رہو ۔ سب مجھ پر چھوڑ دو ۔ جب تک میں ہوں تم پر آنچ نہیں آسکتی !"

-٭- -٭-٭-

(۵)

لیکن فرخندہ کو زینب کی باتوں سے کچھ اطمینان نہیں ہوا۔ اس نے بے چینی کے لہجہ میں کہا۔

لیکن تم کیا کرو گی بوا۔

زینب نے اور زیادہ دل دہی کرتے ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

میں جان پر کھیل جاؤں گی اور دکھا دوں گی کہ کیا کر سکتی ہوں؟ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ خاموش رہو، اپنی کسی بات پر، کسی حرکت سے یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ اس سازش کا تمہیں علم ہے!

فرخندہ نے کہا۔

وہ تو میں کروں گی۔ لیکن سچ کہتی ہوں، جب سے یہ باتیں سنی ہیں۔ نہ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ پینے کو، نہ لکھنے کو، حد یہ ہے کہ نیند تک نہیں آتی، اور اگر کسی وقت آ بھی گئی۔ تو اس طرح کے مناظر دیکھتے ہوئے چونک پڑتی ہوں، پھر لاکھ کوشش کروں مگر نہیں آتی۔

زینب نے پیار بھری نظروں سے دیکھا اور بولی۔

تم ابھی بچہ ہو سہم گئی ہو، تم کیا جانو ان دنیا والوں کے لچھن میں جانتی ہوں اور بھگت لوں گی اچھی طرح سب سے!"

بڑی بے بسی اور بے کسی کے ساتھ اس نے کہا۔

"نہ جانے کیا ہونے والا ہے، میں تو گھلی جا رہی ہوں اس فکر میں ——
لیکن بوا ذرا سوچو تو یہ لوگ کیوں جلتے ہیں اس قدر مجھ سے۔ میں نے تو اپنی طرف سے کبھی کسی کو شکایت کا موقعہ نہ دیا، سب کی عزت کرتی ہوں، سب کا خیال کرتی ہوں!"

"بیٹی عارفہ نے بھی کیا بگاڑا تھا ان لوگوں کا؟ لیکن اس کی زندگی بھی اجیرن کردی تھی ان کمبختوں نے اس کا مزاج بھی ویسا ہی تھا جیسا تمہارا ہے بیچاری کڑھتی رہتی تھی۔ مگر حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی تھی!"

"آخر کوئی وجہ تو ہوگی اس کی؟"

"میرے خیال میں تو صرف ایک ہی بات آتی ہے!"

"وہ کیا؟"

عارفہ سے ڈر تھا کہ جاوید اسے بہت کچھ دے گا اور تمہارے بارے میں بھی یہی اندیشہ پیدا ہوگیا ہے ان سب کے دل میں اور یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ اس کی آمدنی کی ایک پائی بھی کسی پر صرف ہو ——

"ہاں یہ ٹھیک ہے تو کیا ممانی جان سے کہہ دوں آپ مجھ سے خفا نہ رہیے مجھے اس گھر سے کچھ نہیں چاہیے، ماموں جان نے اگر مجھے کچھ دیا بھی تو میں لینے سے انکار کر دوں گی!"

زینب نے اسے گلے سے لگا لیا اور کہا،

"میری بچی تو کتنی بھولی اور نادان ہے!"

"کیوں بوا؟" "عائشہ تیری باتوں کا یقین کرے گی؟"

"کیوں نہیں کرے گی؟"

"کر ہی نہیں سکتی، وہ اچھی طرح جانتی ہے جاوید تجھے کتنا چاہتا ہے، یہ اسی کی دھونس کا اثر ہے کہ ظاہری برتاؤ ان لوگوں کا اچھا ہے ورنہ شروع میں کیا حال تھا یاد ہے [illegible] سا حال تھا یاد ہے؟"

"ہاں —— خوب اچھی طرح!"

جب عائشہ کو یہ یقین ہے کہ جاوید اپنی یتیم و بےبس بھانجی کو اس دنیا میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تو ظاہر ہے وہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کرے گا اور یہی انہیں یہی اسے گوارا نہیں!"

کاش ماموں جان نے مجھے وہیں پڑا رہنے دیا ہوتا، اپنے ساتھ یہاں نہ لاتے میں تو عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں!"

"خدا پر بھروسہ رکھو یہ دن بھی گزر جائیں گے۔"

لیکن میری جان لے کر!"

"نہیں تمہیں مصیبت کے بھنور سے نکال کر!"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے بوا!"

دیکھ لینا۔ میں جھوٹ نہیں کہتی۔ اصل بات یہ ہے کہ انہیں اس وقت تک چین نہیں آ سکتا جب تک کہ جاوید تم سے نفرت نہ کرنے لگے۔ جب انہیں یقین ہو جائے کہ جاوید تم سے نفرت کرتا اور تم سے بیزار ہو گیا ہے۔ تب انہیں قرار آئے گا۔ تب ہی یہ لوگ مطمئن ہوں گے، یہ سارا لمبا پروگرام اسی لئے تو بنایا ہے کہ رفتہ رفتہ اس کے دل میں تمہاری نفرت راسخ کر دیں، وہ تمہاری صورت سے بیزار ہو جائے، تمہارا نام سننے کا روادار نہ رہے گا۔

بوا کیا ماموں مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے؟ پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟"

"کہیں گوشت سے بھی ناخن جدا ہوا ہے۔ اللہ کو منظور ہے تو ساری تدبیریں الٹ پڑیں گی۔"

"لیکن بوا ایک بات سن لو!"

"ہاں سن رہی ہوں بیٹی۔ ضرور کہو؟"

میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں، لیکن اسے گوارا نہیں کر سکتی کہ ماموں جان کے سامنے مجھے ذلیل ہونا پڑے۔ اگر ایسا ہوا تو خودکشی کر لوں گی۔!"

"پھر وہی بہکی بہکی باتیں!"

"ماموں جان مجھے اتنا چاہتے اور مانتے ہیں جب انہیں یہ معلوم ہو گا۔ میں چور ہوں

تو ان کو کتنا صدمہ پہنچے گا اور ان کا صدمہ دیکھنے کے لئے میں زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"لیکن بیٹی انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا!"

"نہ جانے یہ اطمینان تمہیں کیوں ہے؟"

"کوئی سبب تو ہے!"

"مجھے بتاؤ، تاکہ مجھے سکون ملے"

"پھر کھیل بگڑ جائے گا۔ دیوار ہم گوش دارد۔ میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے، مگر تمہیں یقین دلاتی ہوں انشاء اللہ جاوید کے سامنے چند منٹ سے زیادہ تمہیں رسوا نہیں ہونا پڑے گا!"

"چند منٹ کے لئے؟"

"ہاں۔"

"لیکن کس طرح؟"

"بس وہی وقت تو ہوگا کام کا، اگر سب کے منہ پر کالک نہ لگا دوں تو میرا نام زینب نہیں!"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سارا قافلہ سینما سے واپس آگیا، زینب کے پاس فرخندہ کو دیکھ کر سلمٰی کے چہرے پر شک و شبہ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ چنانچہ وہ سیدھی اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے اوپر آئی اور کہنے لگی،

"یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟"

وہ بولی۔

"اکیلے بیٹھے بیٹھے جی گھبرانے لگا، بوا کے پاس آگئی، ان سے کہانی سن رہی تھی"

سلمٰی کا شبہ دور ہوگیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہانی؟" "ہمارے ساتھ سینما چلتیں تو کہانی کا مزہ آجاتا!"

اتنے میں عائشہ بھی آگئی۔ اس نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ایسی مزے دار کہانی تھی کہ کیا کہوں ہنسی بھی رونا بھی!"

زینب نے ٹوکا۔

" تو فرخندہ کو بھی ساتھ لے گئی ہوتیں!"
سلمیٰ بولی!
" میں نے کہا تو تھا لیکن یہ سر لے کر بیٹھ گئیں کہ درد ہو رہا ہے"
عائشہ نے آگے بڑھ کر شفقت سے فرخندہ کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا اور
پھر پیار بھرے لہجہ میں بولی۔
" اب تو درد نہیں ہو رہا؟"
وہ کچھ لجاتی ہوئی اور شرماتی ہوئی بولی۔
" اب تو ٹھیک ہے!"
سلمیٰ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔
" آرام کرو، زیادہ باتیں مت کرو، ورنہ پھر ہونے لگے گا!"
فرخندہ سلمیٰ کے ساتھ ہو گئی، راستے میں سلمیٰ نے کہا۔
" دیکھو بی فرخندہ یہ زہر کی پڑیا ہے، اس سے ذرا بچ کر رہنا!"
زینب کے خلاف یہ بات سن کر دل ہی دل میں فرخندہ کو ہنسی آ گئی، اس
نے اپنا تبسم ضبط کرتے ہوئے کہا۔
" لیکن ملتی تو بڑے چاؤ اور محبت سے ہیں!"
سلمیٰ نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔
" یہی تو اس کا ہنر ہے، دوست بن کر دشمنی کرنے کا فن جتنا یہ جانتی ہے
دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔"
ظاہر ہے فرخندہ کو ان باتوں کا یقین نہیں آیا۔ لیکن اس نے بے اعتمادی
کا اظہار کیا کہنے لگی۔
" تعجب ہے۔"
سلمیٰ نے کہا۔
" یہ بڑھیا جو تم سے اتنی محبت ظاہر کر رہی ہے۔ تمہاری ماں عارفہ بہن کی
خدا انہیں غریق رحمت کرے، سب سے بڑی دشمن تھی۔ اس نے اس معصوم اور

(۶)

سلمیٰ اور فرخندہ کے چلے جانے کے بعد بڑی دیر تک زینب ان باتوں پر غور کرتی رہی جو اس کے اور فرخندہ کے مابین ہوئی تھیں۔

اس گھر میں ظلم اور سفاکی، بے رحمی اور بے دردی کے بہت سے دلخراش مناظر اس نے دیکھے تھے، عائشہ کے بارے میں اس کا خیال تھا اگر یہ مرد ہوتی تو اپنے وقت کی چنگیز اور ہلاکو ہوتی، لیکن چنگیز اور ہلاکو تو کھرے قسم کے آدمی تھے۔ فوج لی اور چڑھ دوڑے، وہ مکر وہ داؤ پیچ، وہ فریب، جو عائشہ اور اس کی بہن سلمیٰ کی فطرت میں رچا بسا ہوا تھا۔ ان بیچاروں کے پاس کہاں تھا۔

سلمیٰ کو تو پھر ایک حد تک معاف کیا جا سکتا تھا کہ لاولد تھی ~~ممتا~~ کیا ہوتی ہے اس کے بارے میں کوئی ذاتی تجربہ اسے نہیں تھا۔ لیکن عائشہ کے بارے میں تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا وہ دو بچوں کی ماں تھی اور کوئی شبہ نہیں اپنی اولاد سے والہانہ محبت رکھتی تھی۔ اگر عارفہ کی وہ دشمن تھی، تو ایک حد تک یہ بات سمجھ میں آ سکتی تھی اس لئے کہ نند اور بھاوج کے تعلقات زیادہ تر تلخ ہوا ہی کرتے ہیں۔ اور گو عارفہ دوسری نندوں کی طرح نہیں تھی اور عائشہ کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کرتی، پھر بھی اس کی زندگی اجیرن کر دی گئی۔ اس نے اس گھر کو چھوڑ دیا، باپ کٹا، لیکن اس کی یہ لڑکی؟ — اس سے نفرت اور عداوت کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟ اور وہ بھی منظم طور پر اتنی مکمل اسکیم بنا کر، اس لڑکی کی زندگی برباد کر کے عائشہ اور سلمیٰ

کو کیا مل جائے گا؟

بڑی دیر تک یہی باتیں اس کے خانۂ دماغ میں گردش کرتی رہیں، پھر اس کو اپنے وعدے یاد آئے جو ابھی فرخندہ سے کر چکی تھی۔

عارفہ سے وہ محبت کرتی تھی، ہمدردی رکھتی تھی، عائشہ کا جو برتاؤ اس کے ساتھ تھا اسے ناپسند کرتی تھی، کبھی کبھار ڈرتے ڈرتے اس کی تائید و حمایت میں ایک آدھ لفظ بول دیتی تھی، یہی وجہ تھی کہ عائشہ نے کبھی اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا، کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس گھر کی پرانی خادمہ تھی۔ بچپن اسی گھر میں گزارا جوان یہیں ہوئی اور بڑھاپے کی منزلیں یہیں طے کر رہی تھی، بلکہ موت کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن مرنے سے پہلے اسے پہلی اور آخری لڑائی لڑنی تھی، یہ لڑائی جتنی فرخندہ کے لئے فیصلہ کن تھی، اتنی ہی اس کے لئے بھی تھی۔

فرخندہ اس گھر سے نکل کر اپنے دادھیال جا سکتی تھی اور اچھی بری زندگی وہاں بسر کر سکتی تھی۔

"لیکن وہ؟"

"وہ کہاں جائے گی؟"

اسے کون پناہ دے گا؟ اس گھر سے نکلنے کے بعد گوشۂ قبر کے سوا اور کہاں اسے جگہ مل سکتی ہے۔

" لیکن جب تک گوشۂ قبر نہ ملے اس وقت تک؟

" اس وقت تک کیا کرے گی؟

" کیا کسی فٹ پاتھ پر ڈیرہ ڈالنا پڑے گا؟"

" کیا گلیوں گلیوں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنا پڑے گا؟

کیا مرتے وقت کوئی یٰسین شریف پڑھنے بھی میسر نہ آئے گا؟

اگر وہ کھلم کھلا میدان میں آ گئی اور فرخندہ کی تائید و حمایت میں ان لوگوں کو اس نے اپنا دشمن بنا لیا۔ تو ظاہر ہے اس گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں رہے گی۔

"پھر — ؟"

پھر کیا کرنا چاہیے۔

کیا فرخندہ کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے؟

کیا بھیڑیوں کو اجازت دے دی جائے کہ وہ بکری کے بچے کو پھاڑ کھائیں اس کے بعد بوٹی بوٹی کریں؟

کیا یہ ظلم وہ برداشت کر سکتی ہے؟"

کیا سفاکی، درندگی اور بہیمیت کے یہ بھتان دیکھ سکتی ہے؟

دل کی گہرائیوں سے صرف ایک ہی جواب ملتا ہے۔

"نہیں —"

جیسے دل میں بیٹھا بیٹھا کوئی کہتا تھا۔

تو نے اپنی زندگی پوری کر لی، تو زندگی کی ۵۷ بہاریں دیکھ چکی ہے اب تجھے جینے کا حق نہیں ہے، اب تیرا فرض ہے کہ موت کی تیاری کر اور مرنے سے پہلے حق اور سچائی کا بول بالا کرتی جا۔

ممکن ہے تیری سچائی بھی فرخندہ کو نہ بچا سکے، لیکن سچ کا ساتھ نتائج سے بے پرواہ ہو کر دینا چاہیے، فرخندہ کو ان ظالموں کے پنجہ سے بچانا نہ بچانا خدا کا کام ہے۔ لیکن اسے بچانے کی کوشش کرنا میرا فرض ہے!

میں یہ فرض انجام دوں گی — ہر قیمت پر۔

⁂ ⁂ ⁂

(۷)

اور آخر کار" جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر!"
چوریاں شروع ہوگئیں ۔!
چوریوں کا اعلان شروع ہوگیا۔
گھن گرج کے ساتھ گالیوں اور کوسنوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔
سارے گھر میں تہلکہ سا مچ گیا۔
آخری چوری ۔۔ عائشہ کی نوٹوں سے بھری ہوئی پرس ۔ کی خبر جب جاوید کے کانوں میں پہنچی تو وہ غصہ سے بے قابو ہوگیا۔ اب تک چوریوں کی خبر وہ خاموشی کے ساتھ سنتا رہا تھا، بلکہ عائشہ اور سلمٰی کو ان کی بے پروائی پر ملامت کرتا رہا تھا۔ لیکن اس خبر نے اسے شعلہ جوالا بنادیا۔ اس نے کہا۔
" آخر یہ مذاق کیا ہے ؟"
بڑی معصومیت کے ساتھ سلمٰی نے کہا۔
" بھائی کچھ سمجھ میں نہیں آتا، میری تو خود عقل حیران ہے!"
عائشہ بیگم نے مصرعہ پر گرہ لگائی۔
" ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چور نے گھر دیکھ لیا ہے۔"
جاوید نے بھرے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔
" آخر وہ کون ہوسکتا ہے ؟ کس کی حرکت ہے یہ ؟"
عائشہ نے بڑے بھولپن سے کہا۔

"اللہ جانے۔"
جاوید کہنے لگا۔
"حرکت کسی باہر کے آدمی کی تو ہو نہیں سکتی!"
سلمٰی نے تائید کی۔
"ظاہر ہے بھائی صاحب، باہر کا آدمی یہاں آتا ہی کون ہے؟"
اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ کارستانی کسی گھر کے آدمی کی ہے؟"
"بے شک۔ کسی گھر کے بھیدی کی!"
"تمہارا شبہ ہے کسی پر"؟
"کیا کہوں؟۔ شبہ ہے بھی اور نہیں بھی!"
"اس مہمل بات کا مطلب کیا ہوا۔"
"یہ سوچتی ہوں کہ یہ کام گھر کے آدمی کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا تو شبہ ہوتا ہے لیکن جب یہ سوچتی ہوں کہ وہ کون ہو سکتا ہے تو شبہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"
عائشہ نے بھی تائید کی۔
"آخر شبہ کس پر کیا جائے؟"
جو مشکوک نظر آئے۔
دیکھو نا تم تو چرانے سے رہے، میں کیوں چرانے لگی اپنی چیزیں، سلمٰی پر کم از کم میں شبہ نہیں کر سکتی۔"
"لاحول ولاقوۃ۔ کیسی مہمل باتیں کرتی ہو سلمٰی پر شبہ کا کیا سوال؟ اگر اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے تو مجھ پر بھی کیا ہے، تم پر بھی کیا سکتا ہے۔"
یہی تو میں بھی کہتی ہوں۔ اب رہے میاں ارشاد، ظاہر ہے انہیں کیا پڑی ہے ان چیزوں کے چرانے کی!"
"ظاہر ہے۔"
اب کون رہ گیا گھر میں۔ بچے۔ تو سہیل، سہیلہ اور فرخندہ میں یہ ہمت

کہاں سے آئی ؟ اور اللہ کے فضل سے انہیں کمی بھی کس چیز کی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ اپنی اپنی چیزیں کوئی کیسے چرا سکتا ہے ؟"

" ہاں ٹھیک ہے ۔ بچوں کو اس سلسلے میں گھسیٹنا حماقت ہے !"

" باقی رہ جاتے ہیں دو آدمی !"

" وہ کون ؟"

" امجد اور بوا زینب !"

" ان دونوں کے بارے میں تو بڑی آسانی سے حلف اٹھا سکتا ہوں کہ یہ چور نہیں ہیں !"

سلمیٰ بول پڑی ۔

" میں بھی قسم کھا سکتی ہوں کہ یہ چوری نہیں کر سکتے !"

عائشہ کچھ جھینپتی ہوئی بولی ۔

" اسے تو کیا میں ان پر کوئی تہمت لگا رہی ہوں ؟ میں نے تو ایک بات کی تھی ۔

جاوید نے زیر لب تبسّم کے ساتھ کہا ۔

" لیکن بھئی بات سوچ سمجھ کر کیا کرو !"

سلمیٰ نے مزید تشریح کرتے ہوئے کہا ۔

" امجد بہت پرانا ملازم ہے ، اس کی زندگی کے شب و روز ہمارے سامنے ہیں ، ایسا دفا دار نیک اور ایماندار آدمی چراغ لے کر ڈھونڈا جائے تو نہیں مل سکتا ، پھر وہ زیادہ تر باہر رہتا ہے ، گھر میں آنا بھی اسی وقت ہے جب بلایا جائے !"

" ہاں اور کیا !"

اور ہماری زینب بوا ، انہوں نے ساری زندگی اس گھر میں گذار دی ، بچپن کی آنکھیں یہیں کھولیں ، اب بڑھاپے کی آنکھیں موندنے کی تیاری کر رہی ہیں ، نہ ان کا کوئی عزیز نہ رشتے دار ، نہ کہیں جائیں ، نہ آئیں ، ساری زندگی یہیں بسر کر دی ، اگر ان کے پاس کچھ ہے بھی تو ہمی لوگوں کا ہے ۔"

جاوید ہنس پڑا،

"بڑی لالچی ہوا۔"

سلمیٰ مسکراتی ہوئی بولی۔

"بھائی صاحب کچھ غلط کہا میں نے؟"

جاوید نے جواب دیا۔

" زینب بوا سے یہ سوال کرو، وہی جواب دے سکتی ہیں اس کا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اصل سوال پھر اپنی جگہ قائم رہتا ہے یعنی یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے؟ کون گھر والا ایسا دیدہ دلیر ہے جس پر شبہ تک نہیں کیا جا سکتا اور جو نہایت اطمینان و اعتماد کے ساتھ ہاتھ صاف کر رہا ہے۔!"

"پولیس میں اطلاع دے دوں؟"

عائشہ (سہم کر) خدا کے لئے ایسا غضب نہ کیجئے گا!"

"کیوں کیا حرج ہے اس میں؟"

"بہت بڑا حرج!"

"آخر کیا؟"

"ڈیوڑھی بدنام ہو جائے گی، گھر کے ایک ایک آدمی سے پوچھ گچھ ہو گی ممکن ہے تلاشیاں بھی لی جائیں، اس طرح وہ لوگ جو ہمیشہ سے دیانت دار اور وفادار چلے آ رہے ہیں ہم سے بدظن ہو جائیں گے!"

(مسکراتے ہوئے) بعض وقت تو بڑی عقلمندی کی باتیں کرنے لگتی ہو۔ یہی سوچ کر میں اب تک خاموش ہوں، ورنہ کب کی پولیس کو اطلاع کر چکا ہوتا!"

سلمیٰ نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

" بھیا آپا ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں، پولیس ولیس کی بات ٹھیک نہیں!"

"ہاں ہا۔ لیکن پھر کیا کیا جائے؟" کیا صبر کر لیا جائے؟"

"فی الحال تو صبر ہی کرنا چاہیئے۔"

"فی الحال سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

بھائی صاحب آپ کی کمائی حرام کی نہیں ہے، محنت کی ہے، دیانت کی ہے۔ آپ بلیک مارکیٹ نہیں کرتے، لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتے، دن رات محنت کر کے کماتے ہیں، اسی لئے خدا نے آپ کو برکت دی ہے اور آپ ماشاءاللہ بڑے آدمی بن گئے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے آپ کی یہ حلال کی کمائی ضائع نہیں ہو سکتی!"

"بہت خوب اب سلمیٰ بیگم نے پیشین گوئی بھی شروع کر دی۔ ہاتھ بڑھاؤں قسمت کا حال بتاؤ گی؟"

جاوید یہ کہتے کہتے ہنس پڑا، عائشہ اور سلمیٰ کو بھی ہنسی آ گئی، وہ کہنے لگی۔

"قسمت کا حال ہاتھ دیکھے بغیر بتا سکتی ہوں، بہت اچھی ہے، خوب کمایئے گا ابھی تک تو صرف لکھ پتی ہیں، پھر خدا نے چاہا تو کروڑ پتی بن جائیں گے۔!"

وفورِ تاثر سے عائشہ بیگم نے کہا۔

"تمہارے منہ میں گھی شکر!"

سلمیٰ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"بہر حال چوری کا مال ملے گا بزرگوں سے سنتے آئے ہیں اور آنکھوں سے بھی دیکھا ہے کہ حلال مال ضائع نہیں ہو سکتا!" جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گویا تمہاری رائے یہ ہے کہ فی الحال یہ معاملہ داخل دفتر کر دیا جائے اور انتظار کیا جائے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟"

مسکراتے ہوئے "جی ہاں میرا یہی مطلب ہے!"

"بہت بہتر جناب!" پھر وہ عائشہ کی طرف مخاطب ہوا۔

جو کچھ ہونا تھا ہوا، اب اس پر کڑھنا اور غم کرنا بے کار ہے!"

عائشہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"بہر حال خدا کی مرضی پر ہم شاکر ہیں، لیکن مجھ سے سہیلہ کا رونا نہیں دیکھا جاتا اسے یہ چوڑیاں اتنی پسند تھیں۔"

سلمیٰ بول پڑی ۔
"بے چارہ سہیل بھی بہت دلگیر ہے، اس کی اتنی اچھی اور قیمتی گھڑی ۔!"
جاوید نے لقمہ دیا ۔
" اور اپنا طلائی کنگن بھول گئیں ؟"
" وہ صدقے کیا آپ اور اپنے بچوں (سہیلہ اور سہیل) پر مجھے اس کا ذرا بھی ملال نہیں ہے!"
" بڑے دل والی ہو ؟ ۔ کیوں عائشہ تمہیں بھی اپنی پرس کا صدمہ نہیں ہے ؟"
کیوں نہیں ہے، پورے تین ہزار روپے تھے اس میں ۔"
" سلمیٰ کنگن کتنے کا تھا ؟"
" وہ بھی اتنے کا تھا ؟"
یعنی تقریباً تین ہزار کا ؟"
" جی ہاں بھائی صاحب !"
" واقعی بڑے دل والی ہو، اپنی بہن کے مقابلے میں ۔ اچھا خیر اب رونے دھونے سے کیا حاصل، ہم تلافی کر دیں گے !"
سلمیٰ نے سوال کیا ۔
" تلافی کس طرح کرو گے ؟"
" سہیلہ کی چوڑیاں بن جائیں گی بالکل ویسی ہی، سہیل کی، اس کمپنی کی گھڑی آجائے گی جو اس نے خریدی تھی، تمہارے کنگن بنوا دیئے جائیں گے ۔ اور عائشہ کو تین ہزار نقد دے دیئے جائیں گے !"
سلمیٰ اور عائشہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی ۔ اس نے کہا ۔
خیر میرے روپے اور سلمیٰ کے کنگن کی تو پھر دیکھی جائے گی آپ سہیلہ کی چوڑیاں اور سہیل کی گھڑی کا جلد بندوبست کر دیں ۔"
جاوید نے جواب دیا ۔
" ہر ایک کو اس کی گمشدہ چیز ملے گی اور ضرور ملے گی، چاہے وہ نقد رو پیہ

ہو یا نہ ہو۔ لیکن الگ الگ نہیں، ایک ہی دن اور ایک ہی وقت!"

سلمیٰ نے پوچھا!

" بھائی صاحب آپ کو تو پہیلیاں بجھوانے لگتے ہیں بعض وقت!"

" سیدھی سی بات ہے آج ہی آرڈر دے دیتا ہوں، ان چیزوں کا، چند روز میں تیار ہو جائیں گی، پھر گھر کے تمام لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ہر ایک کو ہر ایک کی چیز ملے گی اور اعلان کیا جائے گا۔ کہ اب ایسا ہوا تو ضرور پولیس کو اطلاع دی جائے گی، خواہ اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو"

عائشہ نے عارفانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

" ہاں ٹھیک ہے اس طرح لوگوں کے کان ہو جائیں گے!"

سلمیٰ نے پوچھا۔

" اور اگر بعد میں مال برآمد ہو گیا، کسی کے پاس سے؟"

تو اُسے میں اپنے ہاتھ سے ایسی سزا دوں گا جو عمر بھر یاد رہے گی۔"

ٹھیک ہے۔ میں تو کہتی ہوں خدا کرے مل جائے، کیوں خواہ مخواہ آپ زیر بار ہوں۔"

" زیر باری کیسی؟ ارے بھئی تمہارے پاس اگر دو جوڑے کنگن ہو جائیں اور عائشہ بیگم کی برس میں تین کے بجائے چھ ہزار روپے پہنچ جائیں تو ہرج ہی کیا ہے؟ آخر میں کماتا کس کے لئے ہوں؟ میرے پاس جو کچھ ہے اس کا مالک کیا کوئی اور بھی ہے!"

سلمیٰ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

" لیکن بھائی صاحب میری ایک تجویز ہے!"

جاوید نے شریر نگاہوں سے اُسے دیکھا اور کہا۔

" فرمایئے۔ کیا ہے آپ کی وہ تجویز؟"

سلمیٰ نے قدرے تامل کے بعد کہا۔

" میری رائے یہ ہے کہ اس موقع پر جب آپ، ہر ایک کو اس کی گمشدہ

خوبصورت گردن پر — !"

جاوید کھلکھلا کر ہنس پڑا -

" تجویز معقول ہے، ہم صاد کرتے ہیں - اس کے لئے ہار کا آرڈر بھی آج ہی سے دیا جائے گا!"

سلمیٰ خوش ہو گئی، جیسے ہار اسی کے لئے بن رہا تھا، کہنے لگی -

" شکریہ بھائی صاحب بہت بہت!"

عائشہ بولی -

" نہ جانے فرخندہ نے کون جادو کر دیا ہے اس سلمیٰ کی بچی پر!"

وہ کہنے لگی -

" آپا بتاؤں؟ اس نے کیا جادو کیا ہے سلمیٰ کی بچی پر؟"

عائشہ نے تو کوئی جواب نہیں دیا، جاوید بول پڑا -

" ہاں ضرور — ذرا ہم بھی تو سنیں کیسا جادو آتا ہے فرخندہ کو؟"

سلمیٰ نے کہا —

" بھائی صاحب — وہ جادو ہے محبت!"

" کیا مطلب؟"

" وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، نہ جانے کیوں؟ میں اسے چاہتی ہوں —"

جاوید نے لقمہ دیا -

" نہ جانے کیوں؟"

وہ ہنس پڑی -

" جی ہاں —"

پھر کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی -

" اس کی محبت کی ایک تاریخ ہے!"

جاوید سوال کرنے پر مجبور ہو گیا -

" تاریخ کیسی؟"

سلمیٰ نے کہا ۔

مجھ میں اور عارفہ میں بھی بڑی محبت تھی ۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی تھیں اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے لیکن اس کی ایک خوبصورت سی یادگار موجود ہے کیسے اسے نہ چاہوں، وہ میری پیاری کی پیاری ہے ۔"

یہ کہتے کہتے سلمیٰ کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں، عائشہ اپنے آنسو پونچھنے لگی جاوید نے ایک ٹھنڈی سانس لی، اور کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر چلا گیا۔

جاوید کے جاتے ہی وہ بوجھل بوجھل سی اور افسردہ افسردہ سی فضا، جو سلمیٰ اور عائشہ کے اشک بے قرار سے پیدا ہو گئی تھی، دفعتہً دور ہو گئی، سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے عائشہ سے کہا ۔

"کیوں آپا ؟ ۔"

" عائشہ سب کچھ سمجھ گئی۔ اس مختصر سے سوال میں جو جہان معنی آباد تھا، اس کا ایک ایک گوشہ ان کی نظر کے سامنے آگیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

" ٹھیک ہے ۔ معاملہ بہت اچھے رُخ پر جا رہا ہے ۔ تمہاری ذہانت اور عقلمندی کی ہمیشہ سے قائل تھی، اب زیادہ ہو گئی ۔ کمال کر دیا تم نے تو اس وقت آخر یہ باتیں کہاں سے سوجھ جاتی ہیں تمہیں ؟"

" بس اسی ذہانت اور عقلمندی کا کرشمہ ہے جس کی آپ ابھی تعریف کر چکی ہیں!"

یہ کہتے کہتے وہ ہنس پڑی، عائشہ نے بھی اس کا ساتھ دیا، پھر وہ کہنے لگی۔

" فرخندہ کے لئے ہار کی فرمائش کر کے تم نے اس ڈرامے کو اتنا دلچسپ بنا دیا ہے کہ مزہ آجائے گا۔"

وہ کچھ فخر کرتی اور ناز کرتی ہوئی بولی ۔

" آپا مزہ ایسا آئے گا کہ دنیا دیکھے گی (چٹکی بجا کر) میں نے ایک بات اور بھی سوچی ہے ۔"

" وہ کیا سلمیٰ ؟"

" ایک تیر میں دو شکار آپا!"

"کس طرح ؟ - کچھ کہہ تو سہی!"
فرخندہ کے پاس سے سب چیزیں برآمد ہوں گی - ؟"
"ہاں ہوں گی ؟"
" اتنی بڑی جرأت فرخندہ اکیلی نہیں کر سکتی جب تک اس کا پشت پناہ نہ ہو - !"
پشت پناہ ؟ "
" ہاں آپا - بغیر کسی مستقل پشت پناہ کے یہ کام نہیں ہو سکتا تھا، ہرگز نہیں ہو سکتا تھا!"
" اور وہ پشت پناہ کون ہے ؟"
" تم نہیں جانتیں اسے ؟ - اب اتنی انجان بھی نہ بنو ا "
" کچھ دیوانی ہوئی ہے - میں کیا جانوں ؟ "
" آپا، آپا - اس کا نام ہے - زینب!"
زینب کا نام سن کر عائشہ اچھل پڑی، اس نے اپنی سعادت مند بہن کو گلے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا -
" واقعی ایک تیر میں دو شکار! - اس حرامزادی کا پتّا کٹنا چاہیئے۔"
" وہ تو کٹا سمجھو - !"

* * *

(۸)

اتوار کا دن تھا۔

آج گھر میں خاص طور پر چہل پہل نظر آ رہی تھی۔

سہیلہ کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں، سہیل کے بند قبا ٹوٹے جا رہے تھے سلمیٰ خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی۔ عائشہ اگرچہ سنجیدہ بنی ہوئی تھی لیکن نشاط و مسرت کس طرح چھپائے نہیں چھپتی تھی۔

آج "تقسیم انعامات" کا دن تھا۔

آج تنبیہہ اور سرزنش کا دن تھا۔

انعامات ان کے لئے جنہوں نے اپنی قیمتی چیزیں کھو دی تھیں، تنبیہہ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے یہ چیزیں چرائی تھیں۔

گھر کے سب لوگ ناشتہ کی میز پر بیٹھے تھے، زینب بھی کسی حیلے سے بلا لی گئی تھی اور امجد بھی۔

جاوید کے سامنے ایک چھوٹا سا چرمی بکس رکھا تھا، اسے کھولا۔ اور خوبصورت سی سونے کی چوڑیاں نکالیں، اور سہیلہ کو دکھاتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل ویسی ہی ہیں نا جیسی چوری ہو گئی ہیں؟"

وہ جوش مسرت سے بے قابو ہوتی ہوئی بولی۔

"جی ——"

جاوید نے یہ گہنا اسے بخش دیا، پھر ایک گھڑی نکالی اور سہیل سے

پوچھا۔

" ویسی ہی گھڑی تھی جو چوری ہو گئی ؟"

سہیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

" جی ایو — بالکل ایسی ہو بہو ایسی !"

جاوید نے گھڑی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

" لیکن احتیاط سے رکھا کرو چیزیں !"

پھر اس نے ایک خوبصورت اور قیمتی کنگن نکالا اور سلمیٰ سے پوچھا۔

پہچانتی ہو اُسے ؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

" آپا چور پکڑ لیا۔ بھائی صاحب نے میرا کنگن چرایا تھا دیکھو یہ رہا !"

جاوید نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔

" سبحان اللہ تمہیں تو خفیہ پولیس میں رہنا چاہیے تھا !"

سلمیٰ نے بڑی معصومیت کے ساتھ کہا۔

" سچ بھائی، بالکل ایسا ہی تھا !"

جاوید نے اس کی طرف اسے بڑھاتے ہوئے کہا۔

اچھا بھئی لو اپنی چیز۔ اب تو ہمیں چور نہیں کہو گی ؟"

وہ بولی۔

" چور کو چور ہی کہا جاتا ہے !"

جاوید نے پوچھا۔

" مال برآمد ہونے کے بعد بھی — ؟"

وہ شوخ لہجہ میں بولی۔

" جی ہاں —"

عائشہ نے ٹوکا۔

" کیا خواہ مخواہ کی بک بک لگا رکھی ہے، چپ بھی رہو کسی طرح !"

جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ہاں بھئی دیر ہوئی جارہی ہے، یہ ڈر رہی ہیں کہیں اس بخشم بخشا میں ان کا حصہ نہ مارا جائے۔"
پھر اس نے ایک نہایت خوبصورت پرس اس کی طرف بڑھایا اور کہا۔
"دیکھ لو، تمہارے مرحوم پرس سے یہ پرس خوبصورت بھی ہے اور قیمتی بھی اس میں تین ہزار روپے تھے۔ اس میں چھ ہزار ہیں!"
عائشہ نے پرس لے لیا اور ایک ادا کے ساتھ گویا ہوئی۔
"شکریہ —"
فرخندہ گم صم بیٹھی یہ تماشا دیکھ رہی تھی، کبھی ماموں کو دیکھتی تھی کبھی ممانی کو کبھی سلمیٰ خالہ کو کبھی سہیل اور سہیلہ کو اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ معاملہ کیا ہے؟"
اتنے میں جاوید کی آواز گونجی۔
"جس جس کی چیز چوری ہوئی تھی، میں نے اُسے وہ چیزیں لاکر دے دیں، یہ اس گھر میں پہلی چوری تھی، مجھے نہیں معلوم چور کون ہے، لیکن ہے گھر ہی کا آدمی کسی باہر کے آدمی کا یہاں گزر کہاں اگر پولیس کو اطلاع دے دی جاتی تو مال بھی برآمد ہوجاتا اور چور بھی پکڑ لیا جاتا، لیکن میں نے نقصان گوارا کر لیا۔ مگر پولیس کو بلانا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن یہ پہلا اور آخری واقعہ ہے اب اگر تانبے کا ایک چھلا بھی چوری ہوا تو پولیس ضرور آئے گی اور مجرم سے سب کچھ نکلوا لے گی۔
سلمیٰ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔
"بھائی صاحب آپ کا یہ فیصلہ بالکل درست اور بجا ہے، میں بھی صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہتی ہوں کہ چور کو بار بار نہ چوری کا موقعہ دیا جائے گا۔ نہ معاف کیا جائے گا! ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، ہماری شرافت اور انسانیت کی بھی ایک حد ہے!"
کمرے پر سناٹا چھایا ہوا تھا، کسی میں مجال دم زدن نہ تھی، خاص طور پر

زینب اور مجید کا ذہنی اضطراب ان کے چہروں پر اس طرح نمایاں تھا کہ چھپائے نہیں چھپتا تھا۔

" بھائی صاحب ہم لوگوں کو تو ہماری چیزیں مل گئیں، لیکن کیا فرخندہ یہاں سے خالی ہاتھ جائے گی۔ واہ — !"

جاوید نے مسکراتے ہوئے فرخندہ سے پوچھا۔

" تمہیں بھی چاہیے کچھ فرخندہ ؟"

وہ بولی۔

" نہیں ماموں جان مجھے کچھ نہیں چاہیئے !"

" کیوں — ؟"

وہ کہنے لگی۔

" اس لیئے کہ میری کوئی چیز نہ گم ہوئی، نہ چوری ہوئی —"

سلمیٰ نے کہا۔

" اس سے کیا ہوتا ہے ؟" تمہیں بھی کچھ ملنا چاہیے — بتائیے بھائی صاحب آپ نے فرخندہ کے لئے کیا منوایا ہے — ؟"

جاوید نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

" یہ بھی اچھی رہی، مدعی سست گواہ چست، فرخندہ تو کہہ رہی ہے مجھے کچھ نہیں چاہیئے، اور آپ مچلی ہوئی ہیں کہ اسے بھی کچھ دو — کیوں دیں ؟"

سلمیٰ نے بگڑتے ہوئے کہا۔

تو پھر اسے اپنا کنگن دے دوں گی !"

جاوید نے کہا۔

اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ تمہارے لئے مجھے پھر سے ایک کنگن بنوانا پڑے گا !"

" جی نہیں شکریہ — مجھے نہیں چاہیے !"

جاوید نے وہ چرمی بکس سلمیٰ کی طرف بڑھایا اور کہا۔

" لو پہن لو — !"

سلمیٰ نے اُسے کھولا تو ایک نہایت دیدہ زیب اور نظر افروز سونے کا جڑاؤ جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔

اس نے جلدی سے وہ ہار نکالا اور خوش ہو کر بولی۔

" ہار —"

عائشہ کے چہرے پر برہمی کے آثار پیدا ہوئے، اس لئے کہ اس وقت جو چیزیں تقسیم کی گئی تھیں، یہ ان میں سے کہیں زیادہ قیمتی تھا۔ لیکن برہمی کے اظہار کا موقعہ نہ تھا، چپ رہی۔ سلمیٰ وہ ہار لے کر اُٹھی اور اس نے فرخندہ کے گلے میں اپنے ہاتھ سے پہنا دیا، پھر اسے کھڑا کر کے اس کا منہ جاوید کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

" دیکھئے بھائی صاحب ہماری فرخندہ کو، کتنی اچھی لگ رہی ہے میری بچی!"

جاوید نے کہا۔

ہاں! — یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہار اس کے گلے میں پہنچ کر اچھا لگنے لگا ہے، یا وہ ہار پہن کر زیادہ اچھی لگنے لگی ہے!"

سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

" آپ ہی بتایئے —!"

اس نے کہا۔

" بھئی یہ ہار جب میں نے خریدا تھا تو اتنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، جتنا اب لگ رہا ہے۔"

فرخندہ کے نرم اور نازک ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا تھا، ذرا دیر کے لئے وہ ان طوفانوں کو بھول گئی جو اس کے سر پر منڈلا رہے تھے اور جن کی آمد آمد سے وہ واقف تھی۔

سلمیٰ نے زینب سے کہا۔

" ذرا آبٹنہ تو لانا زینب بوا!"

زینب بوا نے آئینہ لاکر سلمیٰ کے ہاتھ میں تھما دیا۔
سلمیٰ نے آئینہ فرخندہ کے سامنے کیا اور اس بکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

فرخندہ شرما گئی، کوئی جواب نہ دے سکی۔

جاوید نے زینب سے کہا۔

"چائے سے طبیعت نہیں بھری، یا تو امجد کو حکم دو کہ بنا لائے یا تم خود ہی تکلیف کرو، تمہارے ہاتھ کی چائے کی بات ہی اور ہے!"

ابھی لائی۔

زینب چائے لینے چلی گئی، سہیل اور سہیلہ اپنے مشاغل میں دلچسپی لینے کے لئے باہر نکل گئے۔ سہیلہ کے جانے کے بعد سلمیٰ نے آواز دی۔

"سہیلہ بیٹی!"

لیکن وہ جا چکی تھی سلمیٰ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اتنی تیزی سے جاتی ہے جیسے ہوا۔"

یہ کہہ کر وہ اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئی۔ کوئی کام ہوگا!"

اتنی دیر میں زینب چائے بنا کر لے آئی۔ جاوید گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا اس نے فرخندہ سے کہا۔

"ہاں بیٹی یہ تو کہو اردو کی کون کون سی کتابیں پڑھ لیں تم نے؟"

آپ نے کہا تھا نذیر احمد کی ساری کتابیں پڑھ ڈالو، وہی دیکھ رہی ہوں آج کل۔"

"کون سی کتاب پسند آئی تمہیں؟"

"توبۃ النصوح اور — !"

اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارا ذوق پختہ ہوتا جا رہا ہے تمہاری انگریزی سہیلہ

کا کیا ذکر سہیل سے بھی اچھی ہے۔ اردو بہت کمزور تھی، لیکن اب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کمزوری جلد رفع کر لو گی!"
فرخندہ خوش ہو گئی، یہ تعریفی الفاظ سن کر، لیکن عائشہ کا رنگ رخ بدل گیا وہ اپنے بیٹے اور بیٹی کے مقابلے میں، کسی طرح بھی فرخندہ کو اونچا دیکھنا نہیں چاہتی تھی، خاموش رہنے کی بہت کوشش کی، مگر نہ رہ سکی. آخر کو شوہر سے الجھتی ہوئی پوچھ بیٹھی۔

"تو سہیلہ اور سہیل بالکل جاہل ہیں؟"
جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔
یہ تو میں نے نہیں کہا۔
جب فرخندہ کی انگریزی سہیل سے بھی اچھی ہے تو اس کا مطلب اور کیا ہوا؟"
"لیکن اس کی اردو سہیلہ سے بھی کمزور ہے!"
"اس سے کیا ہوتا ہے۔؟"
"کیوں نہیں ہوتا؟ اصل چیز تو انگریزی ہے!"
"تو سہیل کو محنت کرنے سے کس نے منع کیا ہے۔؟ ذہین لڑکا ہے شوق اور محنت سے کام لے تو سب سے آگے بڑھ سکتا ہے!"
"تمہیں تو دوسروں کے مقابلے میں اپنی اولاد ہمیشہ کم نظر آتی ہے!"
"آتی ہی چاہیے!"
"کیوں ۔۔؟"
"اس لئے کہ میری سوتیلی اولاد جو ہوئی؟ ایسی اولاد سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"
فرخندہ مسکرانے لگی، جاوید نے کہا۔
"سہیل کی ہی لو، وہ پڑھنے لکھنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتا اسکا انجام برا ہوگا۔"
"ایسا نہ کہیں سہیل ہمارا اکلوتا بیٹا ہے!"

" تعلیم و تربیت کے معاملے میں جذبات سے کام نہیں چلتا، تم نے اکلوتا کہہ کر میرے جذبات سے اپیل کی ہے لیکن میں اس سے متاثر نہیں ہو سکتا، محبت کے جوش میں جاہل رہ کر اس کے مستقبل سے غافل ہو جاؤں یہ محبت نہیں دشمنی ہے "
" طنز سے ابڑے دوست ۔"
" سہیل کے مقابلے میں سہیلہ زیادہ دلچسپی لیتی ہے پڑھنے لکھنے سے !"
اور سہیل کے مقابلے میں فرخندہ ۔"
" ہاں ؟ ۔ آخر اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے ؟
" مجھے کیا پڑی ہے خفا ہونے کی ؟"
" بجائے اس کے کہ اولاد کو راہ راست پر لاؤ، اس میں مسابقت کا جذبہ پیدا کرو، اسے شوق دلاؤ، اس کا حوصلہ بڑھاؤ، دوسروں کو کم دیکھنے کی کوشش کیوں کرتی ہو ۔ ؟"
" بس شروع ہو گئیں مجھ پر تہمت تراشیاں ۔"
تہمت تراشیاں کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے ؟ میں تو کہتا ہوں، اگر فرخندہ بالکل جاہل ہوتی تو بھی سہیلہ اور سہیل کو پڑھنا چاہیے تھا ۔
" اچھا بھئی اچھا ۔ تم سے بحث کون کرے ۔ نہ جانے سلمیٰ کہاں چلی گئی ؟"
یہ کہہ کر عائشہ بیگم باہر جانے کے لئے اٹھیں، جاوید نے محبت بھرے لہجہ میں کہا ۔
" اس قدر جلد نہ روٹھ جایا کرو، بیٹھو، آج ذرا کئی مسائل پر باتیں کرتی ہیں تم سے ۔ !"
عائشہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ سلمیٰ بھاگوں بھاگ واپس آئی اس کا سانس پھولا ہوا تھا ۔
جاوید نے اس کی یہ کیفیت دیکھی، تو سوال کیا ۔

"کیا بات ہے سلمٰی، اتنی حواس باختہ کیوں نظر آ رہی ہو!"
وہ دہم سے کرسی پر گر پڑی اور اپنا سانس ٹھیک کرنے لگی۔
عائشہ نے نمائشی اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"ارے آخر ہوا کیا کچھ منہ سے تو بول!"
سلمٰی نے سہیلہ کی چوڑیاں نکال کر میز پر رکھ دیں، پھر سہیل کی گھڑی سامنے ڈال دی، عائشہ نے یہ دونوں چیزیں دیکھیں اور ہکا بکا ہو کر سلمٰی کی طرف تکنے لگی۔
جاوید کی سمجھ میں بھی کچھ نہ آیا وہ بھی خاموش بیٹھا رہا۔
البتہ فرخندہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔
اور زینب کا رنگ رخ بھی اُڑ گیا۔
اور ان دونوں کی اس کیفیت کو سلمٰی نے اور عائشہ نے خاص طور پر محسوس کیا۔ جاوید نے البتہ کوئی توجہ نہیں کی، آخر اس نے کہا۔
"سلمٰی یہ چیزیں کیوں واپس لائی ہو؟"
سلمٰی نے رکتے جواب دیا۔
"بھائی صاحب واپس نہیں لائی ہوں۔ یہی چیزیں چوری ہوئی تھیں!"
جاوید پر حیرت اور استعجاب کی کیفیت طاری ہو گئی۔
اس نے کہا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"مطلب جو کچھ ہے دیکھ لیں!"
جاوید نے اور زیادہ متحیر ہو کر سوال کیا۔
"آخر یہ چیزیں کہاں سے ملیں؟"
سلمٰی نے کوئی جواب نہیں دیا، فرخندہ پر ایک نظر ڈالی اور جھکا لی۔
جاوید نے پھر ذرا تیز لہجہ میں اپنا سوال دہرایا۔

"آخر یہ چیزیں کہاں سے ملیں، جواب کیوں نہیں دیتیں۔"

وہ جھکتی ہوئی بولی۔

"چوڑیاں فرخندہ کے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔"

جاوید کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اس نے پوچھا۔

"اور گھڑی؟"

وہ ڈرتی ڈرتی بولی۔

گھڑی فرخندہ کی الماری سے۔ بات یہ ہوئی کہ میرے کلپ اکثر گم جایا کرتے ہیں۔ اس وقت بھی نہیں ملے۔ میں نے کہا شاید فرخندہ کے پاس مل جائیں سب سے پہلے میں نے الماری دیکھی، اتنی چیزیں الٹنے پلٹنے کے بعد کلپ تو نہیں ملے البتہ یہ گھڑی مل گئی، پھر میں نے اس کے تکیہ کے نیچے ہاتھ ڈالا اس مرتبہ کلپ کے بجائے چوڑیاں ہاتھ آگئیں!"

جاوید نے ایک نظر فرخندہ پر ڈالی، اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا، پوچھا۔

"فرخندہ یہ چیزیں تمہارے ہاں کیسے پہنچیں۔؟"

فرخندہ نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"ماموں جان خدا کی قسم نہیں جانتی!"

وہ ماموں جان جواب تک سراپا شفقت و محبت تھا۔ دفعتہً بدل گیا۔ اس نے کڑکتے ہوئے کہا۔

"کیا ان چیزوں کے پاؤں تھے کہ تمہارے کمرے میں پہنچیں، ایک نے تمہاری الماری میں بسیرا لیا۔ دوسری نے تمہارے تکیہ تلے!"

فرخندہ کے ہونٹ کانپے، لیکن کچھ نہ کہہ سکی۔

جاوید نے ایک ایسی نظر اس پر ڈالی، جس میں غصہ بھی تھا، بے رحمی بھی اور نفرت بھی پھر گویا ہوا۔

"تم چور ہو۔!"

فرخندہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سوا اشک پیہم کے اس

کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

لیکن جاوید کو رحم نہیں آیا، اس نے کہا۔

تم یقیناً چور ہو، باقی چیزیں بھی تمہی نے چرائی ہوں گی۔ یہ جواب ہے تمہارے پاس میری محبت کا؟ آخر تمہیں ضرورت کیا تھی چوری کی تم مجھ سے لاکھ مانگتیں میں دیتا، مگر تم نے چوری کی ــــ تم نے چوری کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہیں کیا اپنی ماں کی روح کو ذلیل کیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تمہارے بارے میں کیا فیصلہ کروں؟"

سلمیٰ بیچ میں بول پڑی،

معاف کرنا، فرخندہ کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے ایک کام اور بھی آپ کو کرنا ہے!"

جاوید چونک پڑا، اس نے اسی پُر برہم لہجہ میں سوال کیا۔

"کون سا فیصلہ!"

سلمیٰ نے کہا۔

"اتنی بڑی جرأت تنہا فرخندہ نہیں کر سکتی ۔"

جاوید نے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ــ؟"

وہ بولی۔

"فرخندہ نے بے شک یہ چیزیں اڑائی ہیں، میں لاکھ اس سے محبت کروں لیکن حقیقت کو تو جھٹلا نہیں سکتی اور حقیقت بھی کیسی آنکھوں دیکھی، میں نے خود ہی اس کی الماری اور تکیہ کے نیچے سے یہ چیزیں برآمد کی ہیں، اگر تلاشی لی گئی تو شاید باقی چیزیں بھی دستیاب ہو جائیں لیکن ۔"

"لیکن کیا؟"

"لیکن یہ کہ کوئی پشت پناہ بھی ہے فرخندہ کا جس کے بل پر اس نے یہ جرأت کی ہے!"

(۹)

دفعتہً زینب آگے بڑھی، اس نے میز پر رکھے ہوئے شیشے کے موٹے سے پیپر ویٹ کو اٹھایا اور اسے مٹھی میں زور سے دباتے ہوئے کہا۔

" خبردار جاوید ۔"

جاوید اسے حیرت سے دیکھنے لگا، وہ کہہ رہی تھی،

" اگر اب فرخندہ پر تم نے ہاتھ اٹھایا تو اسے تمہارے سر پہ کھینچ ماروں گی اور لہولہان کر دوں گی تمہیں ۔!"

یہ الفاظ اس نے کچھ ایسے دبدبے اور طنطنے سے کہے کہ ذرا دیر کے لئے سناٹا سا چھا گیا کمرے پر، پھر جاوید سنبھلا اور کہنے لگا۔

" زینب بوا تم چلی جاؤ یہاں سے! ۔ تمہیں ہمارے معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے ؟"

زینب کی تیوریاں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں، اس نے خشمناک نظروں سے جاوید کو دیکھا اور کہنے لگی ۔

تجھے اتے سے اتا کرنے کا مجھے حق تھا، تجھے اپنا دودھ پلانے کا مجھے حق تھا، تجھے آرام پہنچانے کے لئے رات بھر جاگنے کا حق مجھے تھا، تیری ضدیں پوری کرنے کا مجھے حق تھا، لیکن جب آسمان کے فرشتے تجھ پر لعنت بھیج رہے ہوں جب جہنم کے شعلے تیری طرف لپک رہے ہوں، جب خدا کی پھٹکار تیرے اوپر پڑ رہی ہو۔

تو میرا حق صرف یہ ہے کہ خاموش رہوں کچھ نہ بولوں ؟ کیا تو مجھ سے یہی چاہتا ہے۔۔۔؟"

جاوید نے واقعی زینب کی گود میں وہی سکھ پایا تھا، جو ماں کی گود میں مل سکتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ٹھاٹھ اور شان سے اس گھر میں زندگی بسر کر رہی تھی۔ بچپن سے اب تک اس نے زینب کو صرف محبت کرتے، پیار کرتے، مسکراتے اور ہنستے دیکھا تھا، لیکن اسے غصہ بھی آ سکتا ہے اور اس غصے کے عالم میں وہ ایسی سخت سست باتیں بھی کہہ سکتی ہے اس کا تجربہ آج ہوا۔

کچھ دیر تک تو وہ ہکا بکا اس بوڑھی عورت کو دیکھتا رہا، پھر اس نے اپنے حواس مجتمع کئے اور کہا۔

"کیا تم یہ چاہتی ہو، میں فرخندہ کی تربیت نہ کروں ؟"

زینب نے حقارت سے بھرپور ایک نظر اس پر ڈالی اور کہا۔

تو فرخندہ کی تربیت کرے گا ؟ — تو ؟"

جاوید کو غصہ آ گیا، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

" آخر تمہارا مقصد کیا ہے ؟ کیا چاہتی ہو تم ؟"

وہ بولی۔

اگر تو نے اپنی بیوی کی تربیت کی ہوتی تو وہ ڈائن نہ ہوتی، پہلے اس نے عارفہ کو کھایا۔ اب فرخندہ کو ہڑپ کر جانا چاہتی ہے۔ عارفہ کی دفعہ میں نہیں بولی، لیکن فرخندہ کو جیتے جی لقمہ تر نہیں بننے دوں گی !"

جاوید نے اضطراب اور عتاب کے انداز میں کہا۔

" بوا۔ بوا۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم ؟"

وہ کہنے لگی۔

" سچ کہتی ہوں، جھوٹ نہیں بولتی ۔ اگر تو نے اپنی سالی کی تربیت کی ہوتی یہ تو آفت کی پڑیا نہ بن چکی ہوتی، اگر تو نے سہیل اور سہیلہ کی تربیت کی ہوتی۔ تو یہ دونوں

ابھی سے سازش حسد اور عداوت کے فن میں ماہر نہ ہو چکے ہوتے، تو ان میں سے کسی کی تربیت نہ کر سکا، اب چلا ہے فرخندہ کی تربیت کرنے، جو بے گناہ ہے معصوم ہے مظلوم ہے، بے کس ہے، بے سہارا ہے، جس کا باپ مر چکا ہے جس کی ماں دنیا سے رخصت ہو چکی ہے، جس کا اس دنیا میں تیرے سوا کوئی نہیں ہے اور تو۔ اور تو قصائی بنا ہوا۔ اس کے پھول سے گالوں پر طمانچے مار رہا ہے یہ زمین بھی پھٹ نہیں پڑتی، یہ آسمان بھی نہیں ٹوٹ پڑا، اس کمرے کی چھت بھی نہیں گر پڑتی!"

یہ الفاظ زینب کے منہ سے کچھ ایسے جوش و خروش کے ساتھ ادا ہوئے کہ ایک مرتبہ پھر جاوید پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی، اس نے پوچھا۔

"کیا یہ چور نہیں ہے؟ کیا اس نے چوری نہیں کی؟"

زینب نے کڑک کر اور گرج کر کہا۔

"ہرگز نہیں!"

سلمیٰ بول پڑی۔

"یہ تو ہم بھی مانتے ہیں اس کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی، اتنا بڑا ہاتھ مارنے کی ضرور کوئی اس کا پشت پناہ تھا اور اس وقت بلی آخر کو تھیلے سے باہر آگئی!"

عائشہ نے بہن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

اور نہیں تو کیا، ضرور تم بھی اس کے ساتھ شریک ہو من خوب می شناسم پیران پارسا را!"

سلمیٰ ہنس پڑی۔

"زینب بوا فارسی نہیں جانتی مطلب بھی تو سمجھا دو" عائشہ نے کہا۔

مطلب کیا سمجھانا ہے ظاہر ہے فرخندہ کے ساتھ گھر کا کوئی آدمی ملا ہوا ہے!"

" سلمیٰ ہنستی ہوئی بولی۔ "گھر کا کوئی آدمی نہیں گھر کا بھیدی!"

(۱۰)

سلمٰی کی ان باتوں سے زینب ذرا بھی ہراساں نہیں ہوئی، اس نے کہا۔
" ہاں بیٹی ٹھیک کہتی ہو، یہ حرکت، گھر کے کسی آدمی کی نہیں گھر کے بھیدی ہی کی ہو سکتی ہے، لیکن تمہارے خیال میں وہ کون ہو سکتا ہے ؟"
" تم — "
زینب نے کہا۔
" اور اگر میں کہوں تم ؟ "
سلمٰی کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس کا بس چلتا تو اس بوڑھی عورت کا گلا گھونٹ دیتی، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور کہنے لگی۔
" اب تمہاری ہمت اتنی بڑھ گئی ہے ؟"
عائشہ نے بہت زیادہ بگڑ کر کہا۔
اپنی کڑوی کسیلی اپنی صاحب کو سناؤ، جنہیں تم نے گود میں کھلایا ہے یہاں ایک کہو گی تو دس سنو گی "
سلمٰی نے لقمہ دیا۔
" آخر میرا نام لینے کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں — ؟"
وہ زہر خند ہوتے ہوئے بولی۔
" تمہی نے دلائی ہے !"
سلمٰی نے برافروختہ ہو کر سوال کیا۔

کیا میں چور ہوں ؟

وہ بولی ،

" چور نہیں - چیونٹی، تم نے مجھ پر الزام لگایا اور کوئی ثبوت نہیں دیا، میں نے تم پر الزام لگایا اور ثبوت دینے کو تیار ہوں !"

یہ عجیب وغریب باتیں سن کر جاوید آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا، اس نے سگریٹ سلگایا اور لمبے لمبے کش لینے لگا، سلمیٰ کے منہ پر ذرا دیر کے لئے ہوائیاں اڑنے لگیں ، عائشہ بھی کچھ گھبرا سی گئی، لیکن یہ کیفیت صرف چند لمحوں کی تھی، عائشہ نے دریافت کیا -

" تم ثبوت دو گی ؟ "

وہ اطمینان سے بولی -

" ہاں — بڑا پکا اور کھرا ثبوت !"

عائشہ پھر کچھ گھبرا سی گئی، لیکن سلمیٰ نے اس چیلنج کو قبول کر لیا، اس نے کہا -

" تو لاؤ ، اپنا وہ ثبوت پیش کرو - "

عائشہ نے تنبیہہ کی -

" اور یاد رکھو، اگر تم ثبوت نہ پیش کر سکیں تو بہت ذلیل کر کے گھر سے نکالی جاؤ گی - "

بغیر کسی اضطراب اور گھبراہٹ کے اس نے کہا -

" اس گھر میں رہنا خود اب گناہ سمجھتی ہوں ، مجھے میری خدمت کا صلہ مل گیا اب یہاں ایک پل رہنا میرے لئے جہنم میں رہنے کے برابر ہے !"

سلمیٰ نے چڑاتے ہوئے کہا -

" جی معاف کرو ، اس طرح آپ بچ نہیں سکتیں، آپ کو ثبوت پیش کرنا ہو گا "

زینب نے کہا -

" ہاں بیٹی ثبوت پیش کردوں گی ، بنا ثبوت دیے نہیں جاؤں گی !"

جاوید پوری غیر جانبداری بلکہ دلچسپی کے ساتھ یہ باتیں سن رہا تھا، زینب

نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب بات بتا دو!"

سلمیٰ اُلجھتی ہوئی بولی۔

"فضول باتوں میں ضائع کرنے کے لئے وقت ہمارے پاس نہیں ہے کام کی بات کرو۔ لاؤ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس، ورنہ کہے دیتی ہوں، میں بڑی بری ہوں، پھر تمہاری خیر نہیں؟"

زینب نے کہا۔

"دیتی ہوں۔ ثبوت دیتی ہوں بیٹی۔!"

سلمیٰ نے جھلا کر کہا۔

"میں تمہاری بیٹی نہیں ہوں، خبردار جو آئندہ مجھے بیٹی کہا۔"

وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔

"اچھا سلمیٰ بیگم اتنا بتا دو، اگر میں نے ثبوت پیش کر دیا، اور ثابت کر دیا کہ چور تم ہو اور تمہاری بہن عائشہ ہے تو اپنے لئے تم دونوں کیا سزا تجویز کرتی ہو؟"

یہ الفاظ بم کا گولہ بن کر لگے، سلمیٰ اور عائشہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے جاوید سے کہا۔

"تمہاری موجودگی میں میری ذلت ہو رہی ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو شرم نہیں آتی تمہیں!"

سلمیٰ رونے لگی۔

"بھائی صاحب ہی نے تو اس بڑھیا کو شیر کر دیا، ورنہ اس کی ہمت تھی کہ یوں دو بدو ہم سے باتیں کرتی؟"

عائشہ نے کہا۔

"میں تو ر اکھ لگا کر زبان کھینچ لیتی ایسی بدتمیز عورت کی۔ غضب خدا کا اپنی حقیقت اور حیثیت بھول گئی ہے۔"

مجھے منظور ہے ۔ آیئے بھائی صاحب!"

عائشہ نے انتہائی طیش کے عالم میں کہا ۔

" کیسی تلاشی؟ کس کی تلاشی؟ کس میں ہمت ہے جو تمہاری تلاشی لے سکے۔ اس بڑھیا کا تو دماغ چل گیا ہے ۔"

لیکن جاوید نے سلمیٰ کے چہرے کا رنگ اڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا عائشہ کی سراسیمگی بھی اس سے چھپی نہ رہ سکی ۔ اسے زینب کی باتوں میں اب کچھ وزن نظر آرہا تھا ۔ اس نے کہا ۔

" واقعی یہ دیوانے پن کی باتیں ہیں ، سلمیٰ کی تلاشی سے کیا مل جائے گا لیکن چھوٹے کو گھر پہنچانے ہی کے لئے سلمیٰ نے تلاشی دینے پر آمادگی ظاہر کی ہے ، میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں اگر ہم بوا کا کہنا مان لیں البتہ اگر سلمیٰ کو یہ اعتراض ہو تو بات دوسری ہے ۔"

اب سلمیٰ کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کا معاملہ تھا ، نہ تو وہ تلاشی دینے سے انکار کر سکتی تھی ، نہ دے سکتی تھی ، رہ رہ کر دل میں یہ خیال آرہا تھا ۔ زینب نے یہ بات کیوں کی؟ کیا اسے ہماری سازش کا علم ہے؟ اگر ہے تو کس طرح؟

لیکن ان سوالوں کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آرہا تھا ، آخر اس نے اپنے دل بے قرار کو تسلی دی ، ہماری راز کی باتیں اسے کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتیں صرف اندازے اور قیاس سے کام لے کر یہ باتیں کر رہی ہے ، تلاشی کی نمائش میں کوئی مضائقہ نہیں ، اس نے عائشہ سے کہا ۔

" آپا تم نہ بولو!"

عائشہ نے بگڑتے ہوئے کہا

" کیا تو تلاشی دے گی؟"

وہ بولی ۔

" ہاں آپا مجھے چھوٹے کو گھر تک پہنچانا ہے!"

سلمیٰ نے اضافہ کیا -
" پاؤں کی خاک !"
عائشہ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا -
" بڑی آئی ہے ثبوت پیش کرنے والی آخر باتوں میں کیوں اڑا رہی ہے کوئی ثبوت ہے تو پیش کر -"
جاوید نے سگریٹ پاؤں تلے مسلسل ڈالا، پھر زینب سے کہا۔
" باتیں ضرورت سے زیادہ ہو چکیں، مجھے کام سے ابھی باہر جانا ہے اب یہ معاملہ ختم ہونا چاہیئے —"
زینب نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ -
" ابھی ختم ہوا جاتا ہے !" گھر بھر میں سب کی تلاشی لی جائے !"
جاوید نے بے اعتمادی کے ساتھ پوچھا -
" اس سے کیا ہو گا ؟"
" مال برآمد ہو جائے گا !"
" کس کی تلاشی لینا چاہتی ہو ؟"
" سب کی - اپنی، تمہاری، عائشہ کی، سلمیٰ کی، سہیل کی، سہیلہ کی امجد کی"
جاوید کو غصہ آگیا - اس نے کہا -
" یہ کیا لغویت ہے ؟ ان باتوں میں کیا رکھا ہے، کوئی ٹھوس ثبوت دو ورنہ یہ خالی خولی باتیں لا حاصل ہیں !"
زینب نے اصرار کرتے ہوئے کہا -
" اچھا سب کو چھوڑ، صرف سلمیٰ کی تلاشی لو - فوراً ٹھوس ثبوت مل جائے گا !"
یہ الفاظ سن کر سلمیٰ کا رنگ رخ بدل گیا - چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اسے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی معلوم ہونے لگی، لیکن دل کڑا کر کے اس نے کہا -

پھر وہ جاوید سے مخاطب ہوئی -

" آیئے بھائی صاحب !"

جاوید نے دبے ہوئے اشتیاق لیکن ظاہری بے پروائی کے ساتھ کہا

" تم کہتی ہو تو چلو !"

یہ مختصر سا قافلہ آن کی آن میں سلمیٰ کی اقامت گاہ پر پہنچ گیا -

سلمیٰ نے کنجیوں کا گچھا جاوید کی طرف پھینکا اور کہا -

" یہ ہیں میرے سارے بکس دیکھ لیں سب ایک ایک کھول کر !"

-:- -:- -:- -:-

(۱۱)

جاوید نے وہ گچھا پھر سلمیٰ کی طرف بڑھا دیا اور کہا ۔
کچھ دماغ خراب ہوا ہے تمہارا؟ میں ایک ایک بکس کھول کر تلاشی لوں گا تمہاری تم خود ہی یہ کام کرو ۔
عائشہ نے سلمیٰ کو ٹھوکا دیا ۔ جسے جاوید نے دیکھ لیا ۔ اور کہنے لگی ۔
" تم خود ہی کیوں نہیں دکھا دیتیں اپنے بکس!"
یہ کہہ کر عائشہ سنگار میز کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی!
سلمیٰ نے ایک ایک بکس الٹ کر ڈال دیا، سارے ریشمی اور سوتی کپڑے ڈھیر کر دیئے اور پھر زینب پر حقارت بھری ایک نظر ڈالی اور سوال کیا ۔
" کہو تسلی ہوئی ؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولی ۔
" نہیں ۔"
جاوید نے زینب سے پوچھا ۔
" پھر تمہاری تسلی کس طرح ہو گی، کیا کسی مستری کو بلوا کر یہ بکس ۔ ۔ ۔ ۔ !"
زینب نے کہا ۔
" ابھی کچھ چیزیں باقی ہیں!"
سلمیٰ نے شعلہ جوالہ بن کر پوچھا ۔
" اب کیا باقی ہے ؟"

زینب نے عائشہ سے کہا۔

"دولہن ذرا ہٹنا تو سامنے سے!"

وہ اپنی جگہ جم کر کھڑی ہوگئی، لیکن اب اس کے چہرے پر۔ اور سلمیٰ کے بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے واقعی چوری پکڑی گئی ہے، اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک کھڑی ہوں۔ کیا تم میری جامہ تلاشی لینا چاہتی ہو؟"

وہ بولی۔

"خدا نہ کرے، بس ذرا دہاں سے ہٹ جاؤ جہاں کھڑی ہو!"

عائشہ نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

"آخر کیوں؟"

زینب نے کہا۔

"چوری کا مال تمہارے پیچھے ہے اور تم اسے چھپائے کھڑی ہو!"

ایسا معلوم ہوا جیسے عائشہ کا سارا خون کسی نے سونت لیا ہے، چہرہ سفید پڑ گیا، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"چوری کا مال میرے پیچھے ہے؟ میں اسے چھپائے کھڑی ہوں؟"

زینب نے جواب دیا۔

"ہاں — یہی بات ہے!"

جاوید اب تک الگ کھڑا تھا، وہ ٹہلتا ہوا عائشہ کے قریب آیا، پھر اس نے سنگھار میز سے صندلی بکس اٹھایا اور زینب سے کہا۔

"بات تو بس یہی ہے اور تو کچھ بھی نہیں ہے!"

زینب نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"یہی ہے وہ جادو کی پٹاری جہاں سے مال برآمد ہوگا۔ کھولو اسے کھولو۔"

عائشہ نے دونوں ہاتھوں سے وہ بکس جاوید سے چھین لیا اور کہا۔

"حرامزادی تو ہمیں بہت ذلیل کر چکی، اب تیری ذلت کا وقت آیا ہے ابھی

چوٹی پکڑ کر نکالتی ہوں گھر سے!"

"وہ تو میں خود کہہ چکی ہوں۔ اس گھر کا پانی پینا اب مجھ پر حرام ہے، آج اور ابھی چلی جاؤں گی یہاں سے ہمیشہ کے لئے ۔"

سلمیٰ تڑسے بولی ۔

"تو پھر دفع کیوں نہیں ہو چکتی کسی طرح ؟"

وہ کہنے لگی ۔

" جاتی ہوں سلمیٰ بیگم ابھی جاتی ہوں ۔ لیکن یہ صندلی بکس !"

سلمیٰ نے وہ چھوٹا سا صندلی بکس عائشہ کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا۔

اب تو مجھے بھی ضد آگئی ہے ہرگز نہیں کھولوں گی اسے!"

اس لئے کہ اس میں وہ چیزیں ہیں، جس کے بارے میں جھوٹ موٹ مشہور کیا گیا تھا کہ چوری ہو گئی ہیں!" اچھا میں اس بکس کو کھلوانے پر اصرار نہیں کرتی اقرار کر لو کہ، فرخندہ بے گناہ ہے ۔ اقرار کر لو کہ تم نے اس کے خلاف سازش کی تھی، اقرار کر لو کہ جاوید کے دل سے اس کی محبت کھرچنے کے لئے تم نے یہ سوانگ رچایا تھا ۔ تم اقرار کر لو، میں اپنا اصرار واپس لئے لیتی ہوں ۔

عائشہ نے کہا ۔

" جھوٹی کہیں کی، ہم سے جھوٹے اقرار کرانا چاہتی ہے ؟"

سلمیٰ بول پڑی ۔

" جیسی یہ خود ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتی ہے ۔ بھائی صاحب میں کہتی ہوں اسے نکال دیں اس کمرے سے ورنہ میں خود ۔!"

عائشہ نے کہا ۔

"ورنہ ہم اسے دھکے دے کر نکال دیں گے اسے ۔!"

سلمیٰ جارحانہ ارادے سے آگے بڑھی اور زینب سے کہنے لگی ۔

" جاتی ہے یا نہیں ؟ ۔ خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلی جا!"

زینب نے جاوید سے کہا ۔

" آخر کو مرد آدمی ہو، دنیا دیکھے ہوئے ہو، ہر طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ تمہیں کیا سلمیٰ مددگار اور عائشہ کی زبردستی سے تم کوئی نتیجہ نہیں نکال سکے اب تک ؟"

جاوید نے بڑے ٹھنڈے اور نرم لہجہ میں سلمیٰ سے کہا۔

" اتنے بڑے بڑے بکس تم نے الٹ کر ڈال دئے اس ذرا سے صندلی بکس کے اٹھا دینے میں کیا ہرج ہے ؟ قصہ ختم کرو کسی طرح !"

سلمیٰ مچل گئی،

" ادھر دنیا ادھر ہو جائے مگر بھائی صاحب یہ بکس تو اس بڑھیا کو نہیں دیکھنے دوں گی۔ آخر اس نے مجھے سمجھا کیا ہے ؟"

زینب نے بڑی سادگی کے ساتھ کہا۔

" چور ــ "

عائشہ دھاڑی،

" چپ نمک حرام غدار ــ"

زینب نے عائشہ کو جواب نہیں دیا، جاوید سے پوچھا۔

" بیٹے کیا کہتے ہو ؟ چلی جاؤں ؟ ــ لیکن ڈرامہ نامکمل رہے گا !"

جاوید نے آگے بڑھ کر سلمیٰ کے قریب آکر کہا۔

" لاؤ بکس مجھے دو، میں خود ایک نظر ڈال لوں اور بات ختم کرو ! ان کی (زینب کی) غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی ۔ !"

سلمیٰ نے بے بسی کے ساتھ عائشہ کی طرف دیکھا اور کہا۔

" کیا آپ بھی ؟

جاوید نے جواب دیا۔

تم احمق ہو اچھی خاصی، زینب بوا نے جتنے الزامات تم پر لگائے ہیں میرے نزدیک سب غلط ہیں، مجھے ان باتوں پر ذرا بھی اعتماد نہیں، لیکن تم خود ہی انہیں کھینچ کر اس کمرے میں لائی ہو۔ تم نے خود ہی تلاشی دینے پر آمادگی ظاہر کی

تم نے خود یہ بڑے بڑے بکس کھولے تھے اور ان کی ایک ایک چیز باہر نکال کر ڈال دی تھی اور اس محنت میں پسینہ پسینہ ہوگئیں، ثابت ہوگیا تمہارے پاس کچھ نہیں ہے بس یہ ذرا سا بکس باقی ہے اسے بھی دیکھ لینے دو تاکہ میں خود — "
عائشہ نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

" نہ میں خود، نہ تم خود، نہ یہ خود، نہ وہ خود، نہ کوئی اور خود، صاف اور سہل بات یہ ہے کہ قیامت آجائے، ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔ مگر ہرگز ہرگز یہ بکس نہیں کھولا جائے گا۔"

" نہیں کھولا جائے گا۔ یہ مردار اپنی ہر بات ہم سے نہیں منوا سکتی، آخر کیوں کھولیں؟ کیا ہم اس کے دبیل ہیں ہا غلام ہیں اس کے؟ اس حرام ادی نمکحرام کے۔؟"

یہ کہہ کر عائشہ نے بکس سلمٰی کے ہاتھ سے لے لیا جاوید نے ۔!

* * *

(۱۲)

جاوید نے صندلی بکس اتنی بے تکلفی اور بے ساختگی کے ساتھ لیا کہ نہ عائشہ مزاحمت کر سکی، نہ کش مکش، جاوید نے بکس کھولا، اور اس میں سے گم شدہ چیزیں برآمد ہونا شروع ہو گئیں۔ سب سے نیچے کی تہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ وہ کنگن بھی رکھا تھا، جس نے اتنا تہلکہ مچایا تھا اور وہ پرس بھی جس میں تین ہزار کے نوٹ موجود تھے۔

جاوید نے بکس میز پر رکھ دیا اور سلمیٰ سے پوچھا۔

"کیا یہ وہی کنگن نہیں ہے؟"

پھر عائشہ سے دریافت کیا۔

"کیا یہ وہی پرس نہیں ہے جس کے لئے تم نے سارا گھر سر پہ اٹھا رکھا تھا؟"

اور اس کے بعد دونوں سے پوچھا۔

"تم نے مجھے دھوکا دیا؟ تم نے فریب کیا؟ تم نے فرخندہ کو میری نظر میں ذلیل کرنے کی کوشش کی؟ تم نے — تم نے — تم نے مجھے اتنا مشتعل کیا کہ میں نے اپنی معصوم اور یتیم بھانجی پر ہاتھ اٹھایا اور اسے مارا؟"

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگا، اس نے کہا۔

"سلمیٰ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، میرا سلوک تمہارے ساتھ ہمیشہ وہی رہا جو ایک محبت کرنے والے بھائی کا بہن کے ساتھ ہو سکتا ہے بلکہ عارفہ کے جانے کے بعد سے اس کی محبت بھی میں نے تمہاری طرف منتقل کر دی تھی، کیا

تمہاری طرف سے مجھے یہی صلہ ملنا چاہیے تھا ؟"

پھر وہ عائشہ سے مخاطب ہوا۔

"عائشہ، سچ کہو، اور ایمان سے بتاؤ، کیا میں نے کبھی دکھ دیا ؟ کیا میں نے کبھی تمہاری کوئی فرمائش رد کی ؟ کیا میں نے تمہاری نازبرداری ضرورت سے زیادہ نہیں کی ؟ کیا میں نے تمہیں سونے میں پیلا نہیں کر دیا ؟ کیا تم اس گھر میں ملکہ بن کر نہیں رہیں ؟ کیا اس گھر پر تمہیں مکمل اختیارات نہیں حاصل تھے ؟ کیا میں نے تمہیں وہ محبت نہیں دی، جو ایک محبوبہ کو دی جاتی ہے ؟ مجھے بتاؤ میں جاننا چاہتا ہوں کیا تم صرف یہی میری وفا کا میری محبت کا صلہ دے سکتی تھیں ۔ !"

یہ کہتے کہتے تن بدن سے جاوید کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے اب تک آنسو بہہ رہے تھے، اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے عارفہ کی روح کو تکلیف پہنچائی، تم فرخندہ کے جسم کو اذیت اور تکلیف کا سبب نہیں بنیں، تم نے میرے دل پر گھونسہ مارا، نہیں تم نے میرے دل میں خنجر کی نوک چبھو دی ۔ کیا تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا ؟"

جاوید پر اضطراب، برہمی، بیقراری، کلفت اور اضمحلال کی کیفیت اس وقت طاری تھی، وہ کھڑا نہ رہ سکا، کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے سگریٹ نکالا، اسے سلگایا اور لمبے لمبے کش لینے لگا، وہ اس وقت خلا میں گھور رہا تھا، اور دنیا و مافیہا سے بے خبر نظر آرہا تھا۔

سلمٰی اتنی دیر سے جواب سوچ رہی تھی ۔ اس نے بات بنانے کی کوشش کی۔ کہنے لگی ۔

"بھائی صاحب یہ ایک زبردست سازش ہے ؟"

جاوید اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے کہا ۔

"کیا کہا تم نے ؟ یہ ایک زبردست سازش ہے ؟"

وہ بولی ۔

"جی ہاں - اور یہ سازش اس بڑھیا زینب نے کی ہے!"
بات کچھ جی کو لگتی ہوئی تھی، جاوید کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے زینب سے کہا۔
"بوا سن رہی ہو؟ سلمیٰ کیا کہہ رہی ہے؟"
زینب نے جواب دیا۔
"ہاں بیٹے سن رہی ہوں، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے سلمیٰ اس وقت تنکے کا سہارا لے رہی ہے ورنہ اس کا جھوٹ اس کے چہرے سے اور میرا سچ میرے چہرے سے ظاہر ہے اور بیٹے، ذرا سازش کا پتہ چلانے والی سلمیٰ بیگم سے یہ تو پوچھو، کہ اگر میں نے بہ فرض محال سازش کی بھی تھی۔ تو میرے پاس وہ کنجی کہاں سے آگئی، جو ہمیشہ سلمیٰ بانو کے کمر بند میں بندھی رہتی ہے اور اگر آ بھی گئی تو میں ان کے کمرے میں کس طرح پہنچ گئی۔ کیا قرآن ہاتھ میں ہے کہ، اس گھر کا کوئی فرد بھی کہہ سکتا ہے کہ ان کے کمرہ میں مجھے قدم رکھتے ہوئے اس نے کبھی دیکھا ہے؟ میں تو ان کے کمرہ میں جاتی ہی نہیں، کبھی بھولے سے بھی نہیں۔ میں نے قدم نہیں رکھا، عائشہ کے کمرہ میں، بے شک چلی جاتی ہوں، لیکن صرف اسی وقت جب بلائی جاؤں!"
زینب کی باتیں بھی بالکل سچی اور دل لگتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ جاوید پھر شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس کی قوت فیصلہ عاجز نظر آ رہی تھی، دفعتہً سلمیٰ نے ایک اور نہایت پیچیدہ اور اہم سوال پیدا کر دیا۔
"اچھا بھائی صاحب مان لیا کنجی کا گچھا کبھی میرے کمر بند سے جدا نہیں ہوتا اور یہ بھی مان لیا کہ زینب میرے کمرے میں قدم نہیں رکھتی، لیکن سوال یہ ہے کہ اسے کس طرح معلوم ہوا کہ چیزیں چوری نہیں کی گئی ہیں؟ اس نے یہ کیسے جان لیا کہ چیزیں میرے کمرے میں ہیں اور میرے بکس کے اندر رکھی ہوئی ہیں؟ کیا اس کے قبضے میں جنات ہیں؟ کیا اسے الہام ہوا ہے؟ کیا یہ غائب کی باتیں جانتی ہے؟

اس نے سازش نہیں کی ہم دونوں بہنوں کے خلاف تو یہ سارے اسرار اس کے سامنے کس طرح بے نقاب ہو گئے ۔"

جاوید بڑے غور اور توجہ سے سلمیٰ کی باتیں سن رہا تھا، وہ سلسلۂ کلام جاری رکھتی ہوئی بولی ۔

"چوری اگر میں نے کی تھی تو چوری ہی تو ہوگی، اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی ہوگی، یہ چیزیں خود ہی چرا کر میں نے اپنے کمرے میں اور اپنے بکس کے اندر رکھی ہوں گی، تو ایسے وقت کو پرندہ پر نہ مار سکے، کیونکہ راز کھل جانے کی صورت میں نہ میرا کہیں ٹھکانا تھا، نہ آپا کا، پھر ہماری چوری کا اور اس چوری کو اپنے بکس میں مقفل اور محفوظ کر دینے کا کسی کو کس طرح پتہ چل سکتا تھا جب کہ زینب میرے کمرے میں کبھی نہیں آتی اور میں خود اس کی ٹوہ میں رہتی ہوں کہ فرخندہ بھی نہیں آتی، بجز اس صورت کے میں خود ہی کبھی گھڑی دو گھڑی کو اسے بلا لوں، ۔ !"

جاوید بحر تفکر میں غرق تھا اور سلمیٰ کہہ رہی تھی،

"ظاہر ہے یہ سازش ہے نہایت مکمل اور منظم سازش، بڑی احتیاط سے چوری کی گئی اور اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ یہ چیزیں میرے کمرہ میں میرے بکس کے اندر رکھ دی گئیں !"

اور وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی ۔

" اور مجھے تو اب ساری کڑیاں ملتی نظر آ رہی ہیں ۔"

جاوید چونک پڑا ۔

" کیسی کڑیاں ؟

" وہ بولی ؟ "

ابھی حال کا واقعہ ہے، آپا، سہیل، سب سینما دیکھنے گئے، میں نے فرخندہ سے کہا ۔

" تم چلو، ذرا سیر کرا لائیں تمہیں !"

لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا، کہنے لگی -

" خالہ جان میرا سر تو درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے !"

میں نے کہا -

" تو پھر میں بھی نہیں جاتی !"

یہ میرے پیچھے پڑ گئی کہنے لگی

خالہ جان آپ کو میری جان کی قسم ہے ضرور جایئے، درد کا کیا ہے تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جائے گا -

ہم لوگ سینما چلے گئے، جب واپس آئے تو ایک عجیب تماشا نظر آیا

جاوید نے پوچھا

" کیسا تماشہ ؟"

وہ کہنے لگی -

یا تو فرخندہ کا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا تھا، یا کیا دیکھتی ہوں کہ فرخندہ بیگم نہایت اطمینان سے اس بڑھیا کی پلنگڑی پر اس کے پاس بیٹھی ہوئی ہنس ہنس کر مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہی ہیں، میں چونکی تو اسی وقت کہ یا اللہ یہ کیسا سر پھاڑنے والا تھا درد - جو اتنی جلدی غائب ہو گیا - لیکن میں نے ٹوکنا مناسب نہیں خیال کیا - البتہ اسے وہاں سے اٹھایا اور اکیلے میں سمجھایا کہ اس عورت سے زیادہ ربط ضبط میں پسند نہیں کرتی - کیونکہ سچ پوچھئے تو یہ مجھے ہمیشہ ہی سے بس کی پڑیا نظر آتی ہے - "

پھر وہ فرخندہ سے مخاطب ہوئی -

" کیوں کیا میں نے تمہیں منع کیا تھا اس بڑھیا سے ربط ضبط بڑھانے سے ؟"

فرخندہ نے بہت مختصر سا جواب دیا -

" منع کیا تھا - !"

جاوید اس وقت عجیب گومگو کے عالم میں تھا، کبھی اسے سلمیٰ کی باتوں میں وزن نظر آنے لگتا تھا، کبھی زینب کی باتوں میں، لیکن اب، "یہ کٹریاں" ملا کر جو سلمیٰ نے داستان سنائی تو ایک مرتبہ پھر وہ بے قصور وار نظر آنے لگی، اتنے میں

عائشہ جواب تک خاموش تھی، آنسو بہاتی اور دوپٹے سے انہیں پونچھتی ہوئی بول اٹھی۔ یہ عورت تو صرف یہ چاہتی ہے کہ مجھے غارت کر دے، میرے بچوں کو فناہ کر دے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فرخندہ کو دلوا دے، میرے بچے بھیک مانگیں اور فرخندہ ہر چیز کی مالک بن جائے!"

سلمٰی نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم میں سے کون فرخندہ کا مخالف ہے؟ کون اسے دکھ دیتا ہے کس کی یہ خواہش ہے کہ وہ آرام کی زندگی بسر نہ کرے؟"

عائشہ نے جواب دیا۔

"لیکن ہم لوگ تو چور ہیں، سازشی ہیں، ہماری باتوں پر اعتبار کیسے آئے گا!"

سلمٰی نے ایک عارف باللہ کی طرح کہا۔

"یہ کہو آپا۔ اللہ میاں سب کچھ دیکھتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے، خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے، دیکھ لو! اس نمک حرام عورت نے کیسی بھیانک اور ہولناک سازش ہم دونوں کے خلاف کی تھی، اگر کامیاب ہو جاتی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم بھی بھائی صاحب کی جاتیں اور میں بھی ذلیل ہو جاتی، لیکن..."

عائشہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا!"

سلمٰی نے گرہ لگائی۔

"اور یہ نمک حرام عورت ذلیل ہوئی، اس کا پول کھل گیا۔!"

عائشہ نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

"اب تو یہ عورت کسی طرح اس گھر میں نہیں رہ سکتی، جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اسی طرح اس گھر میں اب عائشہ اور زینب نہیں رہ سکتیں، دو میں سے کوئی ایک ہی رہے گا۔!"

سلمٰی مسکراتی ہوئی بولی۔

"بتایئے بھائی صاحب اس میدان میں کون سی تلوار رہے گی؟"

جاوید حد درجہ متفکر، پریشان اور برہم تھا۔ لیکن سلمیٰ کے اس سوال پہ ذرا کے ذرا اس کے ہونٹ پہ تبسّم کھیلنے لگا۔

اب فضا زینب کے خلاف تھی۔

لیکن زینب کے اطمینان میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اس کھلاڑی کی طرح مطمئن تھی، جس کے ہاتھ میں ترپ کا پتہ ہوتا ہے اور اسے اپنی جیت کا یقین کامل ہوتا ہے۔

جاوید نے زینب سے سوال کیا

"اب کیا کہتی ہو؟" کیا ان باتوں کا تمہارے پاس کوئی جواب ہے؟"

وہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ گویا ہوئی۔

"کیوں نہیں ہے؟"

اس اطمینان اور اس جواب پہ جاوید کو حیرت ہوئی وہ چونک پڑا۔ اس نے کسی قدر تلخی کے ساتھ کہا۔

"تو کہاں ہے وہ جواب؟ اب تک کیوں خاموش تھیں؟"

وہ بولی۔

"میں چاہتی ہوں جو کچھ اور جتنا کچھ یہ دونوں بہنیں کہنا چاہتی ہیں، کہہ لیں کوئی بات باقی نہ رہ جائے، پھر اُن کڑیوں کو ایک ایک کر کے الگ پھینک دوں گی جن کے سہارے یہ داستان گھڑی گئی ہے۔"

جاوید نے اشتیاق اور اضطراب کے ساتھ پوچھا۔

"پھر انتظار کاہے کا؟"

زینب نے کہا۔

آؤ میرے ساتھ اپنے کمرے میں چلو!"

جاوید اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ —"

سلمیٰ اور عائشہ ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگیں، لیکن کسی کی سمجھ میں نہ آیا — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟"

---

(۱۳)

جاوید آیا اور ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ سگریٹ سلگایا اور لمبے لمبے کش لینے لگا۔ پھر زینب سے کہا۔

"ہاں بھئی ۔"

زینب نے دروازے سے باہر جھانکا۔

فرخندہ اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی، عائشہ سلمیٰ کے کمرے سے ابھی باہر نہیں نکلی تھی، شاید دونوں میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں، سہیلہ اور سہیل ایک ساتھ باہر نکلے اور اپنے اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے مڑے، زینب نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"بیٹے ذرا ادھر آنا تمہارے باپ بلا رہے ہیں!"

سہیل زینب کی طرف بڑھا۔ سہیلہ وہیں ٹھٹک کر رہ گئی۔

زینب نے اس سے کہا۔

"بیٹی ذرا فرخندہ کو بھی بھیج دینا ادھر — جاوید نے بلایا ہے۔"

وہ خاموشی سے کچھ دیر تک زینب اور سہیل کو جاتے دیکھتی رہی، سہیل جاوید کے کمرے کے قریب پہنچا تو جاوید نے زینب سے پوچھا۔

"کسے بلا رہی ہو۔؟"

وہ بولی۔

"دیکھتے جاؤ۔!"

اتنے میں سہیل اندر آگیا، جاوید نے پوچھا۔

"تم کیوں آئے ہو؟"

زینب نے کہا۔

"میں نے بلایا ہے۔"

جاوید نے پوچھا۔

"کیوں —؟"

وہ بولی۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا بیٹے!"

یہ کہہ کر زینب نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، جاوید حیرت سے اس کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ زینب نے سہیل سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹے!"

سامنے پڑی ہوئی کرسیوں پر وہ بیٹھ گیا۔

جاوید خاموش تھا، لیکن اس کی حیرت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی، زینب نے سہیل سے پوچھا۔

"بیٹے (جاوید کی طرف اشارہ کر کے) یہ تمہارا باپ ہے، اگر تم سے کوئی بات پوچھے تو بتاؤ گے۔؟"

وہ بولا۔

"کیوں نہیں بتاؤں گا!"

زینب نے ایک شرط اور عائد کر دی۔

"سچ سچ؟"

وہ بولا۔

"ہاں بالکل سچ سچ، جھوٹ کیوں بولنے لگا!"

زینب نے اس کی پیٹھ تھپکی

" شاباش میرے بچے !"

جاوید کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ زینب کا منشا کیا ہے، لیکن وہ مداخلت کرنا بھی نہیں چاہتا تھا، خاموشی سے یہ باتیں سن رہا تھا۔

زینب بھی پاس ہی کرسی پر بیٹھ گئی، اور پیار بھرے لہجہ میں کہنے لگی۔

اچھا اب سچ سچ بتادو آج کئی دن ہوئے، تم سہیلہ سے کیا باتیں کر رہے تھے؟"

سہیل کا منہ فق ہوگیا۔ وہ سمجھ گیا، اس سوال کا قصہ کیا ہے، لیکن انجان بن کر پوچھا۔

" کیا باتیں کر رہا تھا؟"

زینب، کیا تم نے سہیلہ کو نہیں بتایا تھا کہ خالہ جان (سلمیٰ) اور عائشہ نے کیا اسکیم بنائی ہے فرخندہ کو اس گھر سے نکالنے کی؟

سہیل: اسکیم کیسی؟

زینب: مختلف چیزیں چوری کرنے اور پھر سلمیٰ کے کمرے میں صندلی بکس کے اندر رکھ کر ہنگامہ آرائی کرنے کی؟

سہیل: (سراسیمہ ہوکر) تم سے کس نے کہا۔

زینب: (کاسے چورنے) تم اپنی کہو۔

سہیل: مجھے یاد نہیں۔

زینب: تم بڑے ذہین بچے ہو، تم جھوٹ نہیں بولتے، تمہارا حافظہ بہت اچھا ہے۔ بتاؤ۔

سہیل: غصہ میں) میں نہیں جانتا۔

زینب: تم سب کچھ جانتے ہو، لیکن بتاتے ڈرتے ہو، سچ بتادو گے، تو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔!"

سہیل: کیا تم نے یہ باتیں پوچھنے کے لئے بلایا تھا؟

زینب: ہاں۔

سہیل: میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔
زینب: یاد کرو، شام کا وقت، بڑے درخت کے نیچے تم اور سہیلہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
سہیل: ہاں کر رہا تھا۔
زینب: اور سوچ رہے تھے کہ فرخندہ سے کس طرح چھٹکارا حاصل کیا جائے کیونکر اسے گھر سے نکالا جائے؟
سہیل: مجھے فرخندہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔
زینب: اس حد تک تو دلچسپی ہے کہ وہ گھر سے نکال دی جائے؟
سہیل: نکالی جائے یا نہ نکالی جائے، مجھے کیا؟
زینب: بیٹے تم جھوٹ بول کر بہت بڑا جرم کر رہے ہو۔
سہیل: لیکن جھوٹ تو تم بول رہی ہو۔
زینب: ایک دفعہ پھر سوچ لو میرے بچے۔
سہیل: تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں۔
زینب: خفا ہوں گئے۔ میں تو ایک معمولی سی بات پوچھ رہی تھی۔
سہیل: جو میں جانتا بتا دیا۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں معلوم
زینب: ماشاء اللہ جوان ہو، تم پہ کوئی جبر تو نہیں کر سکتا، اگر تمہیں بتانے سے انکار ہے تو میں بھی اصرار نہیں کرتی، تم جانو تمہارا کام۔
سہیل: تو اب میں جا سکتا ہوں؟
زینب: ہاں بیٹے شوق سے جاؤ۔
اتنے میں دستک کی آواز آئی۔
زینب اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازہ کھولا اور وہیں کھڑے کھڑے وہیں سے مخاطب ہوئی، جواب تک چہ کنم کے عالم میں اپنی جگہ بیٹھا تھا۔
" تمہاری امی بلا رہی ہیں بیٹے!"
سہیل فوراً اٹھ کھڑا ہوا، دروازے پر فرخندہ کو اور اس کے ساتھ سہیلہ

کو دیکھ کر حیران رہ گیا، جاتے جاتے رک کر اس نے کہا۔

"سہیلہ تم کیوں آئی ہو یہاں ؟

" ابو نے بلایا ہے ؟ مجھے اور فرخندہ کو!"

سہیل نے گھور کر نفرت بھری نگاہوں سے زینب کو دیکھا اور کچھ کہے سُنے بغیر تیز تیز قدم رکھتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

سہیل کے جانے کے بعد زینب نے فرخندہ اور سہیلہ سے کہا۔

" آجاؤ — اندر آجاؤ!"

دونوں اندر آگئیں، جاوید کا جام صبر چھلکنے کے قریب تھا، اس نے کچھ کہنا چاہا نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہوگیا۔

زینب نے بڑے چاؤ پیار سے دونوں کو بٹھایا، پھر سہیلہ کے سر پہ ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی ۔

" ہماری بیٹی کبھی جھوٹ نہیں بولتی!"

سہیلہ نے حیرت بھری نظروں سے زینب کو دیکھا لیکن کچھ کہہ نہ سکی۔

زینب نے کہا۔

" بیٹی، مجھے تو یقین نہیں آتا اور جاوید کو بھی یقین نہیں ہے لیکن ابھی ابھی سہیل کچھ عجیب سی باتیں بتا کر گیا!"

سہیلہ چونک پڑی، اس نے پوچھا

کون سی باتیں بوا —؟"

زینب نے وہ ساری باتیں دوہرا دیں، جو فرخندہ سے سُنی تھیں، پھر کہا

سہیل نے جو کچھ کہا وہ غلط تو نہیں ہو سکتا، لیکن میرا اور جاوید کا یہ ماننے کو جی نہیں چاہتا کہ تم نے اسے یہ مشورہ دیا تھا کہ سلمیٰ اور عائشہ کو فرخندہ کے خلاف اکسا کر ایسا پروگرام بنائے کہ فرخندہ کھڑے کھڑے اس گھر سے چلتی کر دی جائے، مانا تم فرخندہ کو پسند نہیں کرتیں، لیکن کوئی سازشی اسکیم بنا سکتی ہو یہ کیسے یقین کر لوں ؟

سہیلہ نے برہمی کے ساتھ کہا۔
ہاں بے شک میں فرخندہ کو ناپسند کرتی ہوں، میں تو صرف ناپسند کرتی ہوں گھر بھر اس سے نفرت کرتا ہے، اور سب سے زیادہ بھیا، یہ اسکیم انہی نے بنائی تھی، انہی نے اس کی مجھے خبر دی تھی، میں صرف سننے کی گناہگار ہوں اس سلسلے میں کچھ میں نے کہا یہ غلط ہے!"

زینب نے کہا۔
" ہاں مجھے یقین ہے قطعی یقین ہے!"
اتنے میں سہیل نے دروازے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی!
سہیلہ تمہیں امی بلا رہی ہیں چلو!
" زینب نے کہا" جاؤ بیٹی جاؤ۔"

*** *** ***

نیرنگی تقدیر

بھلا گردش زمانے کی کسے دیتی ہے چین انشاء

(۱)

سہیلہ کے جانے کے بعد جاوید نے فرخندہ سے بڑے دکھ بھرے لہجہ میں کہا۔

" بیٹی کیا تو اپنے گناہگار لیکن محبت کرنے والے ماموں کو معاف کردے گی؟"

فرخندہ کا گلا رندھ گیا۔ اس نے کہا۔

" آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کیا ایسا غضب بھی ہو سکتا کہ آپ غلطی کریں اور میں معاف کردوں؟"

جاوید نے پہلے سے زیادہ اثر انگیز لہجے میں کہا۔

" بیٹی اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا، تو میں اپنے ہاتھ کسی مشین میں ڈال دوں گا تاکہ کٹ جائیں۔"

" ماموں جان، ماموں جان —!"

میں غلط نہیں کہتا، میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے، اگر تو نے معاف نہیں کیا، تو میں یہی کروں گا!"

" ماموں جان! لیکن آپ نے غلطی کون سی کی؟ آپ کے سامنے جو واقعات بیان کیٔے گئے ان کی روشنی میں آپ کو میرے بارے میں وہی رائے قائم کرنی چاہیئے تھی اور چونکہ آپ میرے سرپرست ہیں، لہذا سزا دینے کا بھی آپ

کو پورا حق تھا۔ البتہ مجھے اس کی خوشی ہے کہ آپ پر میری بے گناہی واضح ہو گئی یہ میرا سب سے بڑا انعام ہے۔"

جاوید نے اسے گلے لگایا اور رونے لگا۔ اس نے کہا۔

" میں نے تجھے مار کر اپنے آپ کو عارفہ کی نگاہوں میں ذلیل کر لیا ہے تو خود جانتی ہے وہ مجھے کتنا چاہتی تھی میری تصویر تک کو کتنا چاہتی تھی۔ میرے ہی لئے اس نے تجھ تک کو جسے دنیا میں وہ سب سے زیادہ پیار کرتی تھی، ایک دفعہ مارا تھا۔ بھلا میں کیونکر اس کی نگاہ میں اپنی سبکی گوارا کروں ؟ جب تک تو مجھے معاف نہیں کر دے گی، اس وقت تک میرے دل کو قرار نہیں آئے گا۔ اس وقت تک میں اپنے آپ کو آپ کو مجرم سمجھتا رہوں گا!"

آپ اگر کہتے ہیں تو جائیے معاف کیا۔

جاوید نے اسے پھر گلے لگایا، اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

" بیٹی! تو نے مجھے نئی زندگی دے دی، میں تیرا بہت ممنون ہوں، جب تک زندہ ہوں، احسان مند رہوں گا۔!"

فرخندہ نے کچھ لجاتے ہوئے کہا۔

" ان باتوں سے میں شرمندگی محسوس کرتی ہوں ماموں جان، میں آپ کی اولاد کی طرح ہوں۔!"

جاوید کو جلال آ گیا، اس نے کڑک کر کہا۔

" اولاد کی طرح نہیں، اولاد۔ تیرے سوا میرا کوئی اولاد نہیں ہے کوئی رشتے دار نہیں کوئی عزیز نہیں ہے۔ میں نے سب سے ناطہ توڑا جو لوگ میری یتیم، و بیبسر بھانجی کے دشمن ہیں، وہ عارفہ کے دشمن ہیں اور عارفہ کا دشمن، میرا دوست نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا، میرا اس سے کسی طرح کا تعلق نہیں رہ سکتا۔!"

(۲)

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دفعتہ دروازہ کھلا اور عائشہ بیگم قہر و جلال بنی کمرے میں داخل ہوئی، اس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے آتے ہی زینب کو جو اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی، ایک دھکا دیا وہ لڑھک کر گری لیکن زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ یہ منظر دیکھ کر جاوید چیخا۔

"عائشہ — !"

عائشہ نے بپھرے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"سن رہی ہوں۔"

جاوید نے تلخی کے ساتھ کہا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟"

وہ بولی۔

"وہی جو تم نے دیکھا۔"

جاوید نے اور زیادہ تلخ و درشت انداز میں کہا۔

لیکن میں اسے گوارا نہیں کر سکتا، تم ایک بوڑھی عورت کے ساتھ جس کا میں ماں کی طرح احترام کرتا ہوں، اس طرح کا سلوک نہیں کر سکتیں!"

عائشہ نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔

"اچھا نہیں کروں گی۔ لیکن میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ سہیل کو یہاں کیوں

تھا؟ اور اب سہیلہ یہاں کیوں نظر آ رہی ہے؟"

جاوید - کچھ پوچھ گچھ کرنے کے لئے۔

عائشہ: کیا یہ پولیس کا دفتر ہے! کون سا جرم کیا تھا، سہیل نے یا سہیلہ نے؟

جاوید: کیا سہیل نے تمہیں نہیں بتایا؟

عائشہ: کیا وہ سچ کہتا ہے؟

جاوید: کم از کم اس نے تم سے جو کہا ہے وہ سچ ہی ہے!"

عائشہ: اور سہیلہ یہاں کیوں طلب کی گئی ہے۔ اس نے کیا کہا؛ کیا اس نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے۔!"

جاوید: کم از کم اس نے یہاں جو کچھ کہا ہے، وہ سچ ہی ہے!

عائشہ: کیا کہا ہے؟ آخر میں بھی سنوں؟

جاوید: وہ سب کچھ جو تمہیں معلوم ہے۔

عائشہ: (سہیلہ) منہ میں گھنگھنیاں ڈالے کیوں بیٹھی ہے، بتاتی کیوں نہیں؟

سہیلہ: بھیا (سہیل) نے جو باتیں مجھ سے پیڑ کے نیچے کی تھیں، وہ یہاں آکر میرے ذمے لگا دیں۔!

عائشہ: (ہنستے ہوئے) پیڑ کے نیچے؟

سہیلہ: جی ہاں!

عائشہ: تو وہ جھوٹ سچ باتیں نمک مرچ لگا کر تو نے یہاں اس مکارہ (زینب) کے فریب میں آکر اگل دیں؟ - میں پوچھتی ہوں کیا تو نے مجھے اور سلمیٰ کو فرخندہ کے بارے میں کچھ سازشی قسم کی باتیں کرتے سنا تھا؟

سہیلہ: جی نہیں۔

عائشہ: پھر تو نے سب کچھ کیوں کہہ دیا، جو زینب نے تجھ سے کہلوانا چاہا؟

سہیلہ: میں نے تو صرف وہ باتیں کہیں جو پیڑ کے نیچے بھیا نے مجھ سے کہی تھیں اور آپ کے اور خالہ جان (سلمیٰ) کے منہ سے سنی تھیں۔

عائشہ: (ایک دو ہتڑ مار کر) وہ بھی جعلیا تو بھی جھوٹی۔
جاوید نے اب تک ماں بیٹی کی باتوں میں مداخلت نہیں کی تھی۔ لیکن اب خاموش نہ رہ سکا، اس نے کہا۔
عائشہ بہت کچھ ہو چکا، اب ضبط اور صبر میرے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے۔
• عائشہ چمک کر بولی۔
اے ہے کیا کیا ہے میں نے یا سلمیٰ نے؟
جاوید سنجیدگی کے ساتھ بولا،
"باتیں بنانے سے کیا حاصل۔ اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو چکا ہے۔ بیٹھو مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں!"

٭٭٭

(۳)

عائشہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئی، جاوید نے فرخندہ اور سہیلہ سے کہا۔
بیٹے تم جاؤ۔
فرخندہ اور سہیلہ چلی گئیں، زینب بھی جانے لگی، لیکن جاوید نے اسے روکا۔" بوا تم یہیں بیٹھو اس گفتگو کے وقت تمہاری موجودگی ضروری ہے!"
زینب پلٹ آئی، جاوید نے عائشہ سے کہا۔
" جو کچھ ہوا ہے۔ اس کا مجھے بے حد صدمہ ہے، حقیقت پر لاکھ پردہ ڈالا جائے۔ مگر وہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتی ہے!"
عائشہ نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر جاوید نے روک دیا۔
" اس گفتگو کی شرط یہ ہے کہ جب تک میں اپنی نہ کہہ لوں گا تم بالکل ہی خاموش رہو، میں کہہ چکا پھر بے شک تمہیں اختیار ہے جتنی دیر تک چاہو بولتی رہو!"
وہ کہنے لگی۔
مجھے بک بک کا کچھ زیادہ شوق نہیں ہے، تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہو!"
جاوید نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔
میں تم پر کوئی جرم عائد نہیں کرنا چاہتا، لیکن اس حقیقت سے اب انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا، تم نے فرخندہ کے خلاف سازش کی، تم عارفہ سے بھی جلتی تھیں، تم نے اس گھر کی سب سے بڑی اور بڑی

ہستی (زینب) کی توہین اور تذلیل کی - ان سب باتوں نے میرا دل داغدار کر دیا ہے، میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے، میں باور نہیں کر سکتا کہ تم اتنی زیادہ پست حرکتیں بھی کر سکتی ہو، نہ آنکھوں کو جھٹلا سکتا ہوں نہ کانوں کو!"

عائشہ نے پھر کچھ کہنا چاہا، لیکن کہہ نہ سکی، جاوید نے بدستور گفتگو کرتے ہوئے کہا -

" میں تمہاری مجبوریاں بھی سمجھتا ہوں، سب سے بڑی تمہاری مجبوری یہ ہے کہ جس طرح عارفہ سے نفرت کرنے پر مجبور تھیں، اس طرح فرخندہ سے بھی نفرت کرنے پر مجبور رہو، محبت کسی کے دل میں زبردستی نہیں ڈالی جا سکتی، تم کو اگر فرخندہ سے نفرت تھی، تو مجھ سے صاف صاف کہہ دیتیں، میں اسے گھر میں نہ رکھتا اور کہیں بند وبست کر دیتا، جس طرح میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا کہ فرخندہ سے محبت کرو - اس طرح تم مجھے مجبور نہیں کر سکتیں کہ میں اس سے نفرت کروں، سازش اور فریب کے بجائے اگر تم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا تو شاید مجھے تم سے کوئی شکایت نہ ہوتی اور معاملات خوش اسلوبی کے ساتھ طے پا جاتے، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا - تم نے فریب اور سازش کا راستہ پسند کیا، اس کا مجھے صدمہ ہے اور زندگی بھر رہے گا!"

جاوید نے ایک نیا سگریٹ سلگایا اور دو چار لمبے لمبے کش لے کر پھر اس سے مخاطب ہوا -

یہ حرکت اگر کسی اور نے کی ہوتی تو میں اس کا خون پی لیتا، اس کا گلا گھونٹ دیتا، اس کی جان لے لیتا، لیکن یہ جرم تم سے سرزد ہوا ہے اور تمہارے ساتھ میں یہ سلوک نہیں کر سکتا!

" کیوں نہیں کر سکتا؟"

تم میں پوچھنے کی ہمت نہیں ہے لیکن میں بتاتا ہوں -!" اس لئے نہیں کر سکتا کہ جس طرح مجھے یقین ہے کہ تم فرخندہ سے نفرت کرتی ہو، اسی طرح مجھے اس کا یقین بھی ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور میں ان

لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی کی محبت ٹھکرا دینے کی ہمت رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔

تم میری اولاد کی ماں ہو، تم نے میرے بچوں کو جنم دیا ہے، تم نے میرے خاندان کو تر و تازہ رکھا ہے اس اولاد سے جو تم نے جنم دی ہے میرا نام رہے گا۔ میرے خاندان کا نام زندہ رہے گا۔ یہ تمہاری سب سے بڑی سفارش ہے جو بار بار میرے سامنے آتی ہے اور جسے میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے ایک اور شکایت بھی ہے تم سے!

تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ فرخندہ سے نفرت کی تم نے میری اور اپنی اولاد کے دل میں بھی نفرت بھر دی، بے ساختہ عائشہ کے منہ سے نکلا۔

"غلط ۔۔"

"غلط کیسے؟ سہیلہ ابھی ابھی یہاں اس حقیقت کا اعتراف کر کے گئی ہے اور سہیل نے جتنی دیر باتیں کیں، اُن کے ایک ایک لفظ سے نفرت برس رہی تھی،

"عائشہ سن رہی ہو؟"

وہ بولی!

"ہاں سن رہی ہوں؟"

جاوید نے کہا۔

"اس سے بڑا ظلم میرے اوپر کوئی نہیں ہو سکتا، کہ میری اولاد اپنی پھپھی کی، لاوارث اور بے سہارا انسان سے نفرت کرے، لیکن اولاد باپ سے کم سیکھتی ہے، ماں سے زیادہ اس نے تم سے سیکھا اور یہی سیکھا کہ فرخندہ سے زیادہ سے زیادہ نفرت کرے، کاش تم نے نفرت، صرف اپنی ذات ہی تک محدود رکھی ہوتی، ہماری اولاد کو اس میں نہ گھسیٹا ہوتا!"

یہ کہتے کہتے جاوید کی آنکھیں بھر آئیں، اس نے جیب سے رومال نکالا آنسو پونچھے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس ظلم عظیم کے باوجود جو تم نے فرخندہ پر اور مجھ پر کیا ہے، میں تمہیں معاف کرنے پر مجبور ہوں اس لئے کہ تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ اپنی اولاد کو نہیں چھوڑ سکتا ہاں تمہیں اور اپنی اولاد کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن عائشہ سن لو، بوا اور فرخندہ کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ ممکن ہے تم مجھ سے نفرت کرنے لگو ممکن ہے تم سہیل اور سہیلہ کو مجھ سے نفرت کرنا سکھا دو، لیکن جس طرح میں نے پہلا ظلم تمہارا برداشت کیا ہے یہ دوسرا ظلم بھی برداشت کر لوں گا، مگر اپنی روش نہیں بدل سکتا۔

جاوید باتیں کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا سلمیٰ نے جو کچھ کیا اس کا بھی مجھے سخت صدمہ ہے، جی چاہتا ہے اسے اس گھر سے نکال دوں، زندگی بھر اس کی صورت نہ دیکھوں، تم نے فرخندہ کے ساتھ جو کچھ کیا، بہت بڑا کیا، لیکن اس نے جو کچھ کیا اس کی برائی کرنے کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے، وہ تم سے زیادہ عقلمند ہے اسے چاہیے تھا کہ تمہیں سمجھاتی اور تمہاری نفرت کو کم کرنے کی کوشش کرتی۔ لیکن وہ تم سے بھی آگے بڑھ گئی نفرت کرنے میں، اتنی زیادہ بڑھ گئی کہ اس نے تمہیں آلہ کار بنا لیا۔ اور تم چونکہ ضرورت سے زیادہ عقلمند ہو اس لئے بن گئیں، بہر حال اس نے جو کچھ کیا، بڑا کیا بہت بڑا کیا۔

بڑی دیر سے سوچ رہا ہوں اس کے ساتھ کیا رویہ اختیار کروں؟

جب کوئی سخت قدم اٹھانے کا فیصلہ کرتا ہوں تم سامنے آجاتی ہو تم نے اس طویل مدت میں مجھ سے محبت کی ہے، جس طرح میری خدمت کی ہے، جیسے میرے گھر کو سنبھالا ہے، میرے بچوں کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مصیبت کے دنوں میں بھی جس طرح میرا ساتھ دیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دراصل تصور میں جب تمہاری صورت سامنے آکر کھڑی ہوتی ہے۔ میں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

اس کے ساتھ بھی کوئی سخت رویہ نہیں اختیار کر سکتا!

انتہائی خفگی، برہمی، بیزاری اور اشتعال کے موقعہ پر بھی، میں کسی کے ساتھ ناانصافی کرنا نہیں چاہتا۔ نہ کہ تمہارے ساتھ۔

تمہاری وجہ سے میں نے سلمیٰ کو بھی معاف کیا۔
لیکن عائشہ میری ایک بات غور سے سنو، کیا سُن لوگی؟
عائشہ کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑی، اس نے منظر بھر کر جاوید کو دیکھا اور بڑے نرم لہجہ میں گویا ہوئی۔
"ہاں سن رہی ہوں۔"
جاوید نے کہا۔
تم کو اور سلمیٰ کو بلکہ سہیل اور سہیلہ کو بھی خدا سے ڈرنا چاہیے۔
عائشہ چونک پڑی اور سوالیہ نظروں سے جاوید کی طرف دیکھنے لگی۔
جاوید نے ایک مرتبہ چھت کی طرف، پھر عائشہ کی طرف دیکھا اور کہا۔
" خدا، خدا ہے، وہ جاوید نہیں ہے۔ جاوید ظلم کو معاف کر سکتا ہے لیکن خدا نہیں معاف کر سکتا۔ اس کے اپنے قانون ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"
عائشہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جاوید کو دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا خدا نے ہر فعل کا نتیجہ رکھا ہے وہ ضرور ظاہر ہوتا ہے اس میں کسی کے ساتھ رعایت نہیں ہوتی، آگ کا کام جلانا ہے اس میں تم جیسی دار عورت ہاتھ ڈال دے تو بھی جلے گا اور کوئی چھ مہینے کا معصوم بچہ ہاتھ ڈالے جو آگ کے عمل کو نہیں جانتا۔ وہ بھی جلے گا، زہر کا کام ہلاک کرنا ہے میں کھالوں تو میں بھی مروں گا اور کوئی خدا رسیدہ شخص کھالے تب بھی نہیں بچے گا۔ ہرگز نہیں بچے گا۔
ذرا دیر کے لئے جاوید خاموش ہو گیا، اس نے کہا۔
" ظلم خدا کے لئے چیلنج ہے اور اللہ میاں کو اگر چیلنج دیا جائے تو وہ ضرور قبول کر لیتے ہیں، بے شک ان کی لاٹھی بے آواز ہے، بے شک ان کے ہاں دیر ہے، لیکن اندھیر نہیں، جس طرح رحم پھل دیتا ہے۔ اس طرح ظلم بھی پھل لاتا

ہے، تم ظلم کر چکی ہو، میں نے اُسے معاف کردیا، لیکن مجھے معاف کرنے کا حق نہیں تھا۔ وہ صرف فرخندہ ہی معاف کر سکتی ہے اور تمہاری آن شاید اس کی اجازت نہیں دے گی کہ اس سے معافی مانگو۔

یاد رکھو عائشہ، اگر فرخندہ نے تمہیں معاف نہ کیا، تو تم خدا کے انتقام سے کسی طرح نہیں بچ سکتیں، میرے انتقام سے تم بچ گئیں، لیکن کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت بھی ہے جو خدائی انتقام سے کسی کو بچالے؟

نہیں۔ ایسی کوئی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر تم فرخندہ کے زخم دل پر مرہم نہیں رکھتیں، اس سے معافی نہیں مانگیتں تو تیار رہو کہ خدا تم سے انتقام لے اور وہ انتقام بڑا خوفناک ہوگا۔

عائشہ پر رعشہ سا طاری ہوگیا۔

جاوید نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

ایک بات اور ذہن میں رکھو، خدا کا انتقام کبھی بالواسطہ ہوتا ہے کبھی بلاواسطہ!"

عائشہ متحیر نظروں سے اُسے دیکھنے لگی، شاید سمجھ نہیں سکی، وہ کیا کہنا چاہتا جاوید نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی۔

شاید تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔

عائشہ نے اقرار کیا۔

"ہاں نہیں سمجھی!"

جاوید نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

کبھی تو خدا اس شخص سے انتقام لیتا ہے، جس نے ظلم کیا ہوتا ہے اسے بیمار ڈال دیا، اسے ذلیل کردیا مخلوق کے سامنے اسے امیر سے غریب بنادیا

عائشہ بڑے موڈ اور توجہ سے جاوید کی باتیں سن رہی تھی، وہ کہہ رہا تھا

"انتقام کی یہ قسم زیادہ ہولناک نہیں ہے!"

، اتنا کہہ کر جاوید لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوگیا، جیسے سوچ رہا ہے جو

کچھ کہنا چاہتا ہے کہے یا نہ کہے ؟
آخر اس ذہنی کشمکش پر اس نے قابو حاصل کیا اور کہا ۔
ہولناک انتقام ہوتا ہے ، جو بالواسطہ ہوتا ہے یعنی اس میں ظلم کرنے والے کا کچھ نہیں بگڑتا ، لیکن جنہیں وہ چاہتا ہے ۔ جنہیں وہ جان و جگر سمجھتا ہے ، جن کے لئے زندگی کی قربانی دے سکتا ہے ، وہ نشانہ بن جاتے ہیں ظالم بھلا چنگا رہتا ہے لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی محبوب لڑکی مر جاتی ہے ۔ دلارا لڑکا زمین سے آسمان پر بلا لیا جاتا ہے ، مرد ہے تو اس کی چہیتی بیوی کو موت آ جاتی ہے ، عورت ہے تو اس کا محبوب شوہر — !"
عائشہ بے تابی کے ساتھ اٹھی ، اس نے جاوید کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔

٭ ٭ ٭

قدرت کے کھیل

(۱)

بعض دفعہ آدمی کے منہ سے الہامی الفاظ نکلتے ہیں، وہ روانی سخن میں کچھ باتیں کہہ جاتا ہے اور خود بھی نہیں جانتا ان الفاظ کا اثر کیا ہوگا، لیکن جو کچھ کہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

قدرت کے انتقام کے بارے میں جاوید نے عائشہ سے جو کچھ کہا تھا یہ سمجھ کر نہیں کہا تھا کہ قدرت اپنے انتقام کا واسطہ اسی کو بنائے گی لیکن ہوا اسی طرح، عائشہ نے اسے یقین دلا دیا کہ اب فرخندہ کے ساتھ ہرگز بدسلوکی نہیں ہوگی،

اور جاوید نے اس کی بات کا اعتبار بھی کر لیا۔ اب اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا، اس نے عائشہ سے کہا۔

تم خواہ مخواہ فرخندہ سے خائف ہو۔ وہ تمہارا کیا لے گی؟ میں تمہارا ہوں۔ یہ گھر تمہارا ہے میرا سارا کاروبار، جائداد و املاک، ہر چیز تمہاری ہے اور تمہارا ہی رہے گی، اسے تو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا ہاتھ اٹھا کر میں اسے دے دوں گا۔

ماشاء اللہ اللہ اب جوان ہے، کسی اچھے اور شریف لڑکے کی تلاش میں ہوں، شادی کر دوں گا۔ وہ اپنے گھر چلی جائے گی، شادی کے موقع پر دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار کچھ بھی اسے دے دوں، بس اس کی پونجی ہو گی۔ آخر اس میں تمہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

اور عائشہ نے بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ جواب دیا۔

کچھ بھی نہیں۔ وہ تمہاری مرحوم بہن کی نشانی ہے۔ لاکھ روپیہ بھی اسے دے دو تو مجھے نہ اعتراض کا حق ہے نہ میں اتنی کم ظرف ہوں کہ اس پر ناک بھوں چڑھانے لگوں!"

اس جواب سے جاوید بہت خوش ہوا تھا اور اس نے یقین کر لیا تھا کہ واقعی اب جتنے دن بھی فرخندہ اس گھر میں رہے گی، اسے تکلیف و اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

آج جاوید کے اعصاب پر بہت زیادہ بوجھ پڑا تھا، اسے سخت ترین قلبی اور ذہنی اذیت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ عائشہ کے گریہ بے اختیار نے اسے کسی حد تک سکون پہنچایا۔

کیونکہ ان آنسوؤں میں سچائی جھلکتی نظر آ رہی تھی پھر بھی وہ ایک طرح کی تکان محسوس کر رہا تھا۔ اس نے عائشہ سے کہا۔

بہت دن ہو گئے کہیں جانے کا موقع ہی نہیں ملا، دوست الگ شاکی ہیں۔ کاروباری حلقہ کے احباب جدا شکوہ سنج ہیں۔ آج مرچنٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک ڈنر کا اہتمام کیا گیا ہے، میں وہیں جا رہا ہوں، گیارہ بجے شب سے پہلے واپسی نہیں ہو گی۔ ممکن ہے بارہ بج جائیں!

یہ گفتگو کر کے جاوید چلا گیا۔

جاوید کو رخصت کر کے عائشہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی، اس کی نظر زینب پر پڑی۔ وہ ایک گٹھڑی بغل میں دبائے اپنی کوٹھڑی سے باہر نکل رہی تھی

عائشہ نے پوچھا۔
" یہ کیا چیز ہے؟
وہ بولی۔
یہ میری گٹھڑی ہے اس میں چار پانچ جوڑے ہیں!"
" لیکن اس کا مطلب؟"
"میں جا رہی ہوں"
" کہاں — ؟"
" جہاں سینگ سمائیں، خدا کی اتنی بڑی دنیا میں کہیں نہ کہیں سر چھپانے کو جگہ مل ہی جائے گی!"
عائشہ نے زینب کو روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن اس نے ایک نہ سنی گٹھڑی بغل میں دابی اور رخصت ہو گئی۔

* * *

(۲)

زینب ڈیوڑھی پر پہنچی تو فرخندہ کی نظر اس پر پڑی، وہ دوڑی دوڑی آئی اور کہنے لگی۔

"بوا کہاں جا رہی ہو اس وقت؟"

وہ بولی۔

"بیٹی یہ تو میں نہیں جانتی لیکن جا رہی ہوں!"

فرخندہ نے پریشان اور بے قرار ہو کر پوچھا۔

"لیکن آخر کیوں؟"

وہ کہنے لگی۔

"اب جی اُکتا گیا ہے کہیں بھیک مانگ کر زندگی بسر کر لوں گی یہاں تو اب نہیں رہ سکتی!"

فرخندہ نے سوال کیا۔

کیا ماموں جان سے پوچھ لیا ہے تم نے؟

اس نے جواب دیا۔

"کہیں رہنا ہو تو اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن کہیں سے جانا ہو تو اجازت لینے کا سوال نہیں پیدا ہوتا — !"

فرخندہ نے کہا۔

ممانی جان کیا کہیں گی۔

زینب کہنے لگی۔

انہیں معلوم ہے کہ میں جا رہی ہوں!"

" انہوں نے روکا نہیں؟"

" روکا تھا!"

" پھر بھی تم اپنی ضد پر قائم ہو؟"

" ہاں — ضد پر نہیں فیصلے پر قائم ہوں!"

فرخندہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

" اس گھر میں ایک تم تھیں ماموں جان کے علاوہ جو میری ہمدرد تھیں غمگسار تھیں، میرے دکھ درد کو سمجھتی اور محسوس کرتی تھیں، روتی تھی تو میرے آنسو پونچھتی تھیں، گھبراتی تھی، تو مجھے تسکین دیتی تھیں، اب تم چلی جاؤں گی تو میں کس کے سہارے جیوں گی؟ کون میرا اس گھر میں ہے؟"

زینب نے فرخندہ کے آنسو پونچھے اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہنے لگی۔

میری بچی تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، جاوید تیرا بہت خیال کرتا ہے۔ اس کی موجودگی میں تجھے کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی، آج کی باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ اگر ہمیشہ نہیں تو کچھ عرصے تک عائشہ کا سلوک بھی تیرے ساتھ اچھا رہے گا!"

زینب کی ان باتوں سے فرخندہ کی تسلی نہیں ہوئی، اس نے کہا۔

بوا تم نہیں جانتیں، اس گھر کا ذرہ ذرہ میرا دشمن ہے، ماموں کس کس سے مجھے بچائیں گے؟ سلمٰی خالہ مجھے دیکھتی ہیں تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، سہیلہ میری صورت دیکھنے کی روادار نہیں، سہیلی بھیا تو میرے ساتھ ... پیش آتے ہیں جیسے نہ جانے کب کی میری اور ان کی دشمنی چلی آ رہی ہے

یہی حال ممانی جان کا بھی ہے، تم کہتی ہو، اب ان کا طرزِ عمل ہمیشہ کے لئے نہیں تو کچھ دنوں کے لئے بدل جائے گا، ایسا ہوا تو بھی سلمیٰ خالہ، سہیلہ کی باتوں سے مجھے کس طرح نجات ملے گی؟"

زینب نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائیں گے، جاوید نے جس انداز سے بات کی ہے اور جس طرح سب کی خبر لی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس چور راہ سے ان لوگوں کی سازش کا بھانڈا پھوٹا ہے اس کے بعد سب کا منکا ڈھل گیا ہے دل میں یہ لوگ چاہے جتنا جلیں، کڑھیں اور نفرت کریں، ظاہر میں کوئی ایسی بات نہیں کر سکتے، جو تمہارے لئے شکایت ہو۔ اور بیٹی میں اس گھر سے تو جا رہی ہوں، کوئی اس دنیا سے رخصت تو نہیں ہوں گی، کبھی کبھی آتی رہوں گی۔ اور تمہاری خبر لیتی رہوں گی، مجھے جانے دو، میرا چلا جانا ہی یہاں سے اچھا!"

وہ چلی گئی، فرخندہ اسے روک نہ سکی، لیکن ٹکٹکی لگائے اس وقت دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔

٭ ٭ ٭

"کیا کہا، زینب گئی ـــ ؟"

عائشہ نے جواب دیا۔

"ہاں وہ رخصت ہو گئی اس گھر سے!"

"کب؟!"

"ابھی ذرا دیر ہوئی!"

"بھائی صاحب نے بھی نہیں روکا؟"

"وہ تو کہیں دعوت میں گئے ہیں، میں نے روکا تھا، لیکن اس نے ایک نہ سنی!"

"بہت اچھا ہوا آپا، وہ گئی، تو سمجھو ہم نے آدھی سے زیادہ کامیابی حاصل کر لی۔ سب سے بڑا راستے کا کانٹا وہی تھی، خدا غارت کرے کمبخت کو۔"

"اس کے جانے سے خوش تو میں بھی ہوں، لیکن سوچ رہی ہوں ـــ"

"کیا سوچ رہی ہو؟"

کہیں وہ (جاوید) آ کر خفا نہ ہوں؟"

"اچھی زبردستی ہے۔ کیوں خفا ہوں گے؟ کیا تم نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔؟"

پھر بھی نہیں ٹھہری تو جائے اپنی ایسی تیسی میں کیا ہم اس کا دامن پکڑ کر لٹک جاتے!"

"اب تو انہیں ہر بات میں سازش نظر آتی ہے کہیں اسے بھی وہ میری اور تمہاری سازش نہ خیال کریں ـــ؟"

"کیا کریں ـ ہاں خوب یاد آیا، وہ تو ان کے سامنے کئی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ اس گھر کا پانی پینا اب حرام ہے اس پر۔ یاد ہے؟

"ہاں یاد تو ہے!"

"پھر اگر وہ چلی گئی تو ہماری کیا خطا!"

"خطا تو ہماری کچھ نہیں ہے لیکن بھئی ان کی (جاوید کی) آج کی باتوں سے سے مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔"

"اگر اس طرح ڈرتی رہیں تو کام بن چکا، یا تو اپنے بچوں کا مستقبل بنا لو یا پھر ڈر کر کونے میں بیٹھ جاؤ۔"

عائشہ خاموش رہی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا، سلمیٰ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے دیکھو، میں ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں، لیکن اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں کہ ہتھیار ڈال دوں، جانتی ہوں بھائی صاحب مجھ سے بہت خفا ہیں، شاید کچھ عرصے کے لئے بات چیت بھی بند کر دیں مجھ سے لیکن اس کے باوجود میں اٹل ہوں اپنے فیصلے میں۔ تم جانتی ہو میرے کوئی اولاد نہیں ہے اور اب کیا ہوگی، اور سچ پوچھو تو سہیل اور سہیلہ کو خدا سلامت رکھے مجھے اولاد کی ہوس بھی نہیں ہے تو جب میں انہیں اولاد کی طرح چاہتی ہوں تو جیتے جی ان کے حق پر ڈاکہ پڑتے نہیں دیکھ سکتی!"

عائشہ نے بڑی بے بسی کے ساتھ کہا۔

"نہ جانے یہ کمبخت بھی عارفہ کے ساتھ کیوں نہ مر گئی — مر گئی ہوتی، تو قصہ پاک ہو جاتا۔!"

٭ ٭ ٭

(۴)

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ امجد نے آکر اطلاع دی ۔
" کھانا تیار ہے، دستر خوان لگا دیا گیا ہے !"
عائشہ اور سلمٰی کھانے کے کمرے میں پہنچیں، سہیل اور سہیلہ پہلے سے موجود تھے ۔ لیکن منہ پھلائے ہوئے بیٹھے تھے، معلوم ہوتا تھا کسی بات پر لڑائی ہو گئی ہے دونوں میں ۔
سلمٰی نے پوچھا ۔
" کیا تم دونوں میں لڑائی ہو گئی ہے ؟"
سہیل نے جواب دیا ۔
" خالہ جان، میں بہت خفا ہوں سہیلہ سے، زینب نے مجھ سے بھی اپنے مطلب کی باتیں اگلوانے کے لئے بڑی کوشش کی تھی، خوشامد بھی کی دھمکایا بھی ۔"
" اچھا دھمکایا بھی ؟"
" جی ہاں ۔ !"
" یہ بہت حرامزادی تھی ؟"
" غرض اس نے سب ہی جتن کر ڈالے، لیکن میں نے ایک بات کا بھی اقرار نہیں کیا اور ان سہیلہ صاحبہ نے ساری باتیں تسلیم کر لیں، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے سازش کا اقرار کر لیا !"
" ہاں سہیلہ بیٹی سے یہ بہت بڑی غلطی ہوئی ۔ !"

" اتنی بڑی غلطی جس کی تلافی نہیں ہو سکتی، ذرا سوچئے تو سہی، ابو کیا کہتے گے اپنے دل میں؟ آپ کے بارے میں امی کے بارے میں کیا رائے قائم کی ہو گی۔ ہم سب کے بارے میں؟ میرا تو اب ان سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا یہ تو اچھی رہیں، ہم سب کے منہ میں کالک لگا آئیں۔"

بڑی شفقت کے ساتھ سلمٰی نے پوچھا۔

" بیٹی یہ کیا ہو گیا تھا تمہیں؟"

سہیلہ نے ساری داستان سناتے ہوئے کہا۔

" جب زینب نے وہ باتیں جو میرے اور بھیا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا ایک ایک کر کے سنا دیں اور کہا، سہیل ان باتوں کا اقرار کر کے گیا ہے، تو میں کیسے انکار کر دیتی؟ — مجھے کیا معلوم تھا یہ فریب ہے۔"

سلمٰی نے بھانجی کی تائید کی اور کہنے لگی۔

" ہاں میں سمجھ گئی تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ زینب کو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟"

سہیل نے کہا۔

" میرا خیال ہے زینب کو یہ ساری باتیں فرخندہ سے معلوم ہوئیں!"

" پھر اسے کیسے پتہ چلا؟"

" اب سوچتا ہوں تو ایک بات یاد آتی ہے۔"

" کون سی بات بیٹے؟"

" جس وقت میں سہیلہ سے یہ باتیں کر رہا تھا، اس وقت تو میں نے غور نہیں کیا۔ لیکن اس سے باتیں کر کے جب اُٹھا، تو سہیلہ گھر کی طرف چلی آئی میں باہر جانے کے قصد سے دروازے کی طرف بڑھا، تو میں نے دیکھا۔ فرخندہ تیز تیز قدم اٹھاتی اور مڑ مڑ کر دیکھتی جا رہی ہے، شبہ تو میرے دل میں اس وقت پیدا ہوا کہ اس نے ہماری باتیں سن لی ہیں، لیکن بس شبہ ہی تھا، اب جو کڑیاں ملاتا ہوں تو صاف معلوم ہوتا ہے یہ کسی کام سے ہماری طرف گزری، ہمیں باتیں کرتے

اور پیڑ کی آڑ میں کھڑی ہو کر ساری باتیں سنیں اور جب ہمیں اُٹھتے دیکھا تو بھاگ کھڑی ہوئی !"

" ہاں ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا۔ کیوں آپا تمہارا کیا خیال ہے ؟"

" بظاہر تو سہیل کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اب ان باتوں کے سوچنے سے کیا حاصل، وہی بات ہوئی، گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر"

" آپا وہ تو ٹھیک ہے لیکن ذرا یہ تو سوچو یہ فرخندہ کی بچی کتنی فریبی ہے کن سوئیاں لیتی پھرتی ہے کہ کون کیا کہہ رہا ہے ؟ اور جو کچھ سنتی ہے وہ اپنی اماں جان زینب کے کان میں پھونک آتی ہے جا کر !"

" وہی تو میں کہوں کہ آخر زینب کو اپنی باتوں پر اعتماد کس بنیاد پر تھا ؟"

" اب تو معلوم ہو گئی وہ بنیاد ؟"

" ہاں تو معلوم ہو گئی وہ بنیاد ؟"

" ہاں بہت اچھی طرح سلمیٰ "

" یہ ہیں بھائی جان کی چہیتی بھانجی فرخندہ بیگم، یہ لچھن ہیں اس لڑکی کے دیکھ لینا سسرال میں جا کر فسادات برپا کرے گی یہ بس کی پڑیا !"

" سسرال نصیب بھی تو ہو !"

" ارے ہاں اور کیا، کون تھوکے گا اس لاوارث لڑکی پر "

" یہ نہ کہو سلمیٰ۔ روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور وہ فیصلہ کر چکے ہیں، فرخندہ کے لئے شوہر ہر قیمت پر خرید کر رہیں گے۔

جواب میں سلمیٰ کچھ کہنے والی تھی کہ فرخندہ آ گئی اور بات وہیں کی وہیں رہ گئی

* * *

(۵)

جیسے ہی فرخندہ نے کمرے میں قدم رکھا، سب خاموش ہو گئے، وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

دستر خوان پر پلاؤ تھا، قورمہ تھا، شامی کباب تھے اور پڈنگ تھی،

عائشہ اور سلمٰی نے اپنی اپنی پلیٹ میں حسب ضرورت یہ چیزیں لے لیں پھر سہیلہ کی باری آئی۔ اس نے چن چن کر بوٹیاں لیں اور ایک ساتھ تین کباب لے کر رکھ لئے، سہیل نے رہی سہی کسر پوری کردی جتنی بوٹیاں پلاؤ اور قورمے میں باقی رہ گئی تھیں وہ بھی لے لیں پھر وہ سب اپنی پلیٹ میں انڈیل لیں چار کباب باقی رہ گئے تھے وہ بھی لے لئے، پھر پلاؤ کی ڈش فرخندہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

" اس قدر تکلف کیوں کرتی ہو کھاؤ۔"

سہیلہ مسکرانے لگی۔

فرخندہ نے پلاؤ کے خالی چاول تھوڑے سے اپنی پلیٹ میں رکھ لئے اور قورمے کی ڈش سے تھوڑا سا شوربہ لے لیا، بوٹی کوئی تھی ہی نہیں۔

سلمٰی نے ایک نظر فرخندہ پر ڈالی پھر پوچھا

" آج کچھ افسردہ سی نظر آرہی ہو فرخندہ۔ کیا بات ہے؟"

وہ جھجکتی ہوئی بولی۔

"نہیں تو خالہ جان!"
سہیل نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔
"ہم سے پوچھئے تو بتائیں۔"
سلمیٰ نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا۔
"تم سے کیا پوچھوں؟" "تم کیا بتاؤ گے"
وہ بولا۔
"یہی کہ فرخندہ افسردہ کیوں نظر آرہی ہیں؟"
سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھا بتاؤ۔ دیکھیں کتنی دور کی کوڑی لاتے ہو۔؟"
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔
"خالہ جان میری بات تو اتنی کھری ہوتی ہے جیسے دو اور دو چار!"
سلمیٰ کو کچھ لطف سا آنے لگا تھا، اس چھیڑ چھاڑ میں، وہ بولی۔
"دو اور دو صرف چار؟ چار روٹیاں نہیں؟"
سہیل نے ہنستے ہوئے کہا۔
"جی نہیں ۔ بوٹیاں ۔ آج اتفاق سے ان کے حصے میں کوئی بوٹی نہیں آسکی!"
سلمیٰ نے جھڑکا۔
"چل ہٹ۔ فرخندہ کچھ تیری طرح ندیدہ ہے؟"
سہیل ذرا دیر تک چھت کی طرف گھورتا رہا، پھر اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔
"خالہ جان فرخندہ کی افسردگی کا راز آگیا سمجھ میں ۔ بتاؤں؟"
سلمیٰ نے دبے ہوئے اشتیاق کے ساتھ کہا۔
"بتاتا کیوں نہیں؟"
وہ بولا۔

بات یہ ہے کہ آج زینب بوا نے داغ مفارقت دیا ہے، انہیں بس یہ غم ہے۔ جس نے ان کی خوشی چھین لی ہے!"

سلمٰی نے گویا یقین کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی بے چاری چلی گئیں!"

سہیل کہنے لگا۔

"جی ہاں بے چاری چلی گئیں۔ خدا مغفرت کرے بڑی خوبیوں کی وہ بزرگ تھیں، کیا شفقت تھی، کیا محبت تھی، کیا چاہت تھی، اب ایسے لوگ کاہے کو ملیں گے اس دنیا میں!"

سلمٰی نے بڑا سا لقمہ منہ رکھتے ہوئے کہا۔

"تو تو مارے ڈال رہا ہے انہیں!"

وہ ہڈی سے گودا نکالتے ہوئے بولا۔

"میری حیثیت کیا ہے انہیں تو ملک الموت، یعنی حضرت عزرائیل بھی نہیں مار سکتے، وہ نہایت اطمینان سے قیامت کے بوریے سمیٹیں گی۔"

سلمٰی ہنس پڑی اچھو ہو گیا اسے کافی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"بہت شریر ہو گیا تو۔

وہ کہنے لگا۔

"خالہ جان، شریر تو ہوں۔ لیکن جھوٹ شرارت میں بھی نہیں بولتا!"

وہ پیار بھرے لہجہ میں بولیں۔

"بڑا سچا!"

سہیلہ بھی بول پڑی،

جھوٹوں کے بادشاہ۔"

سہیل نے بحث کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"زینب بوا اس گھر سے گئیں۔"

سلمٰی بیچ میں بول پڑی۔

" دفع ہوئیں ۔"

سہیل نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

" جی ہاں دفع ہوئیں، ہم سب نے اطمینان کا سانس لیا، سر سے بلا ٹلی ایک چلتا پھرتا فتنہ اس گھر سے رخصت ہوا ۔

سلمیٰ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا ۔" ہاں یہ بات تو ہے بیشک ۔

سہیل کہنے لگا ۔

" لیکن اس گھر میں ایک ہستی ہے جسے زینب کے چلے جانے کا بڑا افسوس ہے ۔"

" فرخندہ ؟"

" جی ہاں ۔ آپ کی فرخندہ بیگم !"

" تیری تو عادت ہے رول غول بکنے کی !"

" خالہ جان، اول غول نہیں، امر واقعہ ہے ۔ میں نے آپ کی فرخندہ کو زینب کے گلے سے لگ کر روتے دیکھا ہے، اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں، جس طرح لڑکی میکہ سے سسرال جاتے وقت روتی ہے آنسو تھے کہ کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے، بار بار ان سے اپیل کی جا رہی تھی کہ تشریف نہ لے جائیں، لیکن وہ بھی بات کا دھنی، اور قول کی پکی ہیں گو وہ خود بھی اپنی بچی کے گلے سے لگ کر خوب روئیں، لیکن اپنا فیصلہ بدلنے تیار نہیں ہوئیں، خیر خبر لینے کا وعدہ کر گئی ہیں ۔!"

" تو نے یہ باتیں کیسے جانیں ؟"

بالکل اسی طرح جیسے انہیں میری اور سہیلہ کی گفتگو کا علم ہو گیا تھا ۔ یہ اگر پیڑ کی آڑ میں کھڑی ہو کر ہماری باتیں سن سکتی ہیں، تو کیا میں دروازے کی اوٹ میں کھڑا ہو کر اداکاروں کا یہ ناقابل فراموش منظر نہیں دیکھ سکتا تھا ۔!"

فرخندہ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا ۔

وہ بار بار کچھ بول رہی تھی، اس میں ہمت نہیں تھی کہ ان لوگوں سے آنکھیں چار کر سکے، وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی تھی۔

دفعتہً سلمٰی نے سوال کیا۔

کیوں بی فرخندہ تم نے سہیل کیا کہہ رہا ہے؟

بہت دھیمی آواز میں اس نے جواب دیا۔

" جی ہاں ۔!"

سلمٰی نے اعتراض کیا۔

" لیکن وہ تمہاری کون لگتی تھیں کہ یوں ان کے بچھڑنے کے غم میں تم نے آنسو بہائے ہ؟"

فرخندہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی،

سلمٰی نے کہا۔

" تمہیں ابھی اس گھر میں آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں؟ دو چار دن کی مختصر سی مدت میں آدمی اتنا تجربہ کار تو نہیں ہو جاتا کہ وہ دوسروں کی سیرت کا اندازہ لگالے، تم کیا جانو وہ کیسی عورت ہے؟"

اس مرتبہ فرخندہ خاموش نہ رہ سکی، اس نے کہاں۔

" ہوں گی کسی طرح کی بھی۔ لیکن میرے ساتھ تو ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا!"

سلمٰی کو جلال آگیا۔ اس نے کہا۔

جو ہمارے دشمن وہ تمہارے دوست ۔ بیٹی یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

فرخندہ نے پھر سکوت اختیار کر لیا، کوئی جواب نہیں دیا۔

سہیل نے سہیلہ سے پوچھا۔

" زینب کے چلے جانے سے تمہیں رونا نہیں آیا ۔ ؟"

وہ جھلاکر بولی۔

" مجھے کیوں آتا ؟ وہ میری کون لگتی ہے ۔ ؟"
سہیل نے کہا۔
" بوا ۔۔ وہ تو جگت بوا ہیں۔ سب انہیں اسی معزز لقب سے یاد
کرتے ہیں !"
سہیلہ نے چمک کر جواب دیا۔
" کرتے ہوں گے ۔ مجھے تو اس چڑیل کی صورت سے نفرت ہے "۔
سہیل نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا ۔
" خبردار ۔۔ !"
سہیلہ نے چونک کر اُسے دیکھا. وہ کہنے لگا ۔
" تم نے چڑیل کہہ کر زینب کی توہین کی ہے اور زینب کی توہین فرزندہ نہیں
برداشت کر سکتی !"
سہیلہ نے اور زیادہ قہقہے کے ساتھ پوچھا۔
نہیں کر سکتی، تو نہ کرے، ہمارا کیا بگاڑ لے گی ؟"
" لڑ جائے گی تم سے اور تم ہرگز نہیں جیت سکیں !"
سلمٰی نے مزید وضاحت چاہی ۔
" ارے تو کیا کشتی لڑے گی سہیلہ سے ؟"
کشتی ؟ ایسے مواقع پر تو چاقو چل جاتے ہیں خالہ جان !"
اب عائشہ کے لئے خاموش رہنا ناممکن نہ رہا، اس نے گفتگو میں حصہ
لیتے ہوئے کہا۔
" اے ہے وہ کون ہے جو چاقو چلائے گا میری بچی (سہیلہ) پر ؟ کلیجہ نہ
نہ چبا جاؤں اس کا تو عائشہ میرا نام نہیں !
سہیل نے چھیڑتے ہوئے کہا۔
" امی جان ایسی بات نہ کیجئے جو ناممکن ہے !"
عائشہ نے پوچھا۔

"نا ممکن کیا ہے چھوکرے ۔ ؟"

وہ بولا۔

"آپ میری گوشمالی کر سکتی ہیں، سہیلہ کی مرمت کر سکتی ہیں، خالہ جان کو ڈانٹ سکتی ہیں۔ لیکن کیا آپ میں اتنی ہمت ہے کہ فرخندہ سے کچھ کہہ سکیں؟"

وہ بولیں۔

"وہ میری بچی پر نصیب دشمناں چاقو چلاتی رہے گی اور میں بیٹھی تماشہ دیکھتی رہوں گی؟"

سہیل نے پڈنگ کی ڈش اپنی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ ایسا کرنے پر مجبور ہیں!"

عائشہ بیگم بیٹے سے اُلجھ پڑیں۔

"مجبور کیوں ہوں؟"

"اگر آپ نے فرخندہ کو کچھ کہا، تو وہ اپنے ماموں جان سے شکایت کریں گی اور آپ جانتی ہیں، ابو کتنا چاہتے ہیں انہیں!"

"ہاں جانتی ہوں۔ لیکن وہ بھی خوب جانتے ہیں، میں اپنی بچی رسہیلہ [redacted] زیادہ چاہتی ہیں، اس پر تو میں ساری دنیا کو صدقے کر دوں!"

فرخندہ نے کھانا ترک کر دیا، حیرت کے ساتھ باتیں سن رہی تھی اور بے بات کی بات اسے کہتے ہیں، سہیل نے ہنسی ہنسی میں کتنا بڑا فتنہ کھڑا کر دیا ہے اور کس آسانی سے ممانی جان اور خالہ جان اس کے جال میں آگئی ہیں۔

دفعتہً اس کے کان میں سہیل کی آواز آئی۔ وہ ماں سے کہہ رہا تھا۔

"بہت اچھا ہم بھی دیکھ لیں گے، آپ فرخندہ کے عتاب سے سہیلہ کو کس طرح بچاتی ہیں!"

اب فرخندہ کے لیے خاموش رہنا ناممکن ہو گیا۔ اس نے کہا۔

"آج آپ کو کیا ہو گیا ہے آخر؟"

سہیل نے حقارت سے بھرپور ایک نظر اس پر ڈالی اور کہا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا!"
وہ بولی۔
میرے بارے میں تو باتیں کر رہے ہیں۔
وہ کہنے لگا۔
"تم میری زبان نہیں پکڑ سکتیں، جس کے بارے میں جو جی چاہے گا، کہوں گا اگر میری باتیں ایسی ہی ناگوار ہیں تو یہاں بیٹھی کیوں ہو؟ اپنے کمرے میں کیوں نہیں چلی جاتیں؟"
فرخندہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔
"آپ نے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا، میں کب کی چلی گئی ہوتی!"
سہیل نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے کہا۔
"اب کہتا ہوں، جاؤ، چلی جاؤ فوراً یہاں سے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"
فرخندہ کو بھی تاؤ آگیا، وہ جاتے جاتے پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی، اس نے کہا
"اب نہیں جاؤں گی!"
سہیل نے اور زیادہ برافروختہ ہو کر کہا۔
"جو لوگ ہمارے دشمنوں سے ربط ضبط رکھتے ہیں، میں ان کی صورت بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔
وہ ایک عزم کے ساتھ بولی۔
"تو آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"
سہیل کی ساری گھن گرج ختم ہو گئی۔
فرخندہ سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔
وہ حیرت سے ٹکٹکی لگا کر کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر گویا ہوا۔
"کیا کہا تم نے؟"
وہ اسی تیوری کے ساتھ بولی۔

" اگر آپ مجھے اپنے دشمنوں کے زمرے میں شمار کرتے ہیں اور میری صورت دیکھنا نہیں چاہتے، تو چلے جایئے یہاں سے!"

سہیل نے کچھ دیر تک تذبذب کے عالم میں رہ کر پوچھا۔

" میں کیوں چلا جاؤں؟"

اس نے سہیل ہی کے الفاظ دوہرا دیئے۔

" میں کیوں جاؤں؟"

اس لئے کہ میں کہہ رہا ہوں!"

" آپ کی اور آپ کے کہنے کی وقعت کس کی نظر میں ہے!"

یہ الفاظ بم کا گولہ ثابت ہوئے۔

سہیل اپنی کرسی سے انتہائی طیش کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا اور پوچھا

" تو نہیں جائے گی؟"

فرخندہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

" زبان سنبھال کر بات کرو؟"

" میں زبان سنبھال کر بات کروں؟

" ہاں ۔ اور شریفوں کی طرح بات کرنا سیکھئے!"

" تو کیا کمینہ ہوں؟ رذیل ہوں؟"

" مجھے اگر صاف گوئی پر مجبور ہونا پڑے گا، تو یقیناً میں یہی الفاظ استعمال کروں گی۔"

" میں تیرا سر پھوڑ دوں گا؟"

" میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہوں!"

" تو مجھے مارے گی؟"

بے شک ۔ جو مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا، اس کا ہاتھ توڑ دوں گی!"

" اچھا تو لے!"

یہ کہہ کر سہیل نے چینی کی ایک پلیٹ فرخندہ کے سر کو نشانہ بنا کر پھینکی

لیکن نشانہ خطا گیا، پلیٹ اس کی کرسی سے ٹکرائی اور جھٹ سے ٹوٹ کر گر پڑی۔

فرخندہ نے قورمے کی قاب اٹھائی اور سہیل پر کھینچ ماری، نشانہ اس کا بھی خطا گیا۔ لیکن سہیل کے سارے کپڑے، شوربے سے داغدار ہو گئے سہیل کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر فرخندہ کی طرف بڑھا

لیکن اب صورت حال کی نزاکت کا احساس سلمیٰ کو بھی ہو گیا تھا اور عائشہ کو بھی، دونوں نے بڑی مشکل سے اس پر قابو پایا اور پھر سہیل کو کرسی پر بٹھایا

سلمیٰ نے کہا۔

"سہیل بیٹے کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ گندے تالاب میں کنکریاں پھینکنے سے چھینٹیں خود اپنے اوپر پڑتی ہیں — !"

عائشہ نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

"آخر اس شوخ چشم، دیدہ دلیر اور زبان دراز لڑکی کے منہ لگنے کی ضرورت کیا ہے ؟"

وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہوا بولا۔

"امی جان خواہ کچھ ہو، میں اس کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا، یہ زینب سے ملی ہوئی ہے اور جس طرح وہ ہماری دشمن تھی، اسی طرح یہ بھی ہے اسے کمرے سے نکال لیے، ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا، زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اور واقعی اس وقت سہیل ایک خونی شخص نظر آرہا تھا، اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

وہ واقعی قتل کر ڈالنے پر بالکل تیار تھا۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر سلمیٰ بی سہم گئی اور عائشہ بھی خائف ہو گئی۔ سلمیٰ نے فرخندہ سے کہا۔

"بیٹی، شریف بہو بیٹیاں مردوں کے منہ نہیں لگتیں

وہ بولی -
"اور شریف لڑکے اس طرح کی باتیں کرتے ہیں ؟"
مفاہمت کرنے کے انداز میں عائشہ نے کہا -
"بات کو طول دینے سے آخر فائدہ کیا ہے ؟ - چلی جاؤ !"
سلمیٰ نے بھی بہن کی تائید کی ،
"ہاں بیٹی، ضد نہ کرو ، چلو اپنے کمرے میں تمہیں پہنچا آؤں !"
لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی ، کہنے لگی -
"خالہ جان ، میں اپنے کمرے کا راستہ جانتی ہوں ، لیکن آج تو میرا قتل ہونے کو جی چاہ رہا ہے !"
عائشہ نے بے بسی کے ساتھ پوچھا -
"تو کیا تم نہیں جاؤ گی یہاں سے ؟"
وہ بولی -
"نہیں ممانی جان - یہ میرا فیصلہ ہے ، میں نے بہت کچھ سہا ، اس سے زیادہ سہہ لینا میرے بس میں نہیں ہے ، میں بہت دبی ، لیکن اب نہیں دبوں گی ، میں نے ایک چپ میں ہزار بلائیں ٹالیں ، لیکن میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اس زندگی سے مرجانا ہزار درجہ بہتر ہے !"
سلمیٰ فرخندہ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی ، کہنے لگی -
چلو بیٹی ضد نہیں کرو !"
لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں ، اس نے کہا -
آپ کا اور ممانی جان کا ہر حکم ماننا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتی ہوں لیکن اس وقت تو اگر خدا بھی کہے تو مجھے کافر ہو جانا منظور ہے ، لیکن اس کے کہنے سے کبھی اس کمرے سے باہر نہیں نکلنے کی -"
فرخندہ کا یہ عزم دیکھ کر سلمیٰ اور عائشہ دونوں اپنے آپ کو بے بس محسوس

کرنے لگیں۔

ایک طرف سہیل اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا، اور اس کے تیور صاف کہہ رہے تھے کہ اس وقت وہ سب کچھ کر گزرنے پر تیار ہے۔

دوسری طرف فرخندہ اپنے فیصلے پر چٹان کی طرح جمی ہوئی تھی، اس کے تیور بھی کہہ رہے تھے، مرجانا قبول کرلے گی، لیکن سہیل کے فرمان کے آگے سر نہیں جھکائے گی۔

دونوں ہی کنم کی مصیبت میں گرفتار تھیں۔

کوئی صورت ایسی نظر نہیں آتی تھی، جس سے یہ معاملہ سلجھ سکے۔

دونوں کے ذاتی جذبات کا جہاں تک تعلق تھا، انہیں اس پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ فرخندہ ایک مرتبہ نہیں ہزار دفعہ قتل کر ڈالی جائے، لیکن قتل کے جرم میں سہیل پھانسی کی سزا پائے، اس کے لئے بھی وہ تیار نہیں تھیں۔

اور ساتھ ہی ساتھ جاوید کا دھڑکا بھی لگا ہوا تھا، یہ ساری تفصیلات اگر اس کے علم میں آئیں، تو نہ جانے پھر کونسی قیامت آجائے گی۔ اور اس کا انجام کیا ہو۔

لیکن یہ مشکل قدرت نے آسان کر دی۔

جاوید دعوت سے واپس آگیا۔

٭٭٭

(۶)

جاوید کا رعب بہر حال سارے گھر پہ تھا۔ اسے آتا دیکھتے ہی فرخندہ کے سوا سب حواس باختہ ہو گئے۔ عائشہ اور سلمیٰ کی حالت سب سے زیادہ غیر تھی، سہیلہ بھی خاصی پریشان نظر آ رہی تھی اور سہیل جو ابھی کچھ دیر پہلے رستم زماں نظر آ رہا تھا بھیگی بلی نظر آنے لگا۔

سب یہی سوچ رہے تھے، جاوید اگر ادھر آ گیا، اس نے فرخندہ کا غمگین اور برہم چہرہ دیکھا، سہیل کے لت پت کپڑے اور اس کی خون برسانے والی آنکھیں دیکھیں تو کیا ہوگا ۔۔۔؟

کیا ہوگا یا اللہ!

لیکن خدا بڑا مشکل کشا ہے جاوید اسی کمرے کی طرف آ رہا تھا کہ رستے میں اسے امجد مل گیا اور وہ کھڑا ہو کر اس سے باتیں کرنے لگا۔

عائشہ نے بھرائی ہوئی آواز میں سہیل سے کہا۔

اگر تو فوراً اس کمرے سے نہ چلا گیا تو یاد رکھ دودھ نہیں بخشوں گی عاق کر دوں گی، زندگی بھر تیری صورت نہیں دیکھوں گی اور مرتے وقت وصیت کر جاؤں گی کہ سہیل میرے جنازے میں بھی نہ شریک ہو، آخر میں تیری ماں ہوں۔ کیا اب بھی تو یہاں سے دفع نہیں ہوگا۔ میرے خدائی خود۔

سہیل نے کوئی جواب نہیں دیا، نہایت برہمی کے ساتھ اٹھا اور بغلی دروازے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس طرح بڑی اہم اور کڑی منزل سر ہو گئی۔
اب عائشہ نے فرخندہ کی طرف رخ کیا کہنے لگی۔
"بیٹی اگر تیرے دل میں میری ذرا بھی عزت ہے تو ضد نہ کر چلی جا یہاں سے۔"
"لے میں تیرے قدموں پر اپنا دوپٹہ اپنے ڈالتی ہوں، معاف کر دے مجھے اور اس نالائق سہیل کو۔"
فرخندہ نے عائشہ کا دوپٹہ اپنے قدموں پر گرنے نہیں دیا اٹھا کر جلدی سے اس کے کندھے پر ڈال دیا اور کہا۔
"ممانی جان یہ کیا غضب کرتی ہیں آپ۔؟"
وہ بولیں۔
بیٹی اس وقت، تو میری لاج رکھ لے وہ اسی طرف آ رہے ہیں اور ان کے آنے سے پہلے یہ کمرہ خالی کر دے ورنہ قیامت برپا ہو جائے گی
سلمٰی نے بھی عرض داشت کے لہجہ میں کہا۔
"تمہارا کہا پورا ہو گیا، تم نے سہیل کا کہا ماننے سے انکار کر دیا۔ آخر اس کو سے پہلے جانا پڑا۔ یہاں سے اب تو چلی جاؤ۔!"
فرخندہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی کے ساتھ باہر نکل گئی۔
اس کے جانے کے بعد سلمٰی نے گویا خود اپنے آپ سے کہا۔
"چال تو دیکھو مردار کی جیسے سپہ سالار اعظم کسی ملک کو فتح کر کے جا رہا ہو۔ میرا نام بھی سلمٰی نہیں اگر گن گن کر بدلے نہ لوں!"
عائشہ اس وقت یکایک، شوہر کے آ جانے سے بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ پھر چپ نہ رہ سکی۔
"نہ جانے کن گناہوں کی سزا فرخندہ کی صورت میں ملی ہے نہ کمبخت کو چیچک نکلتی ہے، نہ ہیضہ ہوتا ہے دق میں مرتی ہے"
سہیلہ نے کہا۔

" امی جان اسکی تو دن بدن صحت اچھی ہوتی جارہی ہے۔ وہ کیا مرے گی۔"

سلمیٰ نے جیسے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اور کیا ہم چھوڑے گی تنگ۔ لیکن دیکھ لینا، اللہ چاہے گا ساری کسر بہت جلد نکل جائے گی۔

جملہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ جاوید آگیا۔

* * *

(۷)

جاوید آگیا، اور کرسی پر بیٹھ، اس نے سہیلہ سے پوچھا
تم لوگوں نے کھانا کھالیا بیٹی ؟
وہ بولی ۔
جی ہاں، بس ابھی ابھی کھایا ہے ۔ اور آپ نے ابو؟"
وہ گویا ہوا ۔
"میں نے بھی کھایا ۔"
عائشہ نے ٹوکا ۔
لیکن آپ تو رات کو دیر آنے والے تھے !"
اس نے بے پروائی کے ساتھ کہا ۔
ہاں بھئی کھانے کے بعد ان لوگوں نے ناچ گانے کا پروگرام رکھ دیا اور مجھے ان لغویات سے کوئی دلچسپی نہیں، وہی وقت جو راگ رنگ بسر کیا جائے، اپنے بیوی، بچوں میں کیوں نہ صرف کیا جائے، میں تو سیٹھ علی بھائی سے سچی کہہ کر واپس آگیا ۔
سلمیٰ نے خراج تحسین پیش کیا ۔
"ہمارے بھائی صاحب تو ولی اللہ ہوتے جا رہے ہیں روز بروز !"
جاوید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا،

" یہ سعادت ہم بدنصیبوں کے حصے میں کہاں ؟"

" واہ بھائی صاحب یہ کیوں ؟ — یہ کیا کہا آپ نے ؟"

" ارے بھئی اور کیا — مجھے تو اس میں شبہ ہے کہ یہ جو آمدنی ہوتی ہے جائز اور حلال بھی ہے یا نہیں — ؟

" ارے یہ کیوں ؟"

اور کیا — صبح سے شام تک نہ جانے کتنا جھوٹ بولنا پڑتا ہے غلط رجسٹر، انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے رکھنا پڑتے ہیں، اسمگلنگ اور چوری کا مال آجاتا ہے۔ اسے بھی ہم خرید لیتے ہیں اور منہ مانگے داموں فروخت بھی کر ڈالتے ہیں، کوئی گاہک کسی چیز کی قیمت پر الجھتا ہے تو اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اسے فریب دیتے ہیں اور بڑے زور سے اسے یقین دلاتے ہیں، ارے صاحب اسے تو ہم خرید کے داموں بیچ رہے ہیں، نفع آپ سے لے ہی نہیں رہے، حالانکہ کس کے نفع لیتے ہیں۔ ان کھلی ہوئی بے ایمانیوں کے بعد بھی اگر ہم جیسے لوگ ولی اللہ ہو سکتے ہیں تو شیطان بیچارہ واقعی بے گناہ مارا گیا۔"

سلمیٰ ہنس پڑی، کہنے لگی۔

" بھائی صاحب تو ہر بات میں مذاق کا پہلو نکال لیتے ہیں —"

عائشہ نے بھی فضا کو زیادہ خوشگوار بنانے کے لئے کہا۔

بس ان کی یہی باتیں گاہکوں کا دل لبھا لیتی ہیں اور وہ بیچارے اپنا گلا کٹوا کر چلے جاتے ہیں !"

سلمیٰ نے شریر آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

" کیوں بھائی صاحب ؟ سنا آپ نے آپا کیا کہہ رہی ہیں ؟"

وہ گویا ہوا۔

" ان کی ان سنی تو ہمیشہ سنتا رہتا ہوں !"

عائشہ بولی۔

" ہاں — ایک کان سے سنتے ہیں دوسرے سے اڑا دیتے ہیں !"

جاوید نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔
" اگر یہ فن نہ آتا تو تم زندہ رہنے دیتیں بھلا ؟"
وہ بولی۔
" یہ لو — تو کیا میں قاتل ہوں ؟"
جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔
" قاتل بھی اور مسیحا بھی !"
سلمیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔
" آج تو بھائی صاحب بڑے موڈ میں نظر آرہے ہیں !"
وہ بولا۔
" اور نہیں تو کیا۔ وہاں کے راگ رنگ میں شریک ہوتا تو یہ گھر اور گھریلو مجلس جس میں لطف ہی لطف ہے کہاں سے میسر آتی ؟"
سلمیٰ نے اقرار میں گردن ہلائی اور کہنے لگی۔
" ہاں یہ بات تو ہے بھائی صاحب !"
دفعتہً جاوید کی نظر میز پر پڑے ہوئے اس قورمے کے سیل رواں پر پڑی جو فرخندہ نے سہیل پر کھینچ مارا تھا اور جسے جلدی اور گھبراہٹ میں یہ لوگ صاف کرنا بھول گئے تھے، جاوید نے کہا۔
" یہ نہر کیسی ہے ؟"
ذرا کے ذرا عائشہ اور سلمیٰ کا رنگ رخ بدل گیا، لیکن فوراً ہی سلمیٰ نے بات بنائی کہنے لگی۔
" سہیلہ کے ہاتھ سے قورمے کی ڈش گر پڑی —"
جاوید نے محبت بھری نظروں سے سہیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
" غلط — ہماری سہیلہ اتنی بدحواس نہیں ہے، یہ حرکت یا تمہاری ہے یا پھر سہیل کی !"
سلمیٰ خوش ہوگئی کہ چلو بلا ٹلی، کہنے لگی۔

" خوب پہچانا آپ نے ــ!"
جاوید نے مسکراتے ہوئے کہا ۔
" گویا تم نے اعتراف کر لیا کہ یہ حرکت تمہاری ہی تھی !"
وہ مسکرانے لگی اور گویا ہوئی ۔
" ہوا تو ایسا ہی تھا !"
جاوید نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا ؛
کیا زینب بوا چلی گئیں اس گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ــ!"
سہیلہ نے گفتگو میں حصّہ لیتے ہوئے کہا ۔
" جی ابو چلی گئیں ــ"
جاوید نے عائشہ سے پوچھا ،
" عائشہ تم نے بھی نہ روکا ؟"
وہ کسمساتی ہوئی بولی ۔
" بہت روکا ، لیکن ہمیشہ کی جھکّی اور ضدی ہیں ، کسی بات پر اڑ جائیں تو بھلا پھر کس کی سنتی ہیں ؟"
جاوید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ۔
" یہ تو ٹھیک ہے لیکن کم از کم میرے آنے تک تو کسی بہانے سے روک لیتیں ہیں نہ جانے دیتا !"
سلمیٰ بول پڑی ۔
بھائی صاحب یقین کرو ، زینب بوا سے کبھی کبھار ؛ کچھ تلخ کلامی کی نوبت آجائے وہ دوسری بات ہے گھر میں جب برتن ہوتے ہیں تو ایک دوسرے سے ٹکراتے ہی ہیں ، لیکن اس گھر میں کون تھا جو ان کی دل سے عزت نہیں کرتا تھا آپ ماں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے ، آپا تو ان کی ہر بات بے چوں وچرا مان لیتی تھیں ، میں نے بھی ہمیشہ ان کا خیال رکھا ، سہیلہ اور سہیل کو ، اکثر وہ ڈانٹ ڈپٹ دیتی تھیں ، مگر کیا مجال جو کسی نے الٹ کر جواب دیا ہو ، سہیل اتنا

بدمزاج اور اکڑ دخاں ہے لیکن ان کی کڑوی کسیلی باتوں کا جواب اس کے پاس ایک تھا۔ تبسّم فرخندہ کو بہت چاہتی تھیں، اس کے لئے کبھی بے سبب کبھی کسی وجہ سے وہ سارا گھر سر پر اٹھا لیتی تھیں، لیکن آپ تک کبھی بات پہنچی۔!"

جاوید نے اکساتے ہوئے کہا۔

"یہ سب ٹھیک ہوگا، لیکن ان کے جانے کا بہت صدمہ ہوا!"

سلمٰی نے کہا۔

"مجھے بھی ہے!"

عائشہ نے سلمٰی سے سوال کیا

"اور مجھے بھی"

وہ بولی۔

"آپ نے تو خوشامد کی حد کر دی ہے حالانکہ مجھے یاد نہیں کہ کبھی اماں کی خدا انہیں غریق رحمت کرے آپ نے اس نے آدھی بھی خوشامد کی ہو، لیکن وہ تو جانے پر تلی ہوئی تھیں!

سہیلہ بیچ میں بول پڑی۔

"میں نے بہت روکا، بڑے واسطے دئے لیکن انہیں نہ ماننا تھا نہ مانیں

عائشہ نے جیسے یاد دلایا۔

سہیل تو ان کے گلے سے لپٹ گیا اور کہنے لگا، بوا ہم تمہیں ہرگز نہیں جانے دیں گے، لیکن ان کی بھی نہ سنی!"

اور پھر جیسے عائشہ کو کوئی بھولی بات یاد آگئی، کہنے لگی۔

سہیل اور سہیلہ کا یا میرا اور سلمٰی کا کیا ذکر، فرخندہ پہ تو وہ جان چھڑکتی تھیں اس نے روکا اور بلک بلک کر روئی، ان کا دامن پکڑ لیا، اپنا اور عارفہ کا واسطہ دیا، لیکن اس سے بھی دامن چھڑا کر چلی گئیں۔ تم ہوتے تو کیا کر لیتے؟"

جاوید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

" میرا کہا نہیں ٹال سکتی تھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دن کے واقعہ سے جب تم نے اور سلمیٰ نے بار بار انہیں نکالنے کی دھمکی دی تھی، وہ بہت دلگیر اور ملول رہنے لگی تھیں، خود ہی انہوں نے کہا تھا اب اس گھر کا پانی پینا مجھ پر حرام ہے۔ میں ہوتا تو تسلی اور دل دہی کر کے انہیں روک لیتا بہر حال ـــ"

عائشہ سہم گئی، کہیں لینے کے دینے نہ پڑ یں جائیں اور بات بڑھ جائے اس نے کہا۔

لیکن میں نے تو ہاتھ جوڑ کر ان سے معافی بھی مانگ لی تھی، بھرے گھر میں!"

سلمیٰ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں تو ان سے لپٹ گئی تھی کہ جب تک معاف نہیں کر دو گی، تمہارا دامن نہیں چھوڑوں گی!"

عائشہ نے یاد دلایا۔

اور بظاہر انہوں نے معاف بھی کر دیا تھا، لیکن یکایک نہ جانے کیا جی میں آئی کہ ـ"

سلمیٰ نے گرہ لگائی

نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی نکل گھر سے پھر راہ جنگل کی لی

دی بن باس لیا اور چلی گئیں نہ جانے کہاں ـ

گرمند لہجہ میں جاوید نے کہا۔

" اصل پریشانی اور تشویش تو یہی ہے کہ نہ جانے کہاں چلی گئیں؟ اس دنیا میں نہ ان کا کوئی عزیز ہے، نہ رشتے دار، آج تک میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے انہیں کہیں آتے جاتے، یا کسی کو ان کے پاس آتے جاتے نہیں دیکھا آخر کہاں گئی ہوں گی ـــ؟"

پھر کچھ سوچتا ہوا وہ کہنے لگا،

بیچاری کے پاس نہ دھن ہے نہ دولت، نہ کرایہ، جہاں بھی جائیں گی، گزارا کیسے کریں گی؟ آن اتنی ہے کہ کسی کا احسان لینا گوارا نہیں کر سکتیں!"

سلمیٰ نے کہا۔
"صاحب یہ تو نہ کہیئے!"
جاوید نے پوچھا۔ کیا نہ کہوں؟"
یہی کہ ان کے پاس دھن دولت نہیں تھا۔!
"تو کیا تھا؟" "ضرور تھا۔"
"بے وقوف ہو تم تو۔۔ اس بے چاری نے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی ساری زندگی اس گھر میں گزاری اور تنخواہ کے نام سے یا انعام اکرام کے طور پر ایک پیسہ لینے کی روادار نہیں ہوئیں۔ ان کے پاس دھن کہاں سے آیا؟ دولت کہاں سے ملی انھیں؟" سلمیٰ جیسے چونک پڑی کہنے لگی۔
پھر اتنی ڈھیر ساری اشرفیاں جو میں نے اس دن اُسکے پاس دیکھی تھیں، وہ کہاں سے آئیں!"
جاوید کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ غصے کے عالم میں اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔
"تم جھوٹی ہو، بکواس کر رہی ہو، میں اس طرح کی باتیں پسند نہیں کرتا!"
اور کمرے سے نکل گیا۔ عائشہ اور سلمیٰ حیرت سے اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔

(۸)

جاوید کے اس طرح چلے جانے کے بعد سہیلہ تو چپکے سے کھسک گئی
عائشہ اور سلمیٰ بیٹھی رہیں، جیسے زمین نے ان کے پاؤں پکڑ لئے ہوں۔
تھوڑی دیر تک یہی کیفیت طاری رہی پھر عائشہ نے کہا۔
" بنتی بڑی عقلمند اور ذہین ہو، لیکن تم سے بڑھ کر احمق کوئی نہیں!"
آخر اشرفیوں کا جھوٹا قصہ لے کر بیٹھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟ جب
کہ ہماری ساری باتیں وہ مانتے چلے آرہے تھے ۔؟
ندامت اور پشیمانی کے ساتھ سلمیٰ نے کہا۔
" ہاں آپا بڑی چوک ہو گئی!"
وہ بگڑتی ہوئی کہنے لگی۔
" ہماری باتوں کا ان پر اتنا اثر ہوا تھا کہ وہ ذرا دیر میں زینب کو اور اس کے
رخصت ہو جانے کو بالکل بھول جاتے، پھر کبھی اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لاتے
میں ان کا مزاج پہچانتی ہوں!"
سلمیٰ نے کہا۔
" واقعی بڑی غلطی ہوئی آپا"
عائشہ بولی ۔
" لیکن جانتی ہو اس غلطی کا جسے تم معمولی سمجھ رہی ہو اور جو درحقیقت

مہلک ہے، انجام کیا ہوگا ؟"

سلمیٰ پوچھ تو نہ سکی کہ انجام کیا ہوگا۔ لیکن منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

عائشہ نے غمگین لہجہ میں بتایا،

" اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ کنوئیں میں بانس ڈال دیں گے اور زینب کا کھوج نکال کر رہیں گے اور جس دن وہ برآمد ہوئی۔ اس دن سوچ لو کیا ہوگا ؟ —— یہ سارا طلسم جو میں نے اور تم نے اتنی محنت مشقت سے بنایا تھا، پاش پاش ہوجائے گا۔ اس وقت تو وہ صرف خفا ہو کر گئے ہیں، پھر ان کے غصے کا تماشہ دیکھ لینا !"

بڑی بے بسی کے ساتھ سلمیٰ نے کہا۔

" آپا وہ تو ٹھیک کہا تم نے لیکن سوال یہ ہے اب کروں کیا ؟"

عائشہ نے اس سے زیادہ بے بسی کے ساتھ کہا۔

" میری خود عقل دنگ ہے میں کیا بتاؤں ؟ — تیر پھر خالی نکل گیا۔ خدا خیر کرے۔"

سلمیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، وہ کہنے لگی۔

یہ بڑھیا (زینب) اور یہ لونڈیا (فرخندہ) تو ہمارے لئے بلائے جان بن گئی ہیں، نہ جانے کب چھٹکارا ملے گا ان سے !"

فکر مند لہجہ میں عائشہ نے کہا۔

" یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن آج کام بہت بری طرح بگڑا ہے اور مجھے تو ایک اور بات بھی پریشان کر رہی ہے۔"

سلمیٰ نے دریافت کیا۔

" وہ کیا آپا ؟"

عائشہ نے بتایا۔

کہیں فرخندہ کی بچی نے آج کی ساری باتیں ماموں جان کے سامنے اُگل دیں، تو کیا ہوگا؟

سلمیٰ نے اُسے یقین دلایا۔

"ایسا نہیں ہوگا آپا اطمینان رکھو!"

عائشہ نے متحیر ہوکر اس کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔

"یہ پیش گوئی کس بنیاد پر کر رہی ہو؟"

وہ اکتائے ہوئے لہجہ میں کہنے لگی۔

"تم نے اس کے قدموں پر دوپٹہ رکھا تھا میں سر رکھ دوں گی، آخر اس کے سینے میں دل ہے پتھر تو نہیں ہے جو کسی حالت میں نہیں پسیجتا!"

* * *

(۹)

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ فرخندہ کسی کام سے ادھر گزری، عائشہ نے آہستہ سے کہا۔

"فرخندہ اس طرف آرہی ہے، اسے بلاؤ۔"

سلمیٰ نے آواز تو نہیں دی، لیکن جب آنکھیں جب آنکھیں چار ہوئیں تو اشارے سے بلایا، وہ اندر آگئی۔ عائشہ نے بڑے نرم لہجہ میں کہا۔

"کھڑی کیوں ہو بیٹی، بیٹھو، بیٹھ جاؤ!"

وہ بیٹھ گئی۔ عائشہ نے آغاز کلام کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں بیٹی اب تک خفا ہو؟"

وہ ذرا تلخ لہجہ بولی۔

"مجھے اپنی حیثیت معلوم ہے، ایک ناخواندہ مہمان کی طرح اس گھر میں رہ رہی ہوں۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ اس گھر میں کوئی بھی مجھے پسند نہیں کرتا، اور جھوٹ کیوں بولوں، خود میرا بھی یہی حال ہے لیکن بیزاری اور نفرت کے باوجود شرافت کا دامن تو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کیا آپ کہہ سکتی ہیں جو تماشہ اس کمرے میں ابھی ذرا دیر پہلے ہوا وہ ٹھیک تھا؟"

عائشہ کا لہجہ اور زیادہ نرم ہو گیا، کہنے لگی۔

"بیٹی نفرت اور بیزاری کی بات تو رہنے دو، یہ تمہاری غلط فہمی ہے جو ایک وقت آئے گا کہ انشاء اللہ رفع ہو جائے گی۔ لیکن اس وقت مجھے

ایک دوسری بات کہنی تھی۔

فرخندہ نے بغیر کسی طرح کا اشتیاق ظاہر کئے ہوئے دریافت کیا۔

" کون سی بوت ؟"

وہ بولی۔

یقین کرو اسہیل کی باتوں پر میں حد درجہ نادم ہوں، دیکھ لینا اس کی کس طرح خبر لیتی ہوں!

فرخندہ کا جی چاہا کہہ دے آپ خود سہیل سے کب کم ہیں؟ آج ہی ابھی ذرا دیر پہلے بھی اسی کی زبان بول رہی تھیں، جیسا بیٹا ویسی ماں، دونوں میں فرق ہی کیا ہے؟"

لیکن یہ بات اس کی زبان تک نہ آسکی، آخر بزرگی کا لحاظ بھی "قانونی چیز ہے بولی تو صرف اتنا۔

جو ہونا تھا ہو گیا، اب بات بڑھانے سے کیا حاصل؟"

سلمیٰ نے محبت اور عقیدت کے پھول برساتے ہوئے عائشہ سے کہا دیکھا آپا میں نہ کہتی تھی فرخندہ نبھری بھرائی ہے، کسی بات پر غصہ آیا آگیا لیکن یہ نہیں کہ بات دل میں رکھے، تم سہیل کی خبر لینے کو کہہ رہی ہو اور وہ منع کر رہی ہے اللہ جانتا ہے صورت اور سیرت میں بالکل اپنی ماں ہے اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اس جان ہار کو۔

فرخندہ ان باتوں سے پگھلتی تو کیا سمجھ رہی تھی، یہ صرف شاطرانہ" باتیں ہیں اور کوئی "خاص قصہ" ان لوگوں کے پیش نظر ہے، اس نے اس خراج تحسین سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر پوچھا۔

آپ نے مجھے بلایا کیوں تھا اس وقت؟"

عائشہ نے جواب دیا۔

" بیٹی تم اپنے ماموں کا مزاج جانتی ہو، تمہارے اور سہیل کے جھگڑے کی داستان ان کے کانوں تک پہنچی تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا، میں چاہتی

ہوں، ان سے کچھ نہ کہنا، ویسے جو سزا تجویز کرو، سہیل کو تمہارے سامنے دینے کو تیار ہوں!"

فرخندہ چپ چاپ عائشہ کی باتیں سنتی رہی، پھر بولی -

"لیکن یہ خیال آپ کے دل میں کیوں آیا کہ میں ماموں جان سے کسی کی شکایت کروں گی؟ — یہ میری عادت ہی نہیں ہے - نہ میری یہ خواہش ہے کہ آپ کسی کو سزا دیں، البتہ اتنا ضرور چاہتی ہوں کہ انہیں سمجھا دیں کہ نہ میرے بارے میں کچھ کہا کریں، نہ مجھ سے بات کرنے کی زحمت گوارا کریں مجھے ان سے کوئی مطلب نہیں وہ مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں -!"

* * *

(۱۰)

عائشہ نے خاموشی سے فرخندہ کی باتیں سن لیں پھر کہا۔

" اچھی طرح سمجھا دوں گی بیٹی لیکن آخر کو وہ تیرا بھائی ہے!"

فرخندہ نے جواب دیا۔

" اس سے میں انکار نہیں کرتی!"

سلمٰی نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

" بہن بھائی میں لڑائی بھی ہوتی ہے، دنگا فساد بھی، مار پیٹ تک ہو جاتی ہے، لیکن ادھر لڑائی ہوئی، ادھر صلح ہو گئی، آج منہ پھولا ہوا ہے۔ کل باتیں ہو رہی ہیں!"

بے پروائی کے ساتھ فرخندہ نے کہا۔

" ہوتا ہوگا!"

سلمٰی نے بڑے پن کی شان سے کہا۔

" ہاں بیٹی ہوتا ہے، سہیلہ اور سہیل میں کچھ کم لڑائی ہوتی ہے جب لڑتے ہیں معلوم ہوتا ہے ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہیں!"

فرخندہ نے سوال کیا۔

" آپ کے خیال میں یہ ٹھیک ہے؟"

سلمٰی کچھ شرمندہ سی ہو گئی، کہنے لگی۔

" یہ میں کب کہتی ہوں، بری بات بری ہی کہی جائے گی!"

میں بھی یہی چاہتی ہوں ؟"

" وہ تو ہو لیا ، لیکن اتنی خفگی بھی کیا کہ نہ بات کرنا منظور نہ اپنا ذکر سننا گوارا !"

" میری کچھ عادت ہی ایسی ہے !"

لیکن بیٹے یہ تو کچھ اچھی عادت نہیں ، بھائی بہن کا رشتہ ایسا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا بھلا کہیں گوشت سے ناخن بھی جدا ہوا ہے ؟"

خالہ جان مجھے ایسا مشورہ نہ دیں ، جسے میں قبول نہ کر سکوں - ایک بات میں نے مان لی ہے ایک آپ کو مان لینی چاہیئے -

" یعنی تم دونوں کی ایک دوسرے سے لڑائی رہنے دوں ؟ میرے جیتے جی تو ایسا نہیں ہو سکتا کسی طرح !"

عائشہ نے اب تک ان دونوں کی بات چیت میں مداخلت نہیں کی تھی اب وہ بولی -

" خود سہیل تم سے معافی مانگ لے تو ؟ - کیا پھر بھی اسے معاف نہ کرو گی ؟ بتاؤ !" وہ بولی -

" نہ معافی کی ضرورت ہے نہ معذرت کی ، میں تو صرف ایک بات چاہتی ہوں !"

" وہ کیا ؟ " کون سی بات ؟"

" صرف یہ کہ آئندہ ایسی باتوں کا اعادہ نہ ہو !"

" وہ تو نہیں ہو گا کسی طرح !"

اور اس کی صورت یہی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بالکل غیر متعلق ہو جائیں !"

یہ بڑا سخت فیصلہ ہے تمہارا

" دیکھئے نا سہیلہ کے اور میرے تعلقات بھی خراب ہیں وہ مجھے جب موقع ملتا ہے جلی کٹی سناتی رہتی ہے لیکن اس کے بارے میں تو یہ نہیں کہتی اس کی جلی کٹی باتوں میں وہ درندگی نہیں ہے جو اس کے بھائی کی باتوں میں ہے !"

سلمیٰ کھلکھلا کر ہنس پڑی ،

" اب تک لڑکپن نہیں گیا۔ دیکھا آپا، فرخندہ بیگم سہیل کا نام بھی زبان پر نہیں لانا چاہتیں !"

یہ کہہ کر وہ پھر ہنس پڑی ۔

عائشہ نے کہا ۔

"لیکن ماننا پڑے گا آج سہیل نے بڑی ناشائستہ اور غیر شریفانہ باتیں کیں ۔"

" وہ تو میں بھی مانتی ہوں !"

تو یہ بھی مانو کہ فرخندہ کی خفگی بجا ہے، اسے حق ہے سہیل سے نفرت کرنے کا یہ اس کی شرافت کی انتہا ہے کہ اس کے باوجود سہیل کو سزا دلانا بھی نہیں چاہتی ۔۔ ؟"

٭ ٭ ٭

(۱۱)

تھوڑی دیر کے بعد فرخندہ اُٹھ کر چلی گئی ۔
فرخندہ کے جانے کے بعد سلمیٰ نے کہا ۔
" آپا دیکھا تم نے ۔ ؟"
عائشہ نے عارفانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا ۔
" تم دیکھو !"
سلمیٰ کو جیسے غصّہ آگیا ، کہنے لگی ۔
میں کہتی ہوں یہ حرامزادی آخر اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے ؟ ۔ کہیں کسی دن میرا ہاتھ نہ اُٹھ جائے ، صرف بھائی کے ڈر سے خاموش ہوں !"
عائشہ نے کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ۔
" ہاں بھئی ان سے اس معاملے میں ڈرنا ہی چاہیے ۔ فرخندہ کے بارے میں وہ اتنے جذباتی ہوگئے ہیں ، جس کی انتہا نہیں !"
" صرف فرخندہ کے بارے میں ۔ زینب کے بارے میں نہیں !"
" ہاں اس کے لئے بھی !"
" ہم لوگوں کے سوا وہ کسی کی ضرورت سے زیادہ قدر نہیں کرتے جو برتاؤ ان کا فرخندہ کے ساتھ ہے کیا وہی سہیلہ اور سہیل کے ساتھ بھی ہے ؟"
" توبہ کرو ۔ !"

حالانکہ یہ دونوں ان کے لخت جگر ہیں ۔"

"ان کی لختِ جگر تو صرف فرخندہ ہے !"

"اچھا اب ایک بات سوچو !"

"وہ کیا سلمیٰ ؟"

"فرخندہ کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا ، بھائی صاحب سے وہ سہیل کی شکایت نہیں کرے گی ۔"

"ہاں اس کا تو مجھے بھی یقین ہے !"

"لیکن اگر وہ بڑھیا دستیاب ہو گئی تو کیا ہو گا ؟"

"میں خود اسی فکر غلطاں پیچاں ہوں ۔"

"یہ کمبخت امجد بھی ہمارے کام کا نہیں !"

نام نہ لو ، نمک حرام کا زینب پر تو جیسے عاشق تھا ، کیا کوئی بیٹا ماں کو اتنا چاہے گا جتنا وہ "زینب پر فدا تھا ۔

"سچ پوچھو تو ہمارے نمک میں لس نہیں ہے !"

واقعی بالکل نہیں ہے ! اس کمبخت امجد کو تو انعام واکرام بھی خوب ملتا رہتا ہے ، لیکن وہی کتے کی دُم بارہ برس بھی زمین میں گڑی رہے تو بھی ٹیڑھی کی ٹیڑھی !"

امجد اگر قابو میں ہوتا تو بہت سے کام بن سکتے تھے !"

"ہاں ۔ لیکن کیا کیا جائے ؟"

ایسا نہیں ہو سکتا ، امجد کی جگہ کوئی دوسرا آدمی رکھ لیا جائے جو ہمارے اشاروں پر چلے !

دوسرا آدمی تو رکھا جا سکتا ہے ، لیکن امجد کی جگہ نہیں !"

"بھائی صاحب امجد کو نہیں نکالیں گے ؟"

"ہرگز نہیں ، اور اگر اس کی تحریف کی گئی تو خفا ہو جائیں گے انہیں امجد پر بہت زیادہ اعتماد ہے !"

" پھر بھی دوسرا آدمی رکھ ہی لینا چاہیئے !"

" کیوں ؟ — فائدہ — ؟"

"کم از کم ایک آدمی تو خاص اپنا رہنا چاہیے ، جس سے ہم جب اور جو کام چاہیئں لے سکیں !"

" نہیں سلمیٰ فی الحال یہ مناسب نہیں ہے اس طرح حالات اور زیادہ ابتر ہو جائیں گے !"

" تم جانو !"

٭ ٭ ٭

(۱۲)

دوسرے روز ناشتے پر گھر کے سب لوگ جمع ہوئے تو ابھی کھچاؤ باقی تھا جاوید کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، سہیل خاموش تھا، لیکن صاف معلوم ہو رہا تھا حد درجہ برہم ہے سلمیٰ اور عائشہ کو بھی چپ لگی ہوئی تھی، فرخندہ کے چہرے پر اداسی برس رہی تھی سہیلہ بار بار فرخندہ کو نفرت بھری نگاہوں سے گھور رہی تھی اور جب آنکھیں چار ہو جاتیں تو فوراً نظریں نیچی کر لیتی ۔

آج ناشتے پر نہ قہقہے تھے، نہ دل لگی، سب خاموش تھے، جیسے ایک فرض ادا کرنے آ گئے ہوں اور جلد از جلد رخصت ہو جانا چاہتے ہوں — ! چنانچہ ناشتے سے فراغت کے بعد سب سے پہلے فرخندہ اٹھی اور اپنے کمرہ میں چلی گئی، پھر سہیلہ نے ایک جمائی لی، اور وہ بھی رخصت ہو گئی، اس کے بعد سہیل ابھی وہ جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ جاوید نے ٹوکا۔

"کہاں چلے ؟"

وہ بولا ۔

"کہیں نہیں — !"

جاوید نے ذرا درشت لہجے میں کہا۔

"بیٹھ جاؤ — مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے !"

وہ بیٹھ گیا، سلمیٰ اور عائشہ نے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھا

دونوں کا - اور شاید سہیل کا بھی - دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، دونوں
کے دل میں ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا -
ضرور رخشندہ نے شکایت کی ہے !"
خود سہیل کا بھی یہی خیال تھا -
جاوید نے کہا -
تم تین سال سے میٹرک کا امتحان دے رہے ہو اور ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ
شان دار طور پر فیل ہو رہے ہو، پہلی مرتبہ تین سبجیکٹ میں فیل ہوئے، دوسری مرتبہ
چار میں، اس مرتبہ میں تمہاری عمر ۲۱ سال سے زیادہ ہو چکی ہے تمہارے لئے میں
نے بہت سے ماسٹر رکھے، تمہاری تعلیم پہ پانی کی طرح روپیہ بہایا، مگر نتیجہ؟
وہی ڈھاک کے تین پات، آخر تم چاہتے کیا ہو -"
سہیل نے جواب میں کہا -
" مجھے انگلینڈ بھیج دیں - !"
جاوید کو غصہ آگیا، اس نے کہا -
" وہاں جا کر کیا کرو گے ؟"
سہیل نے جواب دیا -
" پڑھوں گا !"
" اس طرح جیسے یہاں اب تک پڑھتے رہے ہو - ؟"
سہیل خاموش بیٹھا رہا، جاوید نے کہا -
اگر تم نے بی اے نہ سہی ایف اے بھی کر لیا ہوتا تو بے شک میں تمہیں
انگلینڈ بھیج دیتا، لیکن جو لڑکا تین مرتبہ میٹرک کے امتحان میں فیل ہو چکا ہو اسے
انگلینڈ بھیج کر اپنا روپیہ ضائع کرنا میں پسند نہیں کرتا !"
سلمٰی نے بہت کوشش کی کہ اس گفتگو میں حصہ نہ لے، لیکن خاموش
نہ رہ سکی، کہنے لگی -
" کیا آپ کے سہیل دو دو ہیں ؟"

جاوید نے چونک کر پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

وہ کہنے لگی۔

" آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ تمہیں انگلینڈ بھیج کر میں اپنا روپیہ برباد نہیں کر سکتا!"

" تو غلط کہا میں نے؟"

" اور نہیں تو کیا۔ جو کچھ آپ کا ہے کیا وہ سہیل کا نہیں ہے؟"

" جو روپیہ میں نے کمایا ہے۔ وہ صرف میرا ہے۔ اور میں نے بڑی محنت سے یہ دولت کمائی ہے، میں اس کی قدر کرنا جانتا ہوں۔"

پھر ذرا اور زیادہ برہمی کے انداز میں اس نے کہا۔

" تم لوگوں کے بے جا لاڈ پیار نے اس لڑکے کو کہیں کا نہیں رکھا ہے یہ بالکل نکما اور نالائق ہے اگر اس نے اپنے اطوار نہ بدلے تو میں اسے عاق کر دوں گا، میری دولت میں سے ایک پائی بھی اسے نہیں ملے گی! میں اپنی تمام جائداد عائشہ اور سہیلہ کو اس کا شرعی حق دے کر اور قبر کے لئے وقف کر دوں گا۔!"

پھر اس نے سہیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

" اس بھول میں نہ رہنا کہ دولت مند باپ کے بیٹے ہو" میراث پدر خواہی علم پدر آموز! اگر باپ کی دولت چاہتے ہو تو بنو بھی وہ جو باپ ہے۔ بس مجھے یہی کہنا تھا، اب تم جا سکتے ہو!"

سہیل اٹھا اور باہر چلا گیا، اس کے جانے کے بعد عائشہ نے کہا

" روتا ہوا گیا ہے۔"

جاوید نے جواب دیا۔

" یہ آنسو متاثر نہیں کر سکتے!"

سلمٰی بول پڑی ۔

"بڑے سنگ دل ہیں آپ بھائی صاحب، بھلا کوئی جوان لڑکے کے ساتھ یہ برتاؤ کرتا ہے!"

جاوید نے تلخ لہجہ میں کہا ۔

"میں اس سے برابر برتاؤ بھی کر سکتا ہوں ۔ میں اسے گوارا نہیں کر سکتا کہ میرے بعد یہ ساری دولت اور جائداد صاحبزادے رنگ رلیوں میں اڑا دیں، یا تو انہیں راہ راست پر آنا پڑے گا، ورنہ ہر چیز سے برطرف ہونا پڑے گا اس کے بگاڑنے میں جتنا حصہ عائشہ کا ہے اتنا ہی تمہارا بھی ہے، اس کی بے طرف داری کرنے کی بجائے اسے سمجھاؤ، اسے بتاؤ کہ دنیا میں جاہلوں کی کوئی جگہ نہیں ہے اگر باعزت زندگی بسر کرنا ہے، تو علم حاصل ہی کرنا پڑے گا۔"

پھر اس نے عائشہ سے کہا ۔

"کان کھول کر سن لو صرف ایک سال کی مدت دیتا ہوں، اسی مدت میں اگر اس نے اپنے کو سنبھال لیا اور اہل ثابت کر دیا تو میں خود اپنے ساتھ لے کر اسے انگلینڈ جاؤں گا ۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر اس گھر میں بھی اس کی کوئی جگہ نہیں ہو گی، کان پکڑ کر گھر سے نکال دوں گا!"

جاوید کے یہ الفاظ خالی خولی دھمکی نہیں تھے وہ جو کچھ کہتا تھا کر بھی گزرتا تھا ۔ یہ سوچ کر عائشہ کانپ گئی، اس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا

"کہہ دوں گی، سمجھا دوں گی، لیکن تم بھی اپنا رویہ بدلو!"

"میں اپنے رویے میں کیا تبدیلی کروں؟"

"ماشاءاللہ جوان جہان لڑکا ہے، اتنی سختی کرو گے، تو ہاتھ دھو لو گے اس سے!"

"کیا کرے گا وہ؟"

"یہ میں کیا جانوں؟ نہ جانے کیا کرے؟ ممکن ہے گھر چھوڑ کر نکل کھڑا ہو وہ نیک بن کر دیکھ لے پھر اگر سختی کروں تو ضرور ٹوکو، لیکن اگر وہ اپنے

اطوار نہیں بدلتا۔ اگر وہ جاہل رہنا پسند کرتا ہے تو قبل اس کے کہ وہ گھر چھوڑ کر نکل کھڑا ہو، میں خود ہی اسے نکال دوں گا!"

"پھر وہی —"

"ہاں عائشہ، یہ میرا فیصلہ ہے اور میں اپنے فیصلے نہیں بدلا کرتا!"

سلمیٰ نے اپیل کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب یہ تو سوچیئے اللہ نے صرف ایک لڑکا دیا ہے آپ کو!"

"بہت اچھی طرح سوچ چکا وہ لڑکا اگر میرے کام کا نہیں ہے تو مجھے نہیں چاہیے اگر وہ مر جائے تو مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہوگا!"

عائشہ چیخ پڑی۔

"خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو!"

سلمیٰ رونے لگی۔

جاوید اٹھا اور باہر چلا گیا۔ جھلّایا ہوا۔

* * *

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام

(۱)

"دوسرے دن جاوید حسب معمول اپنے دفتر گیا، کل کی ناخوشی کا اثر اب تک چہرے سے عیاں تھا، جاتے وقت اس نے نہ سہیلہ سے بات کی نہ عائشہ سے نہ کسی اور سے!"

لیکن دفتر جاکر وہ واپس نہیں آیا، اس کی لاش واپس آئی۔

واقعہ یہ ہوا کہ اس کی کار سے ایک ٹرک آکر ٹکرایا اور آن کی آن میں اسے کچلتا ہوا نکل بھاگا۔

کار کے پنچے پرچے اڑ گئے، اس کا بھیجہ کھوپڑی سے باہر نکل آیا اور دم کے دم میں وہ دنیا سے رخصت ہوگیا۔

جاوید کی لاش جب گھر میں آئی تو کہرام بپا ہوگیا۔

عائشہ پر بار بار بے ہوشی کے دورے پڑ رہے تھے، سلمیٰ کا روتے روتے بُرا حال تھا۔ سہیلہ پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ امجد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا، فرخندہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی، لیکن لب خاموش تھے۔

زند اور سہیل ؟

سہیل کے چہرے پر نہ غم کے آثار تھے، نہ آنکھوں سے تراوش خون جگر ہو رہی تھی۔

اس نے اس حادثے کو یوں برداشت کر لیا تھا، جیسے اس میں نہ کوئی ندامت ہے نہ عبرت،

اور پھر جب جاوید کا جنازہ گھر سے باہر نکلا، تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قیامت آگئی ہے، ہر شخص پایال تھا، کوئی نہ تھا، جس کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں نہ ہو۔

جاوید کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا، اس میں سب طرح کے لوگ تھے کاروباری اصحاب بھی، تجارت پیشہ لوگ تھے، حکام بھی اور معززین شہر بھی وہ مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے، دوست سب کا، دشمن کسی کا نہیں اور اس کے بھی دوست حد شمار سے خارج اور دشمن کا ڈھونڈے سے بھی سراغ ملنا مشکل۔

پاس پڑوس میں بھی اس کی بڑی عزت تھی، وہ سب کے کام آتا تھا سب سے ہمدردانہ برتاؤ کرتا تھا، لوگوں کی مشکلیں آسان کرنے میں اسے لطف آتا تھا۔ اسے وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

قبرستان کی طرف جب جنازہ چلا، تو ایک خلقت ساتھ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کسی بہت بڑے شخص کا جنازہ چلا جا رہا ہے۔

تجہیز و تکفین کے بعد، خاص خاص دوست پھر واپس آئے، انہوں نے عائشہ اور سہیل سے اظہار ہمدردی کیا۔

عبدالخالق فیت والا نے سہیل سے کہا۔

تم اپنے باپ سے محروم ہوئے، میں اپنے بہت اچھے دوست سے محروم ہو گیا۔ بیٹے بھابی کو میرا پیغام پہنچا دو کہ بے شک اب جاوید واپس نہیں آسکتا، لیکن اس کے دوست موجود ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں ہر

وقت ان سے خدمت کی جا سکتی ہے ۔"

سیٹھ قربان علی نے شفقت کے ساتھ سہیل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ، جب کوئی ضرورت ہو، کوئی کام ہو، ہم حاضر ہیں چاکر کی طرح خدمت کرنے کو خدا مرحوم کی مغفرت کرے ، ان کا کوئی دوست ایسا نہیں ہے جس پر ان کے احسانات نہ ہوں !"

فدا علی قمرالدین بھائی نے کہا ۔

" اب تم ہی اس کاروبار کے مالک اور اس گھر کے سربراہ ہو !"

سہیل نے پوری خود اعتمادی کے ساتھ کہا ۔

" جی ہاں اب تو ذمہ داریوں کا سارا بوجھ مجھی پر آپڑا ہے ۔ اور میں انہیں انجام دوں گا !"

پاس بیٹھے ہوئے نورالدین مالک بیرسٹر لاڈ نے کہا ۔

" ہاں ۔ لیکن اپنی والدہ کے مشورے سے !"

سہیل چونک پڑا ، اس نے مشتبہ نظروں سے بیرسٹر صاحب کو دیکھا اور پوچھا ۔

" آپ کا مطلب کیا ہے ؟"

اس گستاخانہ طرز تخاطب سے بیرسٹر صاحب جز بز تو بہت ہوئے لیکن یہ موقعہ ترکی بہ ترکی جواب دینے کا نہیں تھا کہنے لگے ،

" جس روز فرصت ہو ، تھوڑی دیر کے لئے میرے دفتر آجانا ۔"

سہیل نے ذرا برافروختہ ہو کر سوال کیا ۔

" آپ کے دفتر آنے کی مجھے کیا ضرورت ہے ؟"

بیرسٹر صاحب نے فرمایا ۔

" اس لئے کہ میں اپنے مرحوم دوست کا قانونی مشیر ہوں !"

فدا علی سیٹھ نے دریافت کیا ۔

" شاید جاوید صاحب نے کوئی وصیت کی ہوگی !"

بیرسٹر صاحب نے ارشاد فرمایا۔
" جی ہاں - وصیت نامہ — اتفاق کی بات ہے — ابھی تین دن ہوئے انہوں نے دستخط کئے تھے !"
جیسے کچھ سوچتے ہوئے سیٹھ صاحب نے کہا ۔
" ہاں بھئی وصیت بڑی ضروری چیز ہے - اس زمانے کی اولاد خدا پناہ میں رکھے ۔
منظور حسین ڈی ایس پی نے کہا ۔
" بڑی سخت ضرورت ہے کنٹرول کی نئی پود پر، ورنہ باپ کی کمائی ہوئی ساری دولت آج کل کے صاحبزادے گلچھڑوں میں چند ہی دن کے اندر ختم کر دیتے ہیں !"
پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے صاحب نے کہا ۔
" ہاں صاحب کیا کہا جائے !"
" سیٹھ صاحب نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا ۔
لیکن اس صورتِ حال کی ذمے داری والدین پر ہوتی ہے ۔ اگر وہ اولاد کی صحیح تربیت کریں، معقول تعلیم دلائیں، قدم قدم پر نگرانی کریں تو کیوں یہ دن دیکھنے پڑیں !"
سیٹھ صاحب نے سہیل سے دریافت کیا ۔
" تمہاری عمر کیا ہے بیٹے ؟"
سہیل نے بڑے تذبذب کے بعد جواب دیا ۔
" ۲۲ واں سال شروع ہے !"
سیٹھ صاحب خوش ہو کر کہنے لگے ،
ماشاء اللہ — بیٹے بی اے تو پاس کر لیا ہوگا تم نے ؟"
سہیل نے پہلو بدل کر جواب دیا ۔
" جی نہیں !"
" ایف اے ؟"
" جی نہیں !"

" میٹرک ؟"

" جی نہیں !"

بے ساختہ سیٹھ صاحب کے منہ سے نکلا ۔

" ارے تم تو بالکل ہی جاہل ہو ؟ کیا کرتے رہے اب تک ؟"

اسی بے ساختگی کے ساتھ سہیل نے جواب دیا ۔

" گلی ڈنڈا کھیلتا رہا اور پتنگ اڑاتا رہا !"

سیٹھ صاحب بھی بھتے حاضر جواب فرمایا ۔

" وہ تو بے ہی کہے ، میں نے اندازہ کر لیا تھا ! لیکن بیٹے ، ایک بات سن لو غور سے اس پیر مرد کی ۔ اب بھی وقت نہیں گیا ہے ۔ علم ہر وقت اور ہر عمر میں حاصل کیا جا سکتا ہے ، جب تک علم حاصل نہیں کر لو گے ، باپ کا بزنس نہیں چلا پاؤ گے ، لوگ تمہیں اسامی بنائیں گے اور تم اسامی بننے پر مجبور ہو جاؤ گے ۔"

سہیل دل میں کھول تو رہا ہی تھا ، لیکن بڑے ضبط کے ساتھ اس نے جواب دیا

" میں نے بہت سے ایسے کروڑ پتی دیکھے ہیں ۔ جو الف کے نام بے بھی نہیں جانتے

" یہ سیٹھ صاحب پر چوٹ تھی ۔ واقعی وہ الف کے نام بے بھی نہیں جانتے تھے ۔ لیکن یہ شہر کے سب سے بڑے تو نہیں مہت بڑے تاجر تھے ۔

بے چارے جھینپ کر چپ ہو گئے !

---

(۲)

گھر پر ایک طرح کا حسرت آمیز سناٹا چھایا ہوا تھا۔

وہی گھر تھا، وہی لوگ تھے وہی بام و در تھے، وہی زندگی تھی، لیکن زندگی کی چہل پہل نہیں تھی، جس کے دم سے گھر کی رونق تھی وہ نہ تھا۔ وہ جانِ محفل اُٹھ گیا، جس نے گھر کو جنت کا ٹکڑا بنا رکھا تھا۔

زمانے میں جہاں یہ قوت ہے کہ وہ زخم لگاتا ہے، دل توڑتا ہے، اور تباہیاں لاتا ہے۔ وہاں اس میں یہ طاقت بھی ہے کہ وہ مرہم بھی بن جاتا ہے دکھ اور غم کو فراموش کر دیتا ہے، ایسے غم، جو جان لے لیں یا گل بنا دیں آدمی کو کچھ عرصے کے بعد اس طرح فراموش ہو جاتے ہیں "جیسے ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا!"

جاوید کے انتقال کے بعد، جو گھر ماتم کدہ بن گیا تھا، جہاں سے ہر وقت نوحہ و شیون اور فریاد و فغان کے نالے بلند ہوتے رہتے تھے صرف ۲۰، ۲۵ دن کے بعد معمول پر آگیا۔ اب ہونٹوں پہ تبسم بھی نظر آنے لگا، کبھی کبھی بات پر ہنسی بھی آنے لگی، زندگی کی دلچسپیاں بھی اپنی طرف کھینچنے لگیں، کھانے پینے سے رغبت بھی پیدا ہو گئی اور فرمائشی کھانے پکنے لگے۔ ریڈیو کا سلسلہ اب تک بند تھا اب پھر جاری ہو گیا، صدقہ اور خیرات کا جو سلسلہ ہر روز جاری رہتا تھا، وہ اب قریب قریب بند ہو گیا، سلمیٰ اور عائشہ کے مرجھائے ہوئے چہروں پہ پھر سے رونق اور شگفتگی نظر آنے لگی۔

سہیلہ کی سہیلیاں پھر بکثرت آنے لگیں اور ان کی دعوتیں ہونے لگیں۔
سہیل نے تو رسمیات کی کبھی پرواہ نہیں کی، جاوید کے انتقال کے دوسرے ہی دن سے اس کے دوست احباب کا تانتا لگ گیا، یہ آمادہ گیا اس نے مزاج پرسی کی، اُس نے سیر و تفریح کی دعوت دی، کوئی اپنے دوست کا جی بہلانے کے لئے اسے باہر لے جانے پر مصر رہے۔
ان سب کی خوب خوب خاطر تواضع ہوتی تھی۔
کھانے پکتے تھے، مشروبات پیش کئے جاتے تھے، سگریٹ اڑتے تھے چند روز صرف تبسم سے کام چلتا رہا، پھر دبے دبے قہقہے بلند ہونے لگے اور اب تو تکلف اور آداب کے تمام حدود ٹوٹ چکے تھے۔ فلک شگاف قہقہوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔
ایک روز عائشہ نے سہیل کو بلایا اور کہا۔
"کیوں بیٹے کیا تمہیں اپنے باپ کے مرنے کا غم نہیں ہے؟"
سہیل کو اپنے ایک دوست کے ساتھ کہیں باہر جانا تھا، بہت جلدی میں تھا۔ اس نے کہا۔
امی کس کے ماں باپ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں؟ اور اب تو ابو کے انتقال کو ۲۰ - ۲۵ دن گزر چکے ہیں، غم اس طرح تو نہیں مٹایا جاتا کہ ساری زندگی نوحہ و ماتم میں صرف کر دی جائے!"
یہ صاف اور کھرا جواب سن کر عائشہ پر جیسے بجلی سی گر پڑی، اسے سہیل سے اس جواب کی توقع نہیں تھی وہ دم بخود اسے دیکھتی رہی، سہیل نے ماں کے اس تاثر کو محسوس بھی نہیں کیا، بات ختم کی اور فوراً باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عائشہ نے سلمٰی سے کہا۔
"سنا تم نے؟"
وہ خود بھی عائشہ سے کچھ کم متحیر نہ تھی، کہنے لگی۔
ہاں آپا۔ یہ سہیل کدھر جا رہا ہے؟"

عائشہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ لچھن تو اچھے نہیں ہیں!"

"ہاں بے شک!"

اسے تو باپ کا ذرا بھی غم نہیں ہے!"

"میں نے تو اس دن بھی اسے روتے نہیں دیکھا، جس دن بھائی صاحب حادثے کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں!"

اتنے میں کسی کام سے سہیل پھر ادھر سے گزرا جاتے جاتے واپس آیا تھا شاید کوئی چیز بھول گیا تھا، وہ جلدی جلدی اپنے کمرے میں گیا اور وہاں سے بڑی تیزی کے ساتھ باہر نکلا۔ عائشہ نے ذرا سخت لہجہ میں کہا۔

"سہیل ادھر آؤ!"

وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

"کہہ لیں جو کچھ کہنا ہے جلدی سے، مجھے دیر ہو رہی ہے، دوست انتظار کر رہے ہیں!"

عائشہ نے بگڑ کر کہا۔

بھاڑ میں جائیں تمہارے دوست ـــ تمہیں تو یہ رنگ رلیاں مناتے شرم نہیں آتی؟ یہ ہر وقت نئی مجلس طرازیاں اور سیر و تفریح کے لئے باہر آنا جانا اور دوستوں کا جمگھٹ اور ان کے ہر وقت کے قہقہے اور چہچہے مجھے ذرا بھی پسند نہیں ہیں!"

سہیل نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"آخر آپ چاہتی کیا ہیں؟"

عائشہ نے دو ٹوک جواب دیا۔

"یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے، دوستوں کی یہ کثرت بھی مجھے قطعاً ناپسند ہے!"

برافروختہ ہو کر اس نے کہا۔

"تو تھوڑے سے زہر کا انتظام کر دیں، میرے لئے۔ ابا جان مر گئے

میں بھی مر جاؤں گا، پھر اطمینان سے زندگی بھر اس گھر کو امام باڑہ بنا کر ماتم کرتی اور آنسو بہاتی رہیئے گا - میں تو ایسا نہیں کر سکتا!"

عائشہ نے بگڑ کر بڑے درشت لہجہ میں کہا -

" کمبخت تو یہ بھی نہیں جانتا کہ لوگ کیا کہتے ہوں گے "

" کیا کہتے ہوں گے ؟"

" یہی کہ بڑا ناخلف لڑکا ہے جو باپ کے مرنے پر خوشیاں منا رہا ہے !"

" یہ باتیں وہ صرف اپنے گھر میں کہہ سکتے ہیں۔ میرے سامنے نہیں کہہ سکتے !"

" تو کیا کر لے گا ؟"

" منہ توڑ دوں گا - جب میں کسی کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا نہیں چاہتا تو کوئی اور میرے معاملے میں کیوں دخل دے ؟"

عائشہ نے ہتھیار ڈال دیئے -

" کم از کم ان کا چالیسواں تو ہو جانے دے !"

" وہ بھی اپنے وقت پر ہو جائے گا ! - بلکہ مجھے تو اس دن کا شدت کے ساتھ انتظار ہے !"

سلمیٰ نے پوچھا -

کیوں انتظار ہے شدت کے ساتھ ؟"

وہ بولا -

" اسی روز تو نورالدین صاحب بیرسٹر جو ابو کے قانونی مشیر تھے ان کا وصیت نامہ لا کر گھر بھر کو سنائیں گے اور سارے اختیارات میرے سپرد کر دیں گے ، بغیر اس کے نہ بینک سے روپیہ نکلوا سکتا ہوں ، نہ دوسرے کام انجام دے سکتا ہوں ! - سارا کاروبار چوپٹ ہوا جا رہا ہے - ؟"

" تو کیا آمدنی ان کے مرتے ہی بند ہو گئی - ؟"

" ہوتی ہے - زیادہ تر چیک آتے ہیں ، ہزار پانچسو نقد بھی آجاتے ہیں

ے سے کیا کام چل سکتا ہے، اب تو میں نے چالیسواں تک کے لئے چیک لینا بالکل بند کر دیا ہے!"

"یہ کیوں ؟"

نقد لیتا ہوں ۔ اتنے سارے چیک ہزار ہا روپے کے میز کی دراز میں پڑے ہوئے ہیں، انہیں کیش تو کرا نہیں سکتا ۔!"

آخر اتنا خرچ کہاں سے آن پڑا ہے کہ نقد آمدنی کافی نہیں ہوتی!"

"آپ ٹھہریں عورت آپ بزنس اور کاروبار کو کیا جانیں، یہ کام تو صرف میں جانتا ہوں ۔ جس کا کام اُسی کو ساجے ۔!"

٭ ٭ ٭

(۴)

سہیل کے جانے کے بعد بڑی دیر تک عائشہ اور سلمیٰ گم صم بیٹھی رہیں،
سمجھ میں نہیں آرہا تھا، کیا کہیں، اور کیا کریں؟ سہیل اتنی جلدی اپنے اصل روپ
میں نمایاں ہوجائے گا، اس کا تو وہم وگمان بھی نہیں تھا۔
دونوں دم بخود تھیں، سلمیٰ، عائشہ سے کچھ کہنا چاہتی، عائشہ سلمیٰ سے کچھ
کہنے کی خواہاں تھی، لیکن ہمت کسی کی بھی نہیں پڑتی تھی آغازِ کلام کی۔
اتنے میں ارشاد آگیا ـــ سلمیٰ کا شوہر،
اس نے عائشہ سے کہا۔
"آپا میں ایک بہت بڑی خبر لایا ہوں!"
عائشہ اور سلمیٰ دونوں کا چہرہ سفید پڑ گیا، ڈرتے ڈرتے سلمیٰ نے پوچھا۔
"سب خیریت تو ہے ـــ!"
وہ بولا۔
"ہاں خیریت ہے ـــ!"
وہ کہنے لگی۔
"تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔ آپا کا دل ویسے ہی دکھا ہوا ہے، اک دم سے آئے
اور توپ کا گولا ان کے بیٹے پر مار دیا اور آپا میں ایک بہت بڑی خبر لے کر آیا ہوں
ـــ کیا ہے وہ خبر؟"

ارشاد نے کہا۔

"سہیل کی خبر لیجئے، ورنہ سارا کارخانہ چوپٹ ہو جائے گا!"

عائشہ تو کچھ نہ پوچھ سکی، لیکن سلمیٰ نے ہمت کر کے دریافت کیا۔

آخر بات کیا ہے کچھ کہو بھی تو!"

"تم جانتی ہو میں نے گھر کے معاملات میں نہ کبھی دخل دیا، نہ اب دخیل ہونا چاہتا ہوں، لیکن تم سے اور آپا سے (عائشہ سے) جو محبت ہے اس کی بنا پر اس گھر کو تباہ ہوتے بھی نہیں دیکھ سکتا!"

سلمیٰ نے اکتائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"آخر یہ تمہید کب تک جاری رہے گی، بات تو بتاؤ۔!"

ارشاد نے کہا۔

"سہیل حد سے زیادہ بے راہ ہو گیا ہے، غالباً شراب کا چسکا اسے بہت دنوں سے ہے اب بہت زیادہ پینے لگا ہے، ریس بھی مجھے یقین ہے چھپ کر ایک عرصے سے کھیل رہا ہے، اب تو ہر اتوار کو ہزاروں کے وارے نیارے کر کے آتا ہے بھائی صاحب نے اپنے حق میں چن چن کر بہترین اور تجربہ کار وفادار اور امانت دار لوگ رکھے تھے، یہ چن چن کر انہیں برخاست کر رہا ہے اور ان کی جگہ اپنے دوستوں کو بڑی بڑی تنخواہوں پر رکھ رہا ہے اور جو نہ بزنس سے واقف ہیں نہ تجارت سے اگر یہی لیل و نہار رہے تو کیا آئندہ حال بتانے کے لئے پیشین گوئی کی ضرورت ہے؟"

یہ باتیں سن کر عائشہ اور سلمیٰ دونوں کا چہرہ سفید پڑ گیا، وہ کہنے لگی۔

"تم اسے راہ راست پر نہیں لا سکتے۔"

ارشاد نے کہا۔

"توبہ کرو، میں نے اگر کچھ کہا تو میری شامت آجائے گی، بڑا بدتمیز اور گستاخ ہو گیا ہے، ابھی باہر مجھے ملا تھا، اپنے چند دوستوں کے ساتھ موٹر

میں بیٹھا تھا، میں نے پوچھا۔

" کہاں جا رہے ہو سہیل — ؟"

بغیر کسی جھجک اور تامل کے اس نے کہا۔

" اتوار کے دن ریس کورس کے علاوہ اور کہاں جا سکتا ہوں ؟"

یہ کہا اور موٹر گیر میں ڈالی اور ہوا ہو گیا !

٭ ٭ ٭

(۵)

نہ ارشاد کی کچھ چلی، نہ سلمٰی اور عائشہ کی تلقین اور نصیحت و فصیحت کچھ کام آئی سہیل نے جو راستہ اختیار کر لیا تھا، اسے چھوڑنے پر وہ کسی طرح آمادہ نہ کیا جا سکا، قسمت بھی اس کا ساتھ دے رہی تھی، جاوید نے اپنے وصیت نامے میں سارے اختیارات عائشہ کو سونپ دیئے تھے، اس کے مشورے، ہدایت اور اجازت کے بغیر سہیل کوئی قدم نہیں کر سکتا تھا۔

وصیت نامے کی رو سے پچاس ہزار روپے فرخندہ کی شادی کے لئے الگ کر دیا گیا تھا اور ایک لاکھ روپیہ سہیلہ کی شادی کے لئے متعین کر دیا گیا تھا، سہیل کا جیب خرچ پانچ سو روپے ماہوار قرار پایا تھا، اس سے زیادہ ایک پائی بھی نہیں لے سکتا تھا، لیکن عائشہ کے انتقال کے بعد جائیداد و املاک اور کاروبار کو وقف الاولاد کر دیا گیا تھا، لیکن وصیت نامہ اب ردی کا ٹکڑا تھا ــ کچھ قانونی سقم ایسے نکل آئے تھے کہ اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغیر کسی دشواری کے سہیل تمام کاروبار پر قابض ہو گیا۔ اب وہ ایک نو عمر لڑکا نہیں تھا جسے سلمٰی بھی جھڑک دیتی تھی اور عائشہ بھی جب خفا ہوتی آڑے ہاتھوں لیا کرتی تھی اب وہ اپنے باپ کا قائم مقام تھا، اس گھر کا مالک تھا، سب اس سے ڈرتے تھے، سلمٰی اور عائشہ تک بظاہر نہ سہی، لیکن دل میں اس سے خائف رہتی تھیں۔

جاوید کے انتقال کے بعد سے فرخندہ نے اپنے کمرے سے باہر نکلنا بہت کم کر دیا تھا۔ اس کا کھانا اور ناشتہ بھی یہیں آجاتا تھا اور وہ خاموشی سے اللہ آمین کر کے کھا لیتی، چند روز تک تو یہ معمول رہا جو کچھ گھر میں پکتا تھا اسے بھی بھیج دیا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ نوبت اسی دال روٹی پہ پہنچ گئی، وہ اس حالت پر قانع تھی اور صبر و شکر سے زندگی بسر کر رہی تھی، نہ کسی سے گلہ نہ کسی کو شکایت۔

تنہائی کا بہترین مشغلہ مطالعہ تھا، وہ ہر طرح کی کتابیں کثرت سے پڑھا کرتی تھی اس طرح اس کی معلومات میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا، ایک روز اس کی ایک کتاب سہیلہ مانگ کر لے گئی۔ وعدہ کر گئی تھی، صبح تک واپس کر دوں گی، لیکن کئی دن گزر گئے۔ وعدہ پورا نہ ہوا، کتاب اسے بہت پسند تھی، چنانچہ تقاضے کے لئے وہ سہیلہ کے کمرے میں پہنچی، اتفاق کی بات اس وقت سلمیٰ، عائشہ اور سہیل بھی یہاں موجود تھے۔

فرخندہ کو دیکھتے ہی سہیلہ نے کہا۔

"کتاب لینے آئی ہو گی — کیوں!"

فرخندہ نے جواب دیا۔

"ہاں۔ آئی تو اسی لئے تھی۔ کیا پڑھ لی تم نے۔۔۔؟"

وہ بولی۔

"پڑھ تو اسی رات لی تھی۔ لیکن نہ جانے کہاں رکھ کر بھول گئی، ورنہ اب تک کب کی پہنچ گئی ہوتی تمہیں!"

یہ سن کر فرخندہ کو بہت صدمہ ہوا یہ کتاب اسے بھی محبوب تھی۔ وہ جاتی ہوئی بولی۔

"خیر — تلاش کر لینا شاید مل جائے!"

سہیلہ نے بے رخی کے ساتھ جواب دیا۔

میرے پاس اتنا بیکار وقت نہیں ہے۔ کون سی ایسی نادر کتاب تھی۔

وہ ؟ ۔ اور منگا لو !"

فرخندہ نے محسوس کیا سہیلہ لڑنے پر تیار ہے، لہٰذا مصلحت اسی میں نظر آئی کہ خاموشی سے ٹل جائے۔

لیکن مقدر میں تو کچھ اور لکھا تھا، سہیل نے کہا۔

ہاں بھئی ایک نہیں سینکڑوں کتابیں منگا سکتی ہو، ابا جان تمہاری شادی کے لئے پچاس ہزار روپے وصیت کر گئے ہیں۔ شادی کر کے کیا کرو گی بس کتابیں پڑھا کرو ؟"

سہیلہ کو ہنسی آ گئی، فرخندہ شرم سے کٹ گئی، عائشہ اور رہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا، فرخندہ کا جی چاہ رہا تھا۔ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ لیکن زمین بھی نہیں۔ اس نے پاؤں پکڑ لئے، نہ جانے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا یکایک سہیل نے کہا۔

" نہ جانے ابو جان کو یہ کیا سوجھی تھی، پچاس ہزار کی رقم معمولی تو نہیں ہوتی میں تو سمجھتا ہوں کہ ان کا اسی لئے انتقال ہوا کہ قدرت کو یہ فضول خرچی منظور نہیں تھی۔

" ذرا غور تو کرو، پچاس ہزار روپے۔"

فرخندہ نے کہا۔

" مجھے ایک روپیہ بھی نہیں چاہیے !"

سہیل نے ایک قہقہہ لگایا اور گویا ہوا۔

" بہت بہت شکریہ۔ ویسے دے بھی کون رہا تھا ؟ وہ دن لد گئے جب خلیل خاں فاختہ اڑایا کرتے تھے، اب اس گھر میں تمہاری حیثیت صرف ایک یتیم لڑکی کی ہے جو اس وقت تک ہمارے رحم و کرم پر پلتی رہے گی، جب تک ہم چاہیں اور جس دن نہیں چاہیں گے، اسے گھڑی چلتا کر دینگے۔"

فرخندہ کو اپنی یہ حیثیت اسی دن معلوم ہوئی تھی جس دن جاوید کا انتقال ہوا تھا۔

لیکن اس کی یہ حیثیت اس طرح کھول کر بیان کر دی جائے گی اسے اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

وہ کوئی جواب نہیں دے سکی، البتہ آنکھیں خاموش نہ رہ سکیں، آنسو برسانے لگیں۔

کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کا ساتھ دیتا، اس کے آنسو پونچھتا، اس کی دل دہی کرتا، اُسے سہارا دیتا، کاش اس وقت زینب ہوتی۔ لیکن وہ تو حاوید کے مرنے سے پہلے ہی اس گھر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ چکی تھی۔

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں کسی کے رحم و کرم پر پلنا نہیں چاہتی!"

سہیلہ نے پوچھا۔

"پھر کیا کرو گی؟ کھاؤ گی کہاں سے؟"

وہ بولی۔

"میرے لئے میرا خدا ہی کافی ہے۔ اور کھانا ایسا ضروری کون سا ہے؟"

"تو کیا فاقے کر کے جان دے دو گی؟"

"اگر ایسا کروں بھی تو کون سی قیامت آجائے گی؟ کون میرا رونے والا بیٹھا ہے؟"

"سہیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

واقعی کوئی نہیں ہے جو تمہاری جواں مرگی پر دو آنسو بہائے ..."

"بے چاری زینب بھی نہ جانے کہاں روپوش ہو گئی۔ ورنہ وہ بے شک ایسے بین کرتی کہ سارا گھر سر پر اُٹھا لیتی، بہر حال ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے جب چاہو اور جہاں چاہو جا سکتی ہو۔"

سلمیٰ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی کوئی زبردستی تھوڑے کسی کو رکھ سکتا ہے!"

عائشہ کہنے لگی۔

"معلوم ہوتا ہے اس ننگ خاندان لڑکی نے اپنی ماں کی طرح کسی کو تاک لیا ہے۔ ضرور اس نے کسی سے آنکھیں لڑائی ہیں اور میرا دل کہتا ہے یہ کسی کے ساتھ بہت جلد فرار ہونے والی ہے۔!"

یہ الفاظ تیر و نشتر بن کر فرخندہ کے قلب و جگر پر لگے۔ اس نے کہا

"ممانی جان مجھے جو چاہیئے کہہ لیں، لیکن میری مرحوم ماں کو کیوں بار بار گھسیٹ رہی ہیں۔

عائشہ کی طرف سے سلمیٰ نے جواب دیا۔

"جو جیسا ہوگا ویسا ہی کہا جائے گا۔"

عائشہ نے بگڑتے ہوئے کہا۔

"تیری یہ ہمت تو روبرو مجھ سے بحث کرتی ہے؟ موئی پاؤں کی جوتی اپنی حقیقت بھول گئی؟ تو ہماری زبان پکڑنے کی کوشش کرتی ہے؟ کیا ہم کسی کے دبیل ہیں؟ جو جی چاہے گا کہیں گے، جی چاہے منہ کالا کرلو اور سنو، چلی ہیں ہم سے اُلجھنے!"

سہیلہ بول پڑی۔

"نہ جانے لوگ اپنے آپ کو اس قدر جلد بھول کیوں جاتے ہیں؟"

سہیل نے لقمہ دیا۔

کیوں نہ بھولیں، ایک گھر بند، سو گھر کھلے، یہاں سے اُٹھیں گی کہیں بھی جاکر بیٹھ جائیں گی، آخر ان کی اماں جان نے بھی تو یہی کیا تھا۔ جن کے خلاف سچی باتیں سننا ناگوار گزرتی ہیں!"

فرخندہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"آپ کی ماں کے بارے میں اگر کوئی ناروا اور ناشائستہ اور غیر مہذب باتیں کہے تو آپ خاموشی سے سُن لیں گے؟"

سہیل چند قدم بڑھ کر قریب آگیا، اس نے گرجتے ہوئے پوچھا۔

"میری ماں ـــ "

اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر اتنے زور کا طمانچہ فرخندہ کے منہ پر مارا کہ وہ سنبھل نہ سکی، جھونک کھا کر گر پڑی اور سر سے خون بہنے لگا!"

٭٭٭

(۶)

کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ فرخندہ کو اٹھاتا، وہ خود اٹھی اور آہستہ آہستہ قدم رکھتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
فرخندہ کے جانے کے بعد سہیل نے کہا۔
اس کمبخت کی وجہ سے وہ بات تو رہ گئی جو میں کہنا چاہتا تھا۔
سہیلہ نے اشتیاق کے ساتھ پوچھا۔
" کیا کہنا چاہتے تھے آپ — !"
وہ بولا۔
" بھئی ہم شادی کر رہے ہیں !"
سہیلہ خوش ہو گئی۔
" سچ بھیا ؟ — کب ؟"
سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اس ہفتے — جمعہ کے دن !"
عائشہ نے کہا۔
" کچھ دیوانہ ہوا ہے لڑکے ؟"
سہیل نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا اور پوچھا،
" اس میں دیوانگی کی کیا بات ہے ؟"

وہ کہنے لگی۔

"ابھی کل باپ کا چالیسواں ہے، اور شادی رچا رہا ہے؟"

سہیل نے جواب دیا۔

"چالیسواں تو ہو چکا، اس کے بعد برسی کی باری ہے اس میں ابھی گیارہ مہینے باقی ہیں، اتنے دن تک تو میں انتظار نہیں کر سکتا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں!"

سلمیٰ دریائے حیرت میں غرق یہ باتیں سن رہی تھی کہنے لگی۔

"انتظامات بھی مکمل ہو چکے اور ہمیں خبر تک نہیں!"

وہ گویا ہوا۔

"انتظامات تو بہر حال مجھ ہی کو کرنا تھے، وہ کر دیئے، یہی خبر وہ میں نے پہنچا دی اور اس کے سوا کیا چاہیئے؟"

عائشہ نے دل گرفتہ انداز میں پوچھا۔

"لیکن کمبخت تو نے شادی کہاں ٹھہرائی ہے؟"

سلمیٰ نے ایک سوال داغ دیا۔

"کون لوگ ہیں وہ؟ ذات کیا ہے؟ خاندان کیسا ہے؟ کرتے کیا ہیں کچھ معلوم تو ہو!"

سہیل نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"لڑکی کا نام رعنا ہے، ایف اے پاس ہے، گاتی بہت اچھا ہے، صورت و شکل میں منفرد ہے، سننے میں آیا ہے کہ گا اچھا خاصا لیتی ہے، علم مجلس سے خوف واقف ہے۔"

عائشہ نے اس سے آگے کچھ نہ کہنے دیا، بول پڑی!

"کیا تو کسی رنڈی سے شادی رچا رہا ہے؟ شریف بہو بیٹیوں میں سے ناچ گانے کا کیا ذکر؟"

سہیل نے ڈھیٹائی سے کہا۔

"اپنے زمانے کا ذکر نہ کریں - وہ زمانہ گیا وہ باتیں گئیں !"
سلمیٰ نے کہا -
"بھاڑ میں ڈالو، اس زمانے کو، اور اس زمانے کی باتوں کو یہ بتاؤ خاندان کیسا ہے؟ کون لوگ ہیں یہ؟"
"میرے خیال میں شیخ ہیں، رعنا کے والد کو لوگ شیخ صاحب کہتے ہیں ٹھیکے داری کا کام کرتے ہیں، ہزار بارہ سو مہینہ کما لیتے ہیں !"
"لیکن تو وہاں پہنچا کیسے ؟"
"کبھی ایسا ہوتا ہے پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کنواں پیاسے کے پاس آجاتا ہے !"
سہیلہ ہنستی ہوئی بولی -
"تو اس مرتبہ کنواں پیاسے کے پاس آگیا تھا — ؟"
"ہاں —"
"کس طرح ؟"
ریس کورس میں شیخ صاحب بھی پابندی سے آتے ہیں، صاحب بڑا باکمال آدمی ہے ! آج تک اسے ہارتے نہیں دیکھا، ہر مرتبہ سو دو سو اور کبھی ہزار پانچ سو جیت کر جاتا ہے — !
عائشہ سے پھر ضبط نہ ہو سکا -
"تو کیا ایک جواری کی لڑکی سے شادی کر رہا ہے کمبخت ؟"
"اگر شیخ صاحب جواری ہیں، تو کیا میں جواری نہیں ہوں - اور مجھ میں اور ان میں یہ فرق کتنا بڑا ہے کہ میں اکثر ہار کر آتا ہوں اور وہ آج تک نہیں ہارے ان کے اسی کمال فن نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا، پچھلے اتوار کو انہوں نے میری دعوت کی بڑی شان دار دعوت تھی اور دعوت کا سارا انتظام رعنا نے کیا تھا، شیخ صاحب نے میرا اس سے تعارف کرایا، مجھے پہلی ہی نظر میں وہ بےحد

پسند آئی تھی، باتیں سنیں، تو پسندیدگی اور بڑھ گئی، اس وقت میں نے فیصلہ کر لیا شادی کروں گا تو رعنا سے، چنانچہ دوسرے دن ایک دوست کے ذریعہ پیام بھیجا، جو فوراً اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا گیا کہ شادی جلد از جلد ہو جانی چاہیے، کیونکہ لڑکی کی منگنی اس کے ماموں زاد بھائی سے ہو چکی ہے جو انگلستان بیرسٹری کا امتحان دینے گیا ہوا ہے اور اگلے مہینے واپس آ رہا ہے اس کے آنے سے پہلے یہ کام سرانجام پا جائے تاکہ پھر کوئی فتنہ یا ہنگامہ نہ کھڑا ہو۔"

عائشہ نے سوال کیا۔

اور تم نے منظور کر لیا فوراً ؟"

وہ بولا۔

"جی ہاں — اندھا کیا چاہے دو آنکھیں !"

"لیکن میری زندگی میں تو یہ شادی نہیں ہو سکتی !"

"امی آپ جانتی ہیں بعض باتیں مجھ میں ابوجان کی ہیں، ان کی طرح میں بھی فیصلہ بدلا نہیں کرتا، شادی تو ہو گی اور ضرور ہو گی، آپ اختلاف کر کے رنگ میں بھنگ نہ ڈالیں، شادی مجھے کرنی ہے اور اپنی پسند کی کرنی ہے، پھر ان باتوں سے کیا حاصل ؟"

سلمیٰ نے گویا ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ جوان ہو، عاقل ہو، جو چاہو کرو، لیکن ہم سے مشورہ تو کر لیا ہوتا"

وہ کہنے لگا۔

"تو اور کیا کر رہا ہوں ؟"

عائشہ پھر بول پڑی

"یہ مشورہ ہے ؟"

اس نے پوچھا۔

"اور کیا ہے ؟"
وہ کہنے لگی ۔
"تم اپنا فیصلہ سنا رہے ہو، اس کا مشورے سے کیا تعلق ؟"
سہیلہ نے ماں سے کہا ۔
"امی ہو جانے دیں یہ شادی ، زندگی بھیا کو گزارنی ہے ، اس کے ساتھ ان کی پسند پر ہم سب کو صاد کرنا چاہیے !"
عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے ، وہ روتی ہوئی بولی ۔
"اس کے لئے میں بارہا اپنے شوہر سے لڑی، ساری دنیا کی بری بنی اس کے ہر عیب کو چھپایا ۔ ہر بیہودگی برداشت کی ۔!"
قطع کلام کرتے ہوئے سہیل نے کہا ۔
"بس یہ ایک بیہودگی اور برداشت کرلیں ، پھر مجھ سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی ۔ یہ میرا عہد ہے !"
یہ کہہ کر سہیل نے ماں کے گلے میں باہیں ڈال دیں ۔
عائشہ نے بھی سوچا لڑکا خودسر ہے کرے گا وہی جو فیصلہ کر چکا ہے لہذا نرم لہجہ میں کہا ۔
"اچھا بھائی جو چاہو کرو ۔ میں بولنے والی کون ؟"
سلمٰی کو جیسے بات یاد آگئی ، اس نے پوچھا ۔
"لڑکی کے بھائی بہن بھی ہیں یا اکلوتی ہے ؟"
سہیل نے بتایا
دو بھائی ہیں ، تین بہنیں ہیں !"
"بھائی کیا کرتے ہیں ؟"
"ایک باپ کے ساتھ کام کرتا ہے دو پڑھ رہے ہیں !"
"اور بہنیں ؟"
تینوں چھوٹی ہیں ، ایک کی عمر ۱۶ برس کی ہے ، دوسری کی ۱۴ سال ، تیسری نے بارھویں سالگرہ منائی ہے بڑی دھوم دھام سے !"

(۷)

فرخندہ اپنے کمرے میں بیٹھی — ٹھیک اس وقت جب سہیل اپنی ہی شادی کی خبر سنا رہا تھا — کچھ لکھ رہی تھی کہ دبے پاؤں امجد آیا، فرخندہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ پریشان سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔" بابا!

" ارے تمہاری آنکھ میں آنسو ؟ کیا ہوا خیر تو ہے ؟"

وہ روہانسی آواز میں بولا۔

" ہاں بیٹی سب خیریت ہے لیکن یہ ظلم جو تجھ پر ہو رہے ہیں، نہیں دیکھے جاتے۔ آج سہیل نے جو سلوک تیرے ساتھ کیا میں دُور کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، آفرین ہے تجھ پر، شاباش ہے تجھے، یہ تیرا ہی حوصلہ ہے جو سب کچھ برداشت کر رہی ہے، لیکن آخر کب تک ؟"

فرخندہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، کہنے لگی۔

" بابا اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اب اس گھر میں میرا گزارہ نہیں ہو سکتا!"

ہمدردانہ لہجہ میں امجد نے کہا۔

" وہ تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن تو پڑی لڑکی کہاں جائے گی ؟ کون پناہ دے گا تجھے ؟ تو در در کی خاک نہیں چھان سکتی، کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتی، آخر کیا کرے گی ؟"

فرخندہ نے محبت اور عظمت کی نظر سے امجد کو دیکھا اور کہا ۔
" اللہ کو منظور ہے تو ہفتے عشرے میں میرا انتظام ہو جائے گا!"
امجد خوش ہو گیا، سوال کیا ۔
" کہاں ؟"
وہ بولی ۔
" سلیم پور میں لیڈی حمید رہتی ہیں، کئی دن ہوئے اخبار میں ایک اشتہار نظر سے گزرا تھا۔ وہ اکثر بیمار رہتی ہیں ۔ انہیں ایک ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو ان کی خدمت کر سکے۔ تھوڑی بہت پڑھی لکھی ہو۔ اخبار پڑھ کر سنا سکے خطوں کے جواب لکھ سکے۔ فی الحال سو روپیہ مہینہ تنخواہ دے گی، کھانا اور رہائش مفت ۔ میرا دل گواہی دیتا ہے ۔ میری درخواست ضرور منظور ہو جائے گی!"
امجد نے روتے ہوئے کہا ۔
" اب تو نوکری کرے گی ۔ ؟"
وہ بولی!
" تو کیا ہوا؟ یہ تو عزت کی نوکری ہے مجھے تو ذلیل سے ذلیل نوکری بھی شوق سے منظور ہے بشرطیکہ اس گھر سے نجات مل جائے، یہاں کے بام و در تو اب کاٹنے کو دوڑتے ہیں مجھے!"
" ہاں بیٹی ٹھیک کہتی ہو، میری بھی دلی دعا ہے کہ یہ نوکری مل جائے تمہیں ۔ لیکن سلیم پور بہت دور ہے، پورے ۲۴ گھنٹے ریل کے سفر میں لگتے ہیں!"
وہ بے پروائی کے ساتھ بولی ۔
" اب مجھے نہ اس گھر میں آنا ہے، نہ اس شہر میں کتنا ہی فاصلہ ہو مجھے اس کی پروا نہیں ۔"
یہ بات بھی معقول تھی، امجد کو بادل نخواستہ تائید کرنا پڑی ۔

" ہاں یہ بھی ٹھیک ہے !"

فرخندہ نے وہ خط جو ابھی ابھی اس نے تمام کیا تھا، ایک لفافے میں رکھا، ٹکٹ لگایا اور امجد کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

" اسے چپکے سے ڈاک خانے میں ڈال دینا، خبردار کوئی دیکھ نہ لے !"

امجد نے اطمینان دلایا۔

" بے فکر رہو بیٹی !"

فرخندہ نے کہا۔

" گھر کی ڈاک تمہارے ہی ہاتھ آتی ہے. اس کا خیال رکھنا میرے نام جو خط آئے وہ نظر بچا کر مجھے دے جانا !"

امجد نے پھر اطمینان دلایا۔

" ایسا ہی ہوگا بیٹی ۔"

.:. .:. .:.

(۸)

اور شیخ صاحب جن کی دختر سے سہیل شادی کرنے پر مچلا ہوا تھا، بڑے ذات شریف تھے، قرض کو ذریعہ آمدنی خیال کرتے تھے، خیانت ان کا پیشہ تھا۔ رشوت دے کر زیادہ منفعت حاصل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ سہیل کو انھوں نے ریس کورس میں پانی کی طرح روپیہ بہاتے دیکھا، سمجھ گئے، جوہر قابل ہے ذرا سی تربیت میں چمک جائے گا، پھر وارے نیارے ہیں، چنانچہ ایک مشترک دوست کے ذریعہ اس سے ربط ضبط پیدا کیا۔ کچھ گر بتائے، کچھ نکتے سکھائے کہ وہی سہیل جو ہمیشہ ہارا کرتا تھا۔ اب کبھی کبھی جیتنے لگا۔

اور پھر ایک دن شیخ صاحب نے اپنے غریب خانے پر سہیل کی دعوت کر دی۔ اسی موقع پر رعنا اور سہیل کی پہلی ملاقات ہوئی۔

رعنا خوبصورت تو تھی۔ لیکن خوب سیرت نہ تھی، جس ماحول اور جس فضا میں اس کی ذہنی تربیت ہوئی تھی۔ اور تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ وہ ان اقدار۔ اور دیانت سے بالکل بے بہرہ تھی جو ایک مسلمان لڑکی کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئں، اس کے کئی بوائے فرینڈ تھے۔ جن سے وہ پورے طور پر بے تکلف تھی، ان کے ساتھ سینما جاتی تھی۔ تھیٹر کی سیر کرتی تھی۔ شبانہ محفلوں میں پہنچتی تھی۔ پکنک کے لئے کبھی لب ساحل اور کبھی کسی سنسان ہوٹل میں چلی جاتی، صبح سے شام تک سیر و تفریح میں وقت صرف کرتی اور پھر نہایت اطمینان سے واپس گھر آجاتی،

نہ ماں میں اتنی ہمت تھی کہ پوچھ گچھ کرتیں، نہ باپ اس کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ سرزنش کریں۔ اگر کبھی اس طرح کی کوئی بات اٹھتی تھی تو وہ نہایت صفائی سے کہہ دیتے۔

"بھئی مجھے رعنا پر پورا اعتماد ہے وہ اپنا برا بھلا خوب سمجھتی ہے۔ اسے حق ہے جس سے چاہے ملے اور جب جہاں چاہے اپنا رفیق حیات منتخب کرے میں صرف تائید کروں گا، مخالفت نہیں کر سکتا۔

لیکن جب انہوں نے سہیل کی دعوت کی تو دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ رعنا کو اس کی بیوی بننا ہے۔

انہوں نے بیٹی کو بلایا اور کہا۔

"آج دعوت ہے ایک صاحب کی!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"بہت اچھا امی سے کہے دیتی ہوں جا کر!"

شیخ صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا اور کہا۔

"بیٹی! یہ دعوت تو تمہیں کرنی ہے، کئی چیزیں خود اپنے ہاتھ سے پکانی ہیں اور دعوت کے موقع پر ایک خوش اخلاق میزبان کے فرائض انجام دینے ہیں یہ کام تمہاری امی کے کرنے کا نہیں ہے!"

کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"لیکن پاپا وہ کون صاحب ہیں؟"

شیخ صاحب نے کرسی کے پشتے سے ٹیک لگا لی اور فرمایا۔

"ایک شریف اور بے انتہا دولت مند نوجوان ہے، ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اس کا نام سہیل ہے اور میں چاہتا ہوں تم دونوں ایک مرتبہ خوش گوار ماحول میں مل لو۔!"

رعنا نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن پاپا اس شخص سے تو میرا تعارف بھی نہیں ہے، میں کیا جانوں وہ کون ہے؟"

شیخ صاحب نے جواب دیا۔ اُس تعارف کے لئے تو دعوت دی ہے اسے بیٹی میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں، تمہارے معاملات اور پسند میں مجھے مداخلت کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اپنے مستقبل کے بارے میں جو فیصلہ بھی کروگی میں بے چوں و چرا منظور کرلوں گا۔ لیکن اس میں کیا ہرج ہے کہ اگر میں کسی شخص کو مناسب سمجھوں تو ایک نظر اس پر ڈال لینے کے بعد کوئی رائے قائم کرلو، یہ میں پھر اطمینان دلاتا ہوں، آخری فیصلہ بہرحال تمہارا ہی ہوگا۔

بے انتہا آزاد خیال اور چینچل ہونے کے باوجود رعنا کچھ شرما سی گئی اور کوشش کے باوجود کچھ بول نہ سکی۔

شیخ صاحب نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

" بیٹی تمہیں ۲۲ واں سال شروع ہوچکا ہے۔ اب تک تم خود کوئی انتخاب نہ کر پائیں یہ دنیا کچھ عجیب سی ہے جہاں تک صورت کا تعلق ہے ماشاءاللہ چشم بد دور تم لاکھوں میں ایک ہو، تعلیم میں بھی کسی سے ہیٹی نہیں ہو، علم مجلس میں طاق ہو ایک ماڈرن گرل میں جو صفات ہونی چاہیئے، وہ سب بدرجۂ اُتم موجود ہیں تمہارے اندر، لیکن ـــــ

یہ کہہ کر شیخ صاحب نے اپنی گفتگو کے تاثرات کا جائزہ لینے کے لئے بیٹی کی طرف دیکھا۔ پھر فرمایا۔

" لیکن تمہاری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ایک غریب باپ کی بیٹی ہو میری آمدنی ہزار ڈیڑھ ہزار ماہوار سے زیادہ نہیں ہے خرچ تمہارے سامنے ہے تمہارے ہاتھ سے ہوتا ہے ظاہر ہے میں لمبا چوڑا جہیز نہیں دے سکتا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو، تم سے بے انتہا محبت کرنے کے باوجود، اپنا داماد خرید نہیں سکتا !"

پھر اثر انگیز لہجہ میں فرمایا۔

" اب بوڑھا بھی ہوتا جاتا ہوں، قویٰ جواب دے رہے ہیں، ابھی تین لڑکیاں بیاہنے کو بیٹھی ہیں، اور ماشاءاللہ سب ہی جوان ہیں، دو بھائی ہیں پڑھ رہے

ہیں، میں تو یہ سب کچھ جھیل لوں گا۔ لیکن چاہتا ہوں کہ کم از کم تمہاری شادی کا تمہارے شایانِ شان انتظام کر دوں! ۔ کسی ایسے شخص سے جو تمہارے کو حد سے زیادہ آرام سے رکھ سکے، تمہاری قدر کر سکے، تمہاری ضروریات اور مصارف خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر سکے، تمہاری طرف سے اطمینان ہو جائے تو میں سمجھوں گا، بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے سر سے!"

شیخ صاحب نے رعنا سے آج تک کھل کر اس طرح کی باتیں نہیں کی تھیں یہ پہلا موقعہ تھا کہ اتنے نازک مسئلے پر اتنی صفائی کے ساتھ انہوں نے اظہار خیال کیا تھا۔

ان باتوں میں معقولیت بھی تھی اور وزن بھی،

وہ انہماک اور توجہ سے باپ کی باتیں نہ صرف سنتی رہی، بلکہ ان پر غور بھی کرتی رہی۔

شیخ صاحب نے کہا۔

" ماشاءاللہ تمہارے کئی بوائے فرینڈ ہیں، اور جہاں تک میں جانتا ہوں ان میں سے کسی کی ہمت پیام دینے کی نہیں پڑی!"

رعنا سوچنے لگی، یہ تجربہ کار، اور زمانے کا سرد گرم دیکھے ہوئے شخص ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔

اتنے میں شیخ صاحب نے فرمایا۔

" اور میرا خیال ہے کوئی ایسی ہمت کر بھی نہیں سکے گا!"

رعنا نے پھر سوچنا شروع کر دیا۔

واقعی کتنے سال ہو گئے ہیں اس طرح کے دوستوں کے ساتھ وقت گزارتے، لیکن لطف و تفریح، خالی خولی اظہار عشق۔ وہ بھی وقتی طور پر۔ حسن و جمال کی تعریف، اس کے سوا اور کیا ملا؟

حرج کیا ہے دیکھ لینا چاہیئے، سہیل کیسا شخص ہے؟

آخری فیصلہ تو بہر حال میرے ہی ہاتھ میں ہے۔

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ شیخ صاحب نے فرمایا۔
"سہیل شریف باپ کا سادہ لوح لڑکا ہے، پھر اکلوتا، ماں کا لاڈلا، گھر بھر کی آنکھ کا تارا لکھ لٹ، بیباک، اس نے اگر فیصلہ کر لیا، تو اس کے فیصلے میں کوئی روک نہیں بن سکتا۔ وہ ہم سے نہ بھاری بھر کم جہیز کا طالب ہوگا نہ دوسری چیزوں کا ۔!"
رعنا پھر عالم خیال میں پہنچ گئی۔
نہ جانے کیسا شخص ہے یہ سہیل، جس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جارہے ہیں، کوئی بھی ہو کیسا بھی، ایک نظر دیکھ لینے میں حرج ہی کیا ہے ، بگڑتا کیا ہے اپنا ۔ ؟"
سلسلۂ خیال کو شیخ صاحب کی آواز نے ایک مرتبہ پھر درہم برہم کر دیا وہ کہہ رہے تھے۔
" ویسے اگر تم کسی غریب شخص کو اپنا رفیق حیات منتخب کرو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، البتہ میری یہ خواہش ضرور ہے کہ ایک مرے انتخاب کو بھی پرکھ لو ۔"
رعنا اب پورے طور پر اس امتحان کے لئے تیار ہو چکی تھی، اس نے دریافت کیا: "کب دعوت کر رہے ہیں آپ سہیل صاحب کی ؟"
شیخ صاحب نے بتایا ۔

کل ۔"

وہ دانتوں تلے انگلی دباتی ہوئی بولی "کل ۔ ؟"
شیخ صاحب نے جواب دیا ۔
" ہاں بیٹی !"
وہ کہنے لگی ۔
" لیکن کل تو ایک کلچر میں مجھے شریک ہونا ہے !"
شیخ صاحب افسردہ دلی کے ساتھ خاموش ہو گئے۔ لیکن رعنا نے

ان کی ہمت بندھائی۔

"خیر — نہ جاؤں گی، آپ بلا چکے ہیں تو دعوت بہر حال ہونی چاہیے کل ہی!"

"شیخ صاحب خوش ہو گئے، بلکہ —" جان نذر دینی بھول گئے اضطراب ہیں!"

٭ ٭ ٭

(۹)

آخر وہ مبارک دن جسے "شیخ" صاحب نے "کل" کے نام سے تعبیر کیا تھا اور جس کے انتظام میں رعنا بھی چشم براہ تھی آ گیا۔ اپنے جلو میں خوشیاں اور رنگا رنگ توقعات اور آرزوئیں لے کر۔

سہیل خوش شکل، خوش قامت اور خوش وضع نوجوان تھا، رعنا نے اسے دیکھا اور فیصلہ کر دیا۔

صورت کا جہاں تک تعلق تھا ہے، یہ سب یہیں اچھا ہے!"

دونوں بڑے تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ ملے، سہیل کے آنے کے بعد دعوت کا انتظام و انصرام بڑی حد تک شیخ نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ دو منٹ کو بیٹھے پھر چلے گئے، پھر آئے، پھر رخصت۔

سہیل، رعنا سے اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ اسے بار بار دیکھ تو رہا تھا لیکن باتیں کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

رعنا نے یہ کیفیت بھانپ لی اور اُسے چھیڑتے ہوئے کہا

کیا آپ کو بات کرنا نہیں آتی؟

وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ لیکن بہت جلد اپنی کیفیت پر غالب آ گیا، اس نے کہا۔ آتی تو تھیں لیکن یہاں آ کر تو میں خود ایسی کیفیت محسوس کر رہا تھا جیسے سب کچھ بھول گیا ہو۔

"یہ کیوں آخر؟"

"یہ زندگی کا پہلا حادثہ ہے!"

لیکن اتنی دیر سے بات کرنا سیکھا جو رہی ہوں ۔ کچھ بھی نہیں سیکھ سکے آپ؟

"نہیں ۔۔ بہت کند ذہن ہوں!"

آپ کا اسم شریف کیا ہے؟

"سہیل ۔ مجھے سہیل کہتے ہیں!"

وہ آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی ۔

"سہیل کے معنی ہیں ستارہ ۔ کیا آپ واقعی ستارے کی طرح ۔!"

قطع کلام کرتے ہوئے سہیل نے کہا ۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

وہ بولی ۔

"مجھے رعنا کہتے ہیں ۔ لیکن معاف کرنا، میرا نام ایسا نہیں ہے کہ چاند یہ ستارے، یا سورج کی آڑ لے کر آپ میری تعریف کر سکیں ۔

سہیل نے ایک قہقہہ لگایا ۔

آپ کی تعریف کے لئے کسی آڑ کی کیا ضرورت ہے، چاند کو سورج کو ستارے کو غرض ہو گی تو آپ کے نام کی آڑ لے کر اپنی تعریف کر دیں گے ۔

وہ مسکراتی ہوئی بولی ۔

اوہو ۔ آخر آپ کھلے، باتیں کرنا سیکھ لیا آپ نے؟

سہیل نے ایک نظر رعنا کے رخ رعنا پر نظر ڈالی اور کہا ۔

"یہ سب آپ کے فیض صحبت کا کرشمہ ہے!"

"کیسا کرشمہ؟"

"اگر اپنی واردات بیان کر دوں تو آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گی ۔

وہ ہنستی ہوئی کہنے لگی ۔

"خفا تو ہو جائیں گی ۔ لیکن واردات بیان کرنے کی اجازت ہے!"

سہیل نے کچھ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا پھر گویا ہوا۔
" جب سے یہاں آیا ہوں، کچھ عجیب سی نظروں میں انجانی سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ایسی کیفیت میں آج تک نہیں محسوس کی تھی۔
" لیکن وہ انجانی سی کیفیت کیا ہے؟"
کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بہت سی لڑکیوں سے میری دوستی ہے۔ ملاقات ہے، آنا جانا اور ملنا جلنا اور اٹھنا بیٹھنا ہے بے تکلفی ہے لیکن کہیں بھی اور کسی کے پاس بھی میں نے اپنے آپ کو اتنا بے زبان، اتنا بے بس اور اتنا لاچار نہیں پایا جتنا آپ کے محسوس کر رہا ہوں۔ کہیں آپ کو جادو تو نہیں آتا۔
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
" آتا ہے!"
" میرا بھی یہی خیال تھا —!"
" پھر آپ یہاں بیٹھے کیوں ہیں اب تک —؟" پھر کیا کروں؟"
" کیا آپ جادوگروں سے ڈرتے نہیں؟"
" ڈرتا ہوں!
" پھر بھی بھاگ نہیں کھڑے ہوتے!"
" لیکن بھاگ کر جاؤں کہاں؟"
" یہ کیوں؟"
" یہ جادو تو دل و دماغ میں بس گیا ہے کہیں بھی جاؤں، کہیں بھی رہوں، کچھ بھی کر گزروں، اس سے خلاصی نہیں ہو سکتی، یہ تو شاید میری زندگی کا ساتھ بن چکا ہے۔
(ہنستے ہوئے) جادو رفیق زندگی بن چکا ہے آپ کا۔؟"
" جی ہاں — جادو بھی اور جادوگر بھی!"
(انگڑائی لے کر) یا تو مجھے یہ گلہ تھا کہ آپ کو بات کرنا نہیں آتی یا اب یہ شکوہ ہے کہ باتیں ایسی کرتے ہیں کہ آپ جادو سے بھی محبت کرتے ہیں اور نہ

جادوگر سے بھی۔ شہر میں نہ جانے مجھ جیسے کتنے جادوگر ہوں گے۔ اتنے سارے جادوگروں سے آپ زندگی بھر کس طرح عہد رفاقت نباہ سکیں گے یہ بھی سوچا؟
یہ سوچنے کی بات ہی نہیں ہے۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ کا مفروضہ بالکل غلط ہے!"

"وہ کیسے؟"

آپ کے سوا آج تک کوئی جادوگر نظر سے نہیں گزرا اور اب کسی جادوگر کو دیکھنے کی ہوس بھی نہیں ہے!"

(ہنستے ہوئے) یوں کہیئے بھر پایا۔

سہیل بھی ہنس پڑا۔

"یہی سمجھ لیں!"

وہ ایک ادائے خاص سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"مجھے تو آپ کے بارے میں کچھ کچھ شبہ ہونے لگا ہے!"

"(متحیر ہو کر) کس چیز کا؟"

"یہ کہ آپ خود بھی — جادوگر ہیں!"

کیا آپ ایسا محسوس کر رہی ہیں!"

"زندگی میں پہلی مرتبہ اس وقت تو کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں!"

سہیل کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی، اس نے بے ساختہ رعنا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی، پھر اسے دباتے ہوئے کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے!"

وہ گویا شکوہ کرتی ہوئی بولی۔

دوسروں کے منہ سے الفاظ نہ چھینا کریں!"

ان چند الفاظ میں دعوت اور التفات کی ایک دنیا آباد تھی، سہیل پر اس

وقت واقعی کچھ عجیب سی کیفیت طاری تھی، اس نے ایسی نظروں سے دیکھا جن کی رعنا تاب نہ لاسکی۔ اور نظریں جھکا لیں، پھر کہنے لگا۔

"کیا ہم بار بار مل سکیں گے؟"

وہ کچھ تذبذب کے ساتھ بولی۔

"اگر آپ چاہیں!"

وہ کہنے لگا۔

اگر صرف میرے چاہنے کا تعلق ہے، تو جی یہ چاہتا ہے کہ یہیں آکر رہ پڑوں اور ساری زندگی اسی سنگ در پر گزار دوں!"

رعنا نے سہیل کو — اور سہیل سے زیادہ اس کی سادہ لوحی اور دولت کو — پسند کر لیا تھا۔ یہ الفاظ سن کر وہ بہت خوش ہوئی، اسے اپنے ان بوائے فرینڈز سے نفرت سی محسوس ہونے لگی، جو سبز باغ دکھانے میں تو طاق تھے۔ لیکن عہد وفا نباہنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس نے سوچا، واقعی یہ سادہ لوح شخص ہے، صرف پہلی ہی ملاقات میں جو اس درجہ کھل جائے اس کی سادہ لوحی میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ایسے شخص کے ساتھ زندگی بڑے مزے میں بسر ہو سکتی ہے۔ کہنے لگی۔

"زہے قسمت — تو یہ کمرہ خالی کر دوں آپ کے لئے!"

سہیل نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"آپ مجھے شوق سے ٹھکرا سکتی ہیں، لیکن میرے خلوص اور سچائی کا مذاق تو نہ اڑایئے"

یہ الفاظ اسے درد بھرے الفاظ میں اس نے کہے کہ رعنا کافی متاثر ہوئی کہنے لگی۔

مجھ پر ظلم نہ کریں، میں آپ کا مذاق نہیں اڑا سکتی، اگر آپ مجھے غلط نہ سمجھیں تو یقین کریں، میرے دل میں آپ کی عزت، محبت ہے، آپ میں جو خلوص اور حس شرافت کا جوہر مجھے نظر آ رہا ہے، وہ بھی پوچھنے کی چیز ہے اسے

صرف دنیا کا کوئی حد سے زیادہ بدقسمت ہی ٹھکرا سکتا ہے!"

سہیل اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا، وہ بولی۔

" بتایئے آپ نے اپنے الفاظ واپس لے لئے کہ نہیں؟ ۔ جب تک آپ کا دل صاف نہ ہوگا۔ میں کڑھتی ہوں گی!"

سہیل نے ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ زور سے دبایا اور کہا۔

" یہ دل صرف تمہارا ہے!"

اتنے میں شیخ صاحب آ گئے اور بات ختم ہو گئی۔

اور پھر سہیل نے شادی کا پیام بھیج دیا جو فوراً منظور کر لیا گیا اور پھر۔

٭ ٭ ٭

(۱۰)

فرخندہ کی زندگی آج کل افسردگی اور غم والم کی زندگی تھی۔
سارے گھر میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس سے سیدھے منہ بات کرتا جاوید کی موت نے دنیا بدل دی تھی۔
اس کی زندگی میں بھی یہاں کا ماحول اس کے لئے دل شکن اور روح فرسا تھا، لیکن اس وفات کے بعد سے تو وہ اچھوت بن کر رہ گئی تھی۔
شروع شروع میں جب اس گھر میں اس نے قدم رکھا تھا تو اس کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا تھا جو اجنبیوں اور غیروں کے ساتھ کیا جاتا ہے حالات اور بدلے تو یہ سلوک حقارت کا سلوک بن گیا۔ لیکن اب تو علانیہ اس سے نفرت کی جا رہی تھی۔
اگر وہ لڑکی نہ ہوتی تو بھیک مانگنے کو ترجیح دیتی مگر اس گھر میں نہ رہتی لیکن قدرت نے اس کے ساتھ ایک ظلم یہ بھی کیا تھا کہ وہ لڑکی تھی۔
آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔
سہیلہ کی سہیلیاں کبھی کبھار آیا کرتی تھیں، فرخندہ نے کبھی ان سے ربط ضبط بڑھانے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے بھی اس کی طرف رُخ نہیں کیا۔
سہ پہر کا وقت تھا۔ سلمیٰ، عائشہ اور سہیلہ شاپنگ کے لئے گئی ہوئی تھیں۔

جیسے جیسے سہیل کی شادی کا وقت آتا جاتا تھا، نت نئی چیزوں کی خریداری ہوتی رہتی تھی، ظاہر ہے ان سرگرمیوں سے فرخندہ کو نہ کوئی تعلق ہو سکتا تھا، نہ تھا۔

چنانچہ ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ گھر کے صحن میں ایک آرام کرسی پہ نیم دراز کوئی نسوانی رسالہ پڑھ رہی تھی کہ اس نے آہٹ سی محسوس کی، نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک حسین و جمیل، شوخ و شریر لڑکی سامنے کھڑی تھی۔

اس لڑکی کو آج تک اس نے نہیں دیکھا تھا، لیکن سمجھ گئی، سہیلہ کے سوا اور کس سے ملنے آ سکتی ہے، چنانچہ اس نے کہا۔

"شاید آپ سہیلہ سے ملنے آئی ہیں؟"

وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔

"جی ہاں ۔۔۔ کیا وہ یہاں نہیں ہے؟ اس وقت تو کچھ عجیب طرح کا سناٹا سا نظر آ رہا ہے، جیسے گھر میں کوئی نہ ہو!"

فرخندہ نے جواب دیا۔

"جی ہاں سب لوگ شاپنگ کے لئے گئے ہیں!"

وہ لڑکی قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی، کہنے لگی۔

آپ میری اس بے تکلفی سے ناراض تو نہیں ہوئیں؟"

فرخندہ کو بھی بادل نخواستہ مسکرانا پڑا۔ اس نے کہا۔

"یہ میرے لئے باعث فخر ہے کہ آپ میرے پاس تشریف فرما ہیں!"

وہ بولی۔

کیا میں اچھی لگتی ہوں آپ کو؟"

فرخندہ کچھ سٹپٹا سی گئی، کہنے لگی۔

"جی ہاں بہت!"

اس نے شوخ و شریر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"لیکن کیوں؟ فرخندہ نے بے ساختہ جواب دیا۔

"اس لئے کہ آپ اچھی ہیں!"

"یہ کیسے جانا آپ نے ۔؟"
آپ کے طرزِ عمل سے، بے تکلفی سے، سادگی سے ۔!"
سادگی سے یا سادہ لوحی سے ؟"
کھلکھلا کر ہنس پڑی ۔
فرخندہ نے بھی اس کا ساتھ دیا ۔
وہ کہنے لگی ۔
ہم لوگ اتنی جلدی گھل مل گئے، لیکن اب تک ایک دوسرے کا تعارف
تو ہوا نہیں ۔ میرا نام نجمی ہے ۔
فرخندہ نے کہا ۔
"مجھے فرخندہ کہتے ہیں ۔"
نجمی نے مذاق کرتے ہوئے کہا ۔
" بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر!"
فرخندہ نے بھی وہی الفاظ دوہرائے اور دونوں پھر ہنسنے لگیں،

---

(۱۱)

بہت دنوں کے بعد بلکہ شاید اس گھر میں آنے کے بعد آج پہلی مرتبہ فرخندہ کو بار بار ہنسی آتی تھی۔

ورنہ ہنسنا تو وہ بھول چکی تھی۔

نجمی میں واقعی کچھ اس بلا کی سادگی اور اپنائیت لئے ہوئے ایسی بے تکلفی اور بے ساختگی تھی کہ اس پاس بیٹھ کر آدمی غمگین رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے اور اس کی شخصیت میں بلا کی کشش تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا خود دل کی طرف کھینچ رہا ہے۔

فرخندہ نے پوچھا۔

آپ چائے پئیں گی — ؟"

نجمی نے جواب دیا۔

" جی تو چاہ رہا ہے!"

فرخندہ تیزی سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف گئی، وہاں امجد موجود اور زینب کے چلے جانے کے بعد وہی یہاں کا انچارج تھا۔

فرخندہ نے امجد سے کہا۔

" بابا، ذرا نصیبن (ملازمہ) سے کہہ کر جلدی سے چائے بنواؤ۔"

امجد اس کی طرف دیکھنے لگا، وہ سوچ رہا تھا یہ لڑکی تو ہمیشہ ملول و افسردہ نظر آتی تھی آج خوش کیوں ہے؟

اسے تو دال دلیا مل جاتا ہے، ازراہ رحم و کرم، اس نے آج تک کسی چیز کی فرمائش نہیں کی آج چائے کے لئے کیسے پہنچ گئی۔

اس نے پوچھا۔

"کیا بہت جی چاہ رہا ہے؟"

فرخندہ نے امجد کی دلی کیفیت کا اندازہ لگایا، کہنے لگی۔

"نہیں بابا — سہیلہ کی ایک سہیلی آئی ہے، وہ پینا چاہتی ہے!"

امجد نے کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے، میں بھی کہوں —

پھر اس نے نصیبن سے کہا۔

ارے سنتی ہے چائے بنا دے جلدی سے مہمان کے لئے — !"

نصیبن نے خونخوار نظروں سے امجد کو دیکھا اور بولی۔

"نہ بابا، میرے پاس چائے وائے کا وقت نہیں ہے۔ کوئی ایسا ہی مہمان آیا ہے تو ہوٹل سے لا دو!"

امجد نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"لا دیں گے — !"

پھر وہ باہر جانے کے لئے مڑا۔ فرخندہ نے اسے روکا، کہنے لگی۔

ہوٹل سے چائے لانے کی ضرورت نہیں، ذرا دیر کا تو کام ہے میں خود ابھی لیپ جھپ بنائے لیتی ہوں۔ نصیبن اپنا کام کرتی رہے گی۔

امجد نے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا۔

"بنا لو — لیکن چائے کے ساتھ بھی تو کچھ چاہیئے — لے آؤں نمک پارے اور مٹھائی وغیرہ — ؟"

فرخندہ نے یہ پیش کش بھی قبول نہیں کی، کہنے لگی۔

نمک پارے، وغیرہ بھی میں ابھی بنا ڈالتی ہوں، تم تماشہ دیکھتے رہو۔
اور واقعی پل بھر میں اس نے چائے تیار کر لی، مٹر بھی تل لئے، نمک پارے
بھی پکا لئے اور سب چیزیں قرینے سے ایک ٹرے میں رکھ کر امجد سے
کہنے لگی۔

تمہارا اور نصیبن تم کا حصّہ میں نے رکھ دیا ہے۔

اپنے حصّے کا نام سن کر نصیبن بھی خوش ہو گئی، اس کی چڑھی ہوئی تیوریاں
اُتر گئیں۔

امجد نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھا بھئی آج ہم بھی دیکھتے ہیں، ہماری بیٹا نے چائے کیسی تیار کی ہے
مٹر کیسے تلے ہیں اور نمک پارے کیسے تیار کئے ہیں — ؟"

فرخندہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد امجد نے دو پیالیاں بنائیں، ایک اپنے
سامنے رکھ لی۔ دوسری نصیبن کے سامنے بڑھا دی۔

پہلا گھونٹ لے کر کہا۔

"بھئی بڑے مزے کی ہے — مزہ آگیا!"

اتنی دیر میں نصیبن کے حلق سے بھی ایک گھونٹ اُتر چکا تھا۔ اس نے
تائید کرتے ہوئے استادانہ انداز میں کہا۔

"ہاں لڑکی کے ہاتھ میں سودا ہے!"

امجد نے پوچھا

"سچ کہنا یہ مٹر کیسے ہیں؟"

وہ پھنکا مارتی ہوئی بولی۔

"اچھے ہیں — بہت اچھے، بڑا ترس آتا ہے مجھے اس لڑکی پر۔ نہ
جانے سارا گھر کیوں جلتا ہے بے چاری سے!"

امجد نے فی الحال نصیبن کے جذبہ ہمدردی کی زبان ابھارنا مناسب
نہیں سمجھا، خاموشی سے چائے پینے لگا۔

--- --- --- ---

(۱۲)

فرخندہ ڈرے سے کمرے پہنچی تو نجمی اسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی جیسے ابھی ابھی فرخندہ پڑھ رہی تھی، نجمی نے فرخندہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
بھائی چائے کا آرڈر دینے ہیں اگر اتنی دیر لگتی ہے تمہارے ہاں تو چائے کے تیار ہونے میں تو گھنٹے لگ جاتے ہوں گے۔"
فرخندہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
جی سرکار چائے حاضر ہے۔
نجمی نے رسالہ ایک طرف پھینکا اور فرخندہ کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے جو چولھے کے سامنے بیٹھنے سے سرخ ہو گیا تھا، پوچھا
"کیا خود تیار کر کے لائی ہو ؟"
وہ بولی۔
" ہاں ۔ بڑے چاؤ سے !"
وہ دونوں بیٹھ کر چائے پینے لگیں، نجمی نے مزہ لیتے ہوئے کہا
" بڑے مزے کی ہے سچ لطف آگیا !"
فرخندہ نے ایک لیتے ہوئے کہا۔
" شکریہ، اس بندہ نوازی کا ۔ ذرا یہ مٹر بھی تو چکھئے !"
نجمی نے مٹر چکھتے اور کہنے لگی ۔

"مجھے مٹر ذرا بھی پسند نہیں ہیں، صرف تمہاری خاطر سے چکھے ہیں، اب سوچتی ہو، اگر مٹر ایسے مزے کے تلے جا سکتے ہیں، تو میں اب تک جھک مارتی رہی ہو — !"

"سچ واقعی یہ چیز ایسی ہی ہوتی ہے یا تمہارے ہاتھ کا کمال ہے؟"

فرخندہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"نہ یہ چیز ایسی ہوتی ہے، نہ میرے ہاتھ کا کمال ہے، یہ کمال ہے صرف جناب کے اخلاق کا!"

نجمی نے کہا۔

بھئی جھوٹ سے مجھے نفرت ہے، ملمع سازی آتی نہیں، جو بات دل میں ہے۔ پھٹ سے زبان پر آجاتی ہے اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں۔ بیگانے بھی ناخوش، لہٰذا یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ مروت میں یا لحاظ سے میں نے تعریف کی ہے۔"

پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

اچھا یہ تو بتاؤ اور کیا کیا پکا لیتی ہو؟"

فرخندہ نے جواب دیا۔

"دال روٹی۔"

نجمی ہنسنے لگی۔

"تو یہ بتاؤ، اپنی پکائی ہوئی دال روٹی کب کھلا رہی ہو؟ — یقیناً وہ قورمے اور متنجن سے زیادہ لذیذ ہوگی۔

بھئی کھلاتی تو شوق سے، لیکن تمہارے حسن ظن کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتی، لہٰذا میری معذرت قبول کر لو۔!"

"جی جناب معاف کریں، اس طرح آپ کی جان نہیں چھٹنے کی، کھاؤں گی اور ضرور کھاؤں گی، اور قسم کھا کر کہتی ہوں، دال روٹی کے سوا کچھ اور پھر

گز نہیں کھاؤں گی ۔ "

فرخندہ اس اصرار سے سٹ پٹا گئی

اسے اپنی حیثیت معلوم تھی ، چائے بنانے پر وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ نہ جانے سہیلہ کیا کہے ؟ اسے یہ کب اجازت تھی کہ وہ اس کی سہیلیوں سے راہ و رسم پیدا کر سکے ۔ اگر کہیں اس نے نجمی کی واقعی دل روٹی کی دعوت کر دی ، تو قیامت ہی آجائے گی ، نجمی کے سامنے وہ ذلت ہو گی جس کی انتہا نہیں ۔ لیکن اس تکلف برطرف " قسم کی لڑکی سے پیچھا چھڑانا بھی آسان نہیں تھا کہنے لگی ۔

تھوڑی دیر میں سہیلہ آجائے گی ، پھر پروگرام بنا لینا ، دال روٹی میں دیر کتنی لگتی ہے جب کہو گی ، حاضر کر دی جائے گی ۔"

سہیلہ کے ذکر پر نجمی نے کہا ۔

" لیکن وہ کہاں رہ گئی ؟ اب تک آئی کیوں نہیں ۔ ؟"

اور پھر یک بیک اس نے پوچھا ۔

کیا تم سہیلہ کی بہن ہو ۔

" یہ بڑا بے ڈھب سوال تھا ۔ نہ انکار کیا جا سکتا تھا ۔ نہ اقرار ، اقرار کرتی ہے تو مصیبت ، انکار کرتی ہے تو آفت !"

وہ اس چین میں تھی کہ کیا جواب دے ، کہ نجمی نے ایک سوال اور جڑ دیا

" کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے ؟

فرخندہ نے دونوں سوالوں کا ایک ساتھ جواب دیا ۔

میں نہیں جانتی ۔"

اس بار بھلا نجمی کی ہنسی کہاں رکتی تھی ، اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور کہا

نہ جانے یہ جانتی ہو کہ سہیلہ تمہاری کون ہے ؟ یا تم سہیلہ کی کیا لگتی ہو ؟ نہ یہ معلوم ہے کہ تمہاری شادی ہوئی ہے یا نہیں ؟"

فرخندہ نے بات ہنسی میں ٹالنی چاہی -
ہاں بھئی بعض لوگ خود فراموش قسم کے ہوتے ہیں اپنے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتے !"
نجمی نے کہا -
" خود فراموشی کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم محبت کرتی ہو کسی سے !"
فرخندہ نے جواب دیا -
- ہاں ابھی ذرا دیر ہوئی شروع کی ہے ایک بُت کافر سے !"

٭٭ ٭٭ ٭٭

(۱۳)

نجمی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔
"بہت دیر ہو گئی اب چلنا چاہیئے!"
فرخندہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا۔
"اب آتی ہی ہو گی۔ جہاں اتنا انتظار کیا ہے تھوڑی اور سہی!"
نجمی بیٹھ گئی، فرخندہ نے کہا۔
"لیکن اس سے پہلے میں نے تمہیں یہاں آتے نہیں دیکھا؟"
نجمی نے جواب دیا۔
"دو تین مرتبہ آ چکی ہوں، تم البتہ نظر نہیں آئیں۔ کیا کہیں باہر گئی ہوئی تھیں؟"
اس ٹیڑھے سوال کا جواب نجمی نے خود ہی دے دیا، اس کی مشکل حل ہو گئی
اس نے کہا۔
"ہاں۔ کبھی کبھی اپنی نانی کے ہاں چلی جاتی ہوں۔"
بے چاری کو یہ معلوم نہ تھا کہ جواب ایک نئے، کٹھن سوال کا پیش خیمہ
بن جائے گی؟"
نجمی نے پوچھا۔
"تو کیا تم سہیلہ کی بہن نہیں ہو؟"
جی پر پتھر رکھ کر فرخندہ نے کہا۔

"کیوں نہیں ہوں ؟"

"پھر نانی کے ہاں اکیلی کیوں گئی تھیں ؟"

ہم لوگ باری باری سے جاتے ہیں۔ کبھی دس پندرہ دن کے لئے میں چلی جاتی ہوں، کبھی دس پندرہ دن سہیلہ رہ آتی ہے جاکر، دونوں ایک ساتھ کیسے جاسکتی ہیں ؟"

"کیوں ؟"

"پھر گھر کا کیا ہوگا ؟"

"کیا سہیلہ بھی اتنی با ہنر ہے جتنی تم ؟"

"مجھ سے کہیں زیادہ ۔"

"یہ انکسار ہے یا واقعہ ؟"

"واقعہ بھئی !"

"وہ دال روٹی کیسی پکاتی ہے ؟"

"وہ دال روٹی پکانا نہیں جانتی !"

"پھر ۔ اعلیٰ قسم کے کھانے خوب پکالیتی ہے !"

"تم نے اپنا ہنر صرف دال روٹی تک کیوں محدود رکھا ؟"

"یہ تو اپنی اپنی پسند ہے ۔

تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے تم نے ؟"

"کوئی ڈگری تو نہیں ہے میرے پاس، بس گھر پر تھوڑی سی اردو انگریزی اور کچھ مذہبی کتابیں پڑھ لی ہیں ! ۔ اور تم ؟"

"میں نے اس سال ڈاکٹری کا امتحان دیا ہے ۔ !"

"پھر ہمارا تمہارا کیا میل ؟"

"یہ کیوں ؟"

"یہ کیوں ؟"

"تم عالم، ہم جاہل، بھلا عالموں اور جاہلوں میں بھی میل ہوتا ہے ؟"

"کیوں نہیں ہوتا، اس وقت دیکھ لو! - عالم جاہل پر صدقے قربان ہوا جا رہا ہے!"

"کسی کو حقیر نہ سمجھنا بھی تو علم کی شان ہے!"

"سنا ہے سہیلہ کے بھائی کی شادی ہونے والی ہے؟"

"ہاں - ٹھیک سنا ہے؟"

"سہیلہ کی کب ہو رہی ہے؟"

"یہ سوال اسی سے کرنا!"

آخر تم لوگ بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ سہیلہ بھی اس سوال پر کٹائی کاٹ جاتی ہے اور تمہارا ابھی یہی حال ہے -"

"خود اپنی بھی تو کہو -"

"اپنی کیا کہوں؟"

"کب ہو رہی ہے شادی تمہاری؟"

فی الحال تو ارادہ نہیں ہے!"

یہ کیوں آخر؟

"ابھی تو میں نے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا ہے کہ کچھ خدمت خلق کروں گی، ابھی کر لوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے ڈاکٹری پاس کر کے حماقت کی ہے۔"

"کسی ڈاکٹر سے کیوں نہیں کر لیتیں؟"

"ڈاکٹر ہی سے کروں گی!"

"تو کیا طے ہو چکی ہے؟"

"ہاں طے تو ہو چکی ہے لیکن میں ذرا تذبذب میں ہوں!

"تذبذب کیسا؟ اور کیوں؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ جس شخص سے میری شادی طے ہوئی ہے۔ وہ مجھے

پسند ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا، لیکن — !"

"کیا وہ محبت نہیں کرتا تم سے؟ — اگر یہ بات ہے تو اندھا بھی ہے اور احمق بھی۔"

تجمی ہنسنے لگی —

"نہیں بھائی ایسا نہ کہو بے چارے کو، نہ اندھا ہے، نہ احمق ہے وہ مجھے بہت چاہتا ہے، بلکہ ہزار جان سے فریفتہ ہے مجھ پر لیکن بات سے ڈر لگتا ہے۔

"ڈر کس بات سے لگتا ہے؟"

"وہ ایک پاگل شخص کا بھائی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہیں آگے چل کر یہ بھی پاگل نہ ہو جائے!"

"واہ جناب ڈاکٹر صاحب یہ بھی آپ نے خوب کہی!"

"ہاں بھئی غلط نہیں کہتی۔ پاگل ہوتے کسی کو کچھ دیر لگتی ہے —"

"آخر خون کا اثر بھی تو کوئی چیز ہے۔"

فرخندہ ہنسنے لگی۔

"تم خود پاگل ہو!

* * * * *

(۱۶)

فرخندہ کی بات سن کر نجمی ہنسنے لگی، پھر ذرا سنجیدہ لہجہ میں بولی!
"واقعی بعض وقت مجھے خود بھی اندیشہ ہونے لگتا ہے!"
"پھر تو تمہیں کسی نہ کسی دن پاگل بننے کے لئے تیار رہنا چاہیئے!"
"اچھا تو سنو اصل ماجرا —"
"سن رہی ہوں، کہو!"
وہ پاگل شخص میرا ماموں زاد بھائی ہے، علم کا جہاں تک تعلق ہے علامہ دہر ہے، کئی زبانیں جانتا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا علم ہوگا۔ جس پر اسے دسترس نہ ہو۔ بڑا بھائی ہے اور اتنا قابل ہے اس لئے سارے گھر پر حاوی ہے اپنے چھوٹے بھائی کو، یعنی میرے منگیتر کو بہت زیادہ چاہتا ہے، بڑے شوق سے میرا اور اس کا رشتہ اس نے خود طے کیا۔ اس کی بات سب مانتے ہیں ہمارے گھر والے بھی اور اس کے گھر والے بھی، میرے لئے اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا چاہیئے۔ اپنے بھائی کو بھی اس نے ڈاکٹری کی تعلیم دلائی۔
تھوڑے دن ہوئے یہ سوال پیدا ہوا کہ اب شادی ہو جانی چاہیئے یہ سنتے ہی بھڑک اٹھا، کہنے لگا۔
"اپنے وقت پر ہو گی اور ضرورت ہو گی، لیکن ابھی نہیں ہو سکتی!

اس کی ماں، میری ماں دونوں ہی دق اسے دیکھنے لگیں کہ کیا بک رہا ہے، اس نے کہا۔
نجمی کو ڈاکٹری کی تعلیم اس لئے نہیں دلائی گئی تھی کہ وہ گھرداری شروع کر دے، پہلے اسے کچھ عرصے تک اپنے پیشے میں مہارت حاصل کرنا ہے جب یہ کام کر لے گی، تب شادی ہوگی۔
اور اپنے بھائی کے بارے میں کہنے لگا۔
اختر کو بھی میں بہت جلد انگلینڈ بھیج رہا ہوں۔ وہاں سے مزید تعلیم حاصل کر کے اور نئی ڈگری لے کر آئے گا۔ وہاں سے واپس آنے میں تین سال لگیں۔
جب تک، یعنی اس مدت تک نجمہ کے لئے، مرزاپور کے سول ہسپتال میں، میں نے بندوبست کر دیا ہے۔ وہ ریذیڈنٹ ڈاکٹر کی حیثیت سے رہے گی۔ اور جو کچھ سیکھنا ہے، اسی مدت میں سیکھ لے گی، اس اثنا میں وہ خدمت خلق بھی کرتی رہے گی اور اپنے ماہر فن اساتذہ سے عملی تربیت بھی حاصل کر لے گی۔"
فرخندہ نے سوال کیا۔
اور یہ تجویز تمہاری اور اس پاگل کی ماں نے منظور کر لی!"
نجمی ہنس پڑی، کہنے لگی۔
"تم نے بھی اسے پاگل مان لیا؟"
فرخندہ نے جواب دیا۔
ہاں بھئی اس کے پاگل ہونے میں شک ہی کیا ہے!"
نجمی نے بتایا۔
"میں نے کہا تھا اس کی بات کوئی رد نہیں کر سکتا، میرے خیال میں تو یہ شخص مقناطیس کا بنا ہوا ہے۔ جو چاہتا ہے دوسروں سے منوا لیتا ہے میری امی نے بھی صاد کر دیا اور اس کی اماں جان بھی مان گئیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تم یہاں آگئیں اور اختر صاحب انگلینڈ تشریف لے گئے۔

"بڑی ذہین ہو — ہاں!"

"تو اب تین سال تک یہاں قید رہو گی؟"

نہیں اب قید کی میعاد کا صرف ایک سال رہ گیا۔

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں، اسی سال تم نے ڈگری کا امتحان پاس کیا ہے؟"

اس سال میں نے ایک دوسرے فن میں ڈگری لی ہے اور اب ایک سال جو باقی رہ گیا ہے۔ اس میں کچھ پڑھنا بھی نہیں ہے، صرف دن رات خدمت خلق کرنی ہے۔

"اس کے بعد شوہر کی خدمت کرو گی؟"

نہیں فرخندہ اس پاگل نے تو مجھے اور اختر دونوں کو خدمت خلق کے لئے وقف کر دیا ہے شادی کے بعد بھی خدمت خلق سے۔ اب تو اس نام سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔ پیچھا نہیں چھوٹ سکتا!"

یہ کیوں بھئی — کچھ سمجھ میں نہیں آئی بات!"

پاگلوں کی بات سمجھنا آسان بھی نہیں ہے!"

"پھر بھی کچھ بتاؤ تو سہی!"

"ہم لوگ ایک قصبے کے رہنے والے ہیں، تیس چالیس ہزار کی آبادی ہے قصبے کے آس پاس بہت سے دیہات واقع ہیں۔"

"تو بھائی تم تو پورا جغرافیہ بیان کرنے لگیں، اپنے قصبے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس کی آبادی کیا ہے اور اس کے آس پاس دیہات واقع ہیں۔ جنگل یا پہاڑ اور دریا تم میرے سوال کا جواب دو۔

"جواب ہی تو دے رہی ہوں۔ اس قدر جلد بازی سے کام نہ لو—"

اچھا تو قصبے کی داستان مختصر کر کے، ایک نہایت شاندار ہسپتال قصبے میں بن رہا ہے۔ جہاں ہر شخص کا مفت علاج ہو گا۔ مفت دوا دی جائے

گی۔ مفت کھانا دیا جائے گا اور اس ہسپتال کے انچارج ہم دونوں میاں بیوی ہوں گے!

" بھئی میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں، ایسے پاگل پن پہ ہزار ہوشیاریاں قربان، یہ شخص تو اس قابل ہے کہ پوجا جائے۔"

" توبہ کرو، ایسا اکھڑ، ایسا بد دماغ، ایسا دیدہ دہن شخص آج تک میری نظر سے نہیں گزرا!"

" تو کیا سہیلہ سے تمہاری ملاقات ہسپتال میں ہوئی تھی؟"

(مسکرا کر) ہاں اس خدمت کے سلسلے میں، پھر تعلقات بڑھ گئے دوستی ہو گئی ــــ اسے لو وہ آ بھی گئی!"

(۵)

سہیلہ نے نجمی کو دیکھا اور لپکی لپکی تیر کی طرح سیدھی اس طرف آئی اور کہنے لگی۔

"ارے نجمی تم؟"

وہ بولی۔

"جاؤ ہم تم سے بات نہیں کرتے!"

سہیلہ نے خوشامدانہ لہجہ میں پوچھا۔

"یہ کیوں؟ کیا خطا ہوئی مجھ سے؟"

وہ بولی۔

"اس سے بڑھ کر کیا خطا ہو گی کہ دو گھنٹے ہو گئے، انتظار کرتے کرتے کس اصرار اور زور شور سے چائے کی دعوت دی تھی۔ یاد ہے کہ بھول گئیں؟"

سہیلہ جھینپ گئی، اس نے ندامت اور معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی چوک ہو گئی نجمی اللہ قسم بالکل بھول گئی، بات یہ ہے کہ بھائی صاحب کی چند ہی دن میں شادی ہونے والی ہے۔ اس لئے حواس درست نہیں ہیں"

"حواس کیوں درست نہیں ہیں؟"

بہت سی چیزیں خریدنا ہیں، بہت سے کام سرانجام دینا ہیں، امی اور خالہ جان کا یہ حال ہے کہ میرے بغیر گھر سے نکلنا اور مجھ سے مشورہ کئے

بغیر کسی چیز کا خریدنا گناہ سمجھتی ہیں۔

"کیا کیا خرید لائیں۔"

سب کچھ بتاؤں گی اور دکھادوں گی، لیکن یہ بتاؤ میری اس حماقت کو معاف کر دیا تم نے؟"

نجمی نے فرخندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں — تمہاری بہن کے طفیل!"

سہیلہ کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

"میری بہن کے طفیل — کیا مطلب —؟"

فرخندہ کا چہرہ زرد پڑ گیا، وفورِ دہشت سے وہ سمجھ گئی اب شامت آئے بغیر نہیں رہے گی۔

نجمی نے کہا۔

"بھائی یہ فرخندہ نہ جانے تمہاری بڑی بہن ہیں یا چھوٹی، یا برابر، لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ انہوں نے میزبانی کا حق ادا کر دیا، چائے پلائی، تلے ہوئے مٹر کھلائے اور بھی کئی چیزیں، تازہ تازہ اور گرم گرم چند منٹ کے اندر تیار کر کے لے آئیں۔"

سہیلہ نے کہا۔

"ہاں ہماری ماما نصیبن بڑی ماہرِ فن ہے!"

نجمی نے ٹوکا۔

"نہیں بھائی نصیبن نہیں فرخندہ نے سب کچھ تیار کیا تھا۔ میں تو یہاں بیٹھی کن انکھیوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی —"

"خیر ہوگا — اب یہاں کب تک بیٹھی رہو گی، آؤ چلو!"

وہیں بیٹھے بیٹھے نجمی نے کہا۔

"لیکن مجھے تم سے سخت شکایت ہے سہیلہ!"

"تمہاری شکایت سر آنکھوں پر، لیکن اب وہ شکایت بھی بتادو!"

"تم نے اب تک اپنی بہن فرخندہ کا مجھ سے تعارف کیوں نہیں کرایا اس مختصر سی ملاقات میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ شاید تم سے بھی زیادہ۔"

سہیلہ کا رنگ بدل گیا۔ اس نے تیکھے لہجہ میں کہا۔
یہ میری بہن نہیں ہے؟" - اس نے خود
نجمی نے متحیر نظروں سے پہلے سہیلہ کو پھر فرخندہ کو دیکھا اور بولی۔
یہ تمہاری بہن نہیں ہے؟ اس نے خود کہا۔ مجھ سے۔
"جھوٹی ہے ہمیشہ کی!"

"اس نے تو یہ بھی کہا۔ جب میں نے پوچھا اس سے پہلے تم کیوں نظر نہیں آئیں؟ ہم دونوں بہنیں باری باری، اپنی نانی کے ہاں چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ میں وہیں گئی تھی۔

سہیلا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور فرخندہ سے پوچھا۔
"کیوں بھائی کن نانی اماں کے ہاں تشریف لے گئی تھیں؟ — اور میری کون سی نانی اماں بیٹھی ہیں۔ جن کے ہاں میں تشریف لے جایا کرتی ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم میری بہن کب سے بن بیٹھیں؟

فرخندہ کے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔
اتنی بڑی رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کا تو اسے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

وہ ایک مجرم کی طرح کھڑی تھی، نہ بھاگ سکتی تھی، نہ کھڑی رہ سکتی تھی۔ خشک، آنکھیں پُرنم، چہرہ زرد۔
نجمی نے فرخندہ پر ایک نظر ڈالی۔

"یہ ایسی نظر تو نہیں آتی - آخر تمہاری کون ہے۔
سہیلہ نے کہا۔
"کوئی بھی نہیں — ایک آوارہ عورت کی لڑکی ہے منحوس اتنی ہے

کہ پیدا ہوتے ہی ماں کو مار ڈالا، ہمارے ابو بڑے دل والے تھے۔ وہ گناہ کی اس پوٹ کو گھر اُٹھا لائے، جب سے یہیں پل رہی ہے۔

نجمی فرخندہ سے اتنی دیر میں اتنی متاثر ہو چکی تھی کہ استنے واضح کر دینے کے باوجود وہ اس کے بارے میں کوئی بُری رائے قائم کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکی، اس نے سہیلہ سے کہا۔

"ماں کیسی بھی لیکن یہ تو بڑی شریف ہے۔"

سہیلہ نے زہر قند کرتے ہوئے کہا۔

"صرف بہ ظاہر۔ ورنہ بڑے حرفوں کی بنی ہوئی ہے!"

نجمی لاجواب ہو کر خاموش ہو گئی، اتنے میں سہیل آ گیا، سہیلہ نے تعارف کرایا۔

"میرے بھیا۔ سہیل صاحب!"

پھر نجمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میری سہیلی — ڈاکٹر نجمی!"

سہیل نے ہوس آمیز نگاہوں سے نجمی کو دیکھا اور کہا۔

"تم نے غلط تعارف کرایا۔ ڈاکٹر نہیں مسیحا کہو۔"

اور یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

سہیل کے ان الفاظ سے نجمی کٹ گئی، اس کا ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

نہایت برہمی کے عالم میں اس نے کہا۔

"نہایت اوباش قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ!"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر چلی گئی، سہیلہ نجمی نجمی کرتی رہ گئی!

سہیل نے کہا۔

"احمق — !"

اور سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔

* * *

(۱۶)

سہیلہ تقریباً رو پڑی اس نے روہانسی آواز میں کہا ۔
" بھیا یہ آپ نے کیا کیا ؟"
وہ بے پروائی سے گویا ہوا ۔
" کچھ بھی نہیں !"
" نجمی چلی گئی !"
میں نے جاتے ہوئے اُسے دیکھا تھا ۔
" آپ نے اس کی توہین کی ؟"
توہین — ؟
" ہاں اور کیا ۔ بڑی شریف اور نیک لڑکی ہے !"
" ہوگی مجھے کیا ؟ " جتنی نیک اور شریف ہے اس سے زیادہ احمق ہے میں نے اسے گالی دی تھی ؟ مسیحا کے لفظ پر اتنے خفا ہونے کے کیا معنی ! اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں خود چور تھا ۔"
سہیلہ فریاد کرتی ہوئی بولی ۔
" آپ نے بہت بُرا کیا ۔ ابھی فرخندہ کا صدمہ تازہ تھا کہ آپ نے یہ وار کر دیا ۔"
اپنے متعلق سب باتیں نظر انداز کر کے اس نے پوچھا ۔

فرخندہ کا معاملہ کیا ہے ؟"

سہیلہ نے ساری داستان تا آخر سنا دی اور کہنے لگی ۔

" دیکھئے یہ بھی ہمیں کس طرح ذلیل کرتی ہے ۔"

سہیل نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا اور کہا ۔

تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی ۔ تیرے دل سے یہ خناس نہیں نکلے گا کہ تو ہمارے خاندان سے ہے ایک ہے ایک مرتبہ پھر آخری بار سن لے اس گھر میں تیری حیثیت صرف ایک گداگر کی ہے اور کسی حالت میں بھی گداگر کو اپنی حیثیت و حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے ۔ اگر تو ہمارے باپ کی بہن کی لڑکی ہو تو بھی ہمارے لئے غیر ہے ۔ اس لئے کہ تو ہمارے باپ کی اس بہن کی لڑکی ہے جس نے اپنے کرتوتوں سے ہمارے باپ کا منہ کالا کیا اور خاندان کو رسوا کیا ، بلکہ کلنک کا ٹیکہ لگا دیا جیسی تیری ماں تھی ویسی تو بھی ہے ، اس سے زیادہ نہ ہم نے تجھے کچھ سمجھا نہ سمجھیں گے ! "

سہیلہ نے شکایت کی ۔

" لیکن یہ تو سب کے سامنے اپنے آپ کو ہماری بہن کہتی رہتی ہے اس کا منہ آخر کس طرح بند ہوگا ۔ سہیل نے نہایت اطمینان سے جواب دیا

" جوتے سے ! " پھر کہنے لگا ۔

" اب اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے کسی کے سامنے اپنے آپ کو ہماری بہن کہا ہے تو جوتے مارو کسی اور جگہ نہیں صرف منہ پر ! " پھر کچھ سوچتا ہوا بولا ۔

" اب شادی میں صرف چند دن رہ گئے ہیں ، جس کمرے میں یہ رہتی ہے اسے خالی کرالو ، اور ملازموں کی جو کوٹھریاں ہیں ، ان میں سے ایک کوٹھڑی اسے رہنے کے لئے دے دو ۔ نابداں کے کیڑے کو نابداں میں ہی رہنا چاہیئے ۔ ورنہ علن شادی کے دن یہ پھر بہن بن کر ذلیل کرے گی ! " سہیلا نے اطمینان کا سانس لیا ، تجی والی بات بھول گئی اور کہنے لگی ۔ ٹھیک ہے یہی کروں گی ! "

ایک مرگ ناگہانی اور ہے —

(۱)

ایک مرتبہ پھر بہت زیادہ ذلیل ہو کر فرخندہ اپنے کمرے میں آئی اور تکیہ سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

گھر والوں کے حقارت آمیز برتاؤ اور ان کی کڑوی کسیلی باتوں کی وہ اس درجہ عادی ہو چکی تھی کہ اب وہ کچھ زیادہ محسوس نہیں کرتی تھی۔

لیکن آج کی حالت کا برداشت کرنا اس کے لئے ناممکن ہو گیا۔

بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے نجمی کی تصویر آ کھڑی ہوتی تھی اور سوچنے لگتی تھی۔

"کیا خیال ہو گا نجمی کا میرے بارے میں؟"

"اب اگر پھر وہ یہاں آئی تو کیا میں اس کا سامنا کر سکوں گی؟"
کتنی اچھی رائے قائم کی تھی اس نے میرے بارے میں!"
اور اب؟

"کیا اب بھی وہ مجھے اتنا ہی پسند کرتی ہو گی؟
"ایک چھوٹی لڑکی کو — ؟"

ایک ایسی لڑکی کو جس نے نہایت صفائی سے ہر معاملہ میں، ہر بات میں جھوٹ بولا۔

آخر میں کیا کہوں کہ میں سہیلہ کی بہن ہوں ۔ ؟

اور میں نے یہ کیوں گپ اڑائی کہ میں سہیلہ نانی کے ہاں چلی گئی تھی۔ اس لئے تمہیں نظر نہ آئی۔

اور نانی کے ساتھ سہیلا کے نام کا چھلا بھی کیوں لگایا۔

وہ تو قسمت تھی اچھی کہ معاملہ اتنے ہی پر ٹل گیا۔ ورنہ کچھ بعید نہ تھا اگر میری پٹیائی بھی شروع ہو جاتی ۔

" کتنی اچھی لڑکی ہے بچی !

با اخلاق، مہذب، شائستہ، ہنس مکھ، دل فریب !

شاید اس کی یہی خوبیاں دیکھ کر سہیل بھیا اس پر لٹو ہو گئے اور ایسی بات ان کے منہ سے نکل گئی، کہ وہ خفا ہو گئی ۔

خفا ہونا بھی چاہیئے تھا۔ نہ جان نہ پہچان، بڑی خالہ سلام !

کتنے درشت الفاظ میں اس نے سہیل بھیا کو جھڑکا اور بجلی کی سی تیزی سے رخصت ہو گئی، بیچاری پکارتی ہی رہ گئی ۔

اس تصوّر میں وہ اتنی غرق اور اس گھر میں اس قدر رچی ہوئی تھی کہ اسے معلوم نہ ہو سکا۔ اس کے سر پہ تلوار لٹک رہی ہے۔ تلوار نہیں قضائے مجرم!

شاید وہ بڑی دیر تک یہی باتیں سوچتی اور اپنی قسمت کو روتی رہتی، لیکن دفعتہً اس نے ایسا محسوس کیا ہے جیسے کوئی سرہانے کھڑا ہے۔ پھر کھکھار کی آواز آئی۔ اس نے تکیہ ایک طرف پھینکا اور اٹھ بیٹھی ۔

سامنے عائشہ، سلمٰی اور سہیلہ کھڑی تھیں ۔

---

(۲)

قضا کے یہ تیر اس کے سامنے تھے۔
پہلے تو وہ کچھ سمجھ نہ سکی کہ اس نوازش کا سبب کیا ہے؟
لیکن اتنا بہر حال سمجھ گئی کہ یہ آنا خالی از علت نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچ کر اس کی آواز تھرا گئی۔ اور وہ سوچنے لگی۔ دیکھنا چاہیے۔ اب پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔
وہ بستر پہ بیٹھی نہ رہ سکی، خود بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔
عائشہ نے کہا۔
"تو نے سن لیا یہ کمرہ تجھے خالی کرنا ہے!"
وہ بہت آہستہ بولی۔
"جی ہاں —!"
عائشہ نے گرج کر کہا۔
"جی ہاں کی بچی، پھر یہاں پڑی کیوں ٹسوے بہا رہی تھی جاتی کیوں نہیں اپنی کوٹھڑی میں؟"
عائشہ نے گرج کر کہا۔ بے ساختہ فرخندہ نے پوچھا۔
"کیا آج ہی —؟"
سلمیٰ نے جواب دیا اپنی بہن کی طرف سے۔
ابھی — ماشاء اللہ اب مہمانوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہونے والا

ہے سہیل کی سسرال کے لوگ بھی آئیں گے۔ کل دلہن رعنا، کی ماں اور بہن بھی آ رہی ہیں، دعوت کی ہے ہم نے ان کی ــــ ؟"

عائشہ نے پوچھا۔

"کیا تو انہیں بھی اپنا منحوس چہرہ دکھانا چاہتی ہے ؟"

سلمیٰ نے دریافت کیا ۔

"کیا ان کے سامنے بھی تو بھڑاپے کا قصہ لے کر بیٹھنا چاہتی ہے ؟"

سہیلہ تیوری چڑھا کر بولی ۔

" نہ جانے اسے اتنا شوق ہے کیوں ہے ہم لوگوں سے رشتہ جتانے کا؟

سلمیٰ نے جواب میں کہا ۔

" تو کیا جانے بچہ ہے ــ میں سمجھتی ہوں سب کچھ ۔"

سہیلہ نے اشتیاق اور اصرار کے ساتھ دریافت کیا ۔

" کیا بات ہے خالہ جان ہمیں بھی بتا دیں !"

خالہ جان نے ارشاد فرمایا ۔

" یہ اس فکر میں ہے کہ یہاں آتے جاتے لڑکیوں، عورتوں اور مردوں میں سے کوئی اسے پسند کرے ۔ شاید پیام کہیں سے !"

سہیلہ ہنسنے لگی ۔

" نجمی شاید بھیج دیتی پیام ۔ وہ بہت خوش تھی اس سے لیکن اس کارنامے اور اس سے زیادہ اس کی اماں جان مرحوم و مغفورہ کے کارنامے سن کر دنگ رہ گئی ۔ بھلا ایسی لڑکی کو پیام بھیج سکتا ہے کوئی ۔ صرف صورت ہی تو نہیں ہوتی سب کچھ ۔!"

سلمیٰ نے طنزاً تیر پھینکا ۔

" ہونہہ، صورت ! کون سی ایسی صورت ہے اس چڑیل کی !"

سہیلہ نے ہنستے ہوئے کہا ۔

" خالہ جان چڑیلیں ایسی ہوتی ہیں ۔"

وہ بولیں۔

" سچ پوچھو تو چڑیلوں سے بھی بدتر ہے وہ بھی اچھی ہوتی ہیں اس سے!"

عائشہ اب تک کچھ سوچ رہی تھی۔ جب سوچ چکی تو کہا۔

" سن او شیطان کی بچی اب اگر کسی سے تو نے کہا کہ سہیلہ میری بہن ہے تو راکھ لگا کر زبان کھینچ لو گی لو اور سنو ذرا پاؤں کی خاک کی باتیں۔ یہ سہیلہ کی بہن ہیں تو اگر سہیلہ کی بہن ہوتی تو تجھ سے پہلے اس کا گلا گھونٹ دیتی، موئی منحوس، پہلے باپ کو کھایا۔ پھر ماں کو نگل گئی اس کے بعد پناہ دینے والے ماموں کو ہضم کر لیا۔

سہیلہ کے منہ نکلا۔

" اب نہ جانے کس کی تاک میں ہے!"

عائشہ نے ڈانٹا چپ۔ خدا نہ کرے!"

سلمیٰ نے مشورہ دیا۔

" وہ تو ٹھیک ہے آپا سہیلہ کو ایسی بدفال منہ سے نکالنی نہیں چاہیئے تھی۔ لیکن اب اس کا قصہ ختم کر دو۔ دفع کرو کسی طرح یہاں سے اس کو!"

عائشہ نے جواب دیا۔

" ہاں میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی ہوں۔

--:-- --:-- --:--

(۳)

زندگی میں کبھی فرخندہ اس درجہ دہشت زدہ نہیں ہوئی تھی جتنی عائشہ کے یہ الفاظ سن کر ہوئی، اسے اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی ہوئی، وہ سوچنے لگی۔

" ان الفاظ کا مطلب کیا ہے ؟" یہ مشکل بھی آسان کر دی، کہنے لگی۔
ہمارے (ارشاد) کے دفتر میں ایک چپراسی ہے، صدیق، عمر تو بے شک ۴۰، ۴۵ سال کی ہے۔ لیکن ہے گانٹھا، اس کی دو بیویاں مر چکی ہیں، تیسری کی فکر میں ہے، کیوں نہ اسی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ پکڑا دو، تنخواہ بھی ساٹھ ستر روپے کے قریب پاتا ہے، دونوں بیویوں سے کچھ لڑکیاں اور لڑکے ہیں لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے۔ لڑکے ملازم ہیں۔ صرف ایک چھوٹی لڑکی ہے اسے پالنا پڑے گا اور شوہر کی خدمت کرنا پڑے گی۔

سہیلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
" تجویز تو بری نہیں ہے ؟"
سلمیٰ چمک کر گویا ہوئی۔
بری کیوں ہوتی۔ کیا ان کے لئے کوئی شہزادہ تلاش کیا جائے گا۔
سہیلہ نے پھر طنز کیا۔

"یہ تو نصیب کی بات ہے کہ بر مل جائے ۔!"
سلمیٰ کو ہنسی آگئی، پھر اس نے فرخندہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا!
" لیکن ایک بات سن لو بی بنو!"
اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، فرخندہ نے تو کچھ نہیں پوچھا، لیکن سہیلہ نے کہا۔
کون سی بات سنا رہی ہیں بی بنو کو آپ خالہ جان ؟"
سلمیٰ نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا۔
وہ صدیق ہے بڑا ٹیڑھا آدمی، اس کی دونوں بیویاں اس کے ہاتھوں سسک سسک کر مری ہیں وہ چوٹے کی مار مارتا ہے کہ کیا گائے بھینس کو اس طرح پیٹتا ہوگا کوئی، بڑا ظالم اور سنگ دل ہے اس پر نہ ادائیں اثر کرتی ہیں نہ روپ اگر ٹھیک طرح رہوگی، تو دال روٹی کھا کر مگن رہوگی۔ ورنہ دن میں تارے نظر آجائیں گے ۔!"
سہیلہ نے سوال کیا ۔
" لیکن خالہ جان وہ راضی ہو جائے گا شادی کرنے پر اس ٹیلم پری سے ؟"
سلمیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔
کیوں نہ ہوگا، بھئی بات تو وہ ہے ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا
" اس کا مطلب خالہ جان ؟"
اے بھئی اگر اپنی ذات برادری میں شادی کرے گا تو کچھ خرچ نہ ہوگا تو بھی ہزار بارہ سو خرچ ہو جائیں گے۔ غریبوں کے ہاں بھی تو کچھ رسمیں ہوتی ہیں۔ چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔ برادری کو دعوت دی جاتی ہے۔ دولہن کے جوڑے تیار کیے جاتے ہیں !"
" جی ہاں یہ تو ہوتا ہوگا !"
" پھر یہ رقم کہاں سے لائے گا۔"

" فرخندہ کے ساتھ شادی کرنے میں بھی اسے خرچ کرنا پڑے گا!"

" نہیں — ہم اس سے کہہ دیں گے، نہ ہم جہیز دیتے ہیں، نہ تم چڑھاوا دو صرف قاضی صاحب کو بلا لاؤ اور سیر بھر چھوہارے لے آؤ۔ دولہن کی انگلی پکڑو اور ساتھ لے جاؤ۔"

" پھر تو بڑی خوشی سے راضی ہو جائے گا!"

" اور اگر نہیں تو کیا!"

تو کیوں نہ اس کی شادی بھی اس دن کر دی جائے جس دن بھیا کی ہو رہی ہے۔

اے واہ، بھاڑ میں جائے یہ اور چولھے میں جائے صدیق، اپنے چاند کی شادی والے دن اس منحوس کو بیاہوں گی؟ کچھ میرا دماغ تو خراب ہے نہیں!

" پھر کب خالہ جان —؟"

پہلے سہیل کی شادی ہو جانے دو پھر اللہ رکھے تم اپنے سسرال سدھارو اس کے بعد یہ بھی دفع کر دی جائے گی!"

عائشہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

سہیلہ کی شادی میں تو ابھی چار چھ مہینے کی دیر ہے، اتنے دنوں تک کون اس جنجال کو پالے گا، میری رائے تو یہ ہے کہ سہیل کی شادی کے دس پانچ دن کے بعد اسے بھی رخصت کر دینا چاہیئے۔ تم صدیق سے بات پختہ کر لو۔!"

وہ پختہ سمجھو۔ کہیں ہمارے حکم سے باہر جا سکتا ہے۔

" سہیلہ نے کہا۔

" وہ تو خیر ہوتا رہے گا۔ پہلے ان صاحبہ کو ان کے نئے بنگلے میں روانہ کر دیں!"

..:.. ..:.. ..:..

(۴۱)

سلمیٰ نے فرخندہ سے کہا۔

" اٹھاؤ اپنا نام جھام!"

جاوید کے زمانے کی جو چیزیں فرخندہ کو ملی تھیں، اس کے انتقال کے بعد، رفتہ رفتہ سب کسی نہ کسی بہانے سے چھین لی گئیں تھیں، اب نہ اس کے پاس اعلیٰ درجے کے ملبوسات تھے، نہ کمرے میں خاص فرنیچر، نہ اچھا سا بستر اس کی کل کائنات تین جوڑے سوتی کپڑے ہیں اور دو سوتی ساڑھیاں تھیں، بستر کے نام سے جو چیز اس کے پاس تھی وہ ایک معمولی سی پھٹی پرانی دری، ایک جھلنگا چارپائی، ایک چادر، ایک تکیہ ایک کمبل جو بہت پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔

فرخندہ نے جلدی جلدی ان چیزوں کو سمیٹا، ایک گٹھڑی سی بنا لی اور حکم کی منتظر کھڑی ہو گئی۔

عائشہ نے سوال کیا۔

" اور یہ چارپائی ۔۔ ؟"

فرخندہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی، سمجھ میں نہ آیا اس سوال کا مطلب کیا ہے۔

سلمیٰ نے کہا۔

" یہ چارپائی اٹھانے کے لئے ملازموں کی فوج تو نہیں آئے گی، اسے بھی تو ساتھ لیتی چلو!۔

اتنی دیر کے بعد وہ گویا ہوئی ۔

" پہلے یہ سامان کی گٹھڑی رکھ آؤں، پھر یہ چارپائی بھی لے جاؤں گی ۔ ویسے میں زمین پر بھی سو سکتی ہوں !"

عائشہ نے ایک دوہتڑ پیٹھ پر جمایا اور کہنے لگی ۔

" کیا کہنا ہے حجن بی بی کا، زمین پر بھی سو سکتی ہے ۔ ساری عمر عبادت اور ریاضت ہی میں تو گزری ہے چل ام ٹھا اس کاٹ کباڑ کو یہاں سے !"

فرخندہ نے بڑی بے بسی کے ساتھ عرض کیا ۔

" لیکن ایک ساتھ اتنی ساری چیزیں کیسے لے جا سکوں گی ؟"

سلمیٰ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر کہا ۔

" اے ہے کیا کہنا — بڑی بھولی نادان !"

عائشہ بولی ۔

" ہم بتاتے ہیں ۔"

پھر اس نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا اور حکم دیا ۔

" اٹھا اسے سر پہ !"

تعمیل حکم کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا، اگر ذرا بھی تامل یا تذبذب کرتی، تو پھر در در یوں پٹتی اور روئی کی طرح دھنک کر رکھ دی جاتی ، اس نے چارپائی اٹھا کر سر پر رکھ لی ۔

عائشہ نے وہ گٹھڑی اٹھا کر چارپائی پر رکھ دی ۔

فرخندہ نے ایک ہاتھ سے سر پر رکھی ہوئی چارپائی کو سنبھالا اور پھر آہستہ آہستہ جھک کر کونے میں رکھے ہوئے لوٹے کی طرف بڑھایا ۔

ہاتھ ابھی لوٹے تک پہنچ نہیں پایا تھا کہ عائشہ کے جوتے کی ایڑی اس کے ہاتھ پر آکر جم گئی ۔ وہ درد سے بے تاب ہو گئی ۔ آنکھوں میں آنسو ڈھلک آئے ۔ اب نہ کھڑی ہو سکتی تھی نہ بیٹھ رہ سکتی تھی ۔

کھڑی اس لئے نہیں رہ سکتی کہ بوجھ سے سر پھٹا جا رہا تھا ۔

چند لمحوں تک وہ اسی مصیبت میں گرفتار رہی، پھر عائشہ نے اپنا پاؤں ہٹا لیا۔ فرخندہ آہستہ آہستہ کھڑی ہو گئی۔

عائشہ نے کہا۔

" وہاں اپنے ساتھ جہیز نہیں لے جا سکتیں۔ میں پوچھتی ہوں لوٹے کی طرف کیوں ہاتھ بڑھایا تو نے۔ کیا تیرے باپ نے خریدا تھا۔ اسے"

وہ ڈرتی بولی۔

یہ تو شروع سے میرے پاس ہے اس سے منہ ہاتھ دھوتی اور وضو کرتی ہوں!"

سلمیٰ نے قہقہہ لگایا۔

بھئی، ان سے ڈرو، یہ بڑی اللہ والی بی بی ہیں، وضو ہاتھ دھوتی اور نماز پڑھتی ہوں۔ تہجد بھی ضرور پڑھتی ہوں گی۔ لوٹا لے جانے دو ساتھ

سہیلہ بول پڑی۔

"کیوں لے جانے دیں ہمارا ہے!"

جس بنگلے میں رہنے کے لئے جا رہی ہو۔ وہاں مٹی کا ایک بدھنا موجود ہے اس سے منہ ہاتھ دھونا یا وضو کرنا، یا غسل صحت۔ ایک گھڑا بھی ہے!"

سلمیٰ نے کہا۔

بہت ہے۔

پھر وہ فرخندہ کی طرف تند و تیز نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

اب سواری چلے گی بھی کسی طرح یہاں سے؟ ہم سب اسی طرح حضوری میں دست بستہ حاضر رہیں۔

فرخندہ باہر نکلتی ہوئی بولی۔

"چلئے!"

آگے آگے عائشہ، پھر سلمیٰ، پھر سہیلہ سب سے پیچھے فرخندہ

تھوڑے فاصلے پر ملازموں کے رہنے کی معمولی کوٹھڑیاں تھیں، ایک کوٹھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عائشہ نے کہا۔

" چلو جاؤ، یہی ہے تمہارا بنگلہ!

فرخندہ اندر چلی گئی۔ اس کے کانوں میں سہیلہ کی آواز آئی۔

" خدا حافظ!"

پھر ایک قہقہہ گونجا۔

- ⁂ - - ⁂ - - ⁂ -

(۵)

فرخندہ اپنے نئے بنگلے میں داخل ہوئی۔

یہ ایک بہت مختصر سی کوٹھڑی تھی، جس میں صرف ایک چارپائی کی گنجائش تھی۔ اس نے ایک کونے میں چارپائی بچھادی اس پر بستر کر لیا۔ ایک، الماری سی بنی ہوئی تھی، جو صرف ایک چوبی تختے پر مشتمل تھی، اس الماری میں کپڑے رکھ لئے۔

کوٹھڑی پر نظر ڈالی، تو ایک میلا سا بدھنا اور ایک گھڑی بھی موجود تھا۔ لیکن پانی کسی میں بھی نہیں تھا۔

نل پاس ہی تھا، اس نے جلدی جلدی گھڑا اور بدھنا بھر لیا اور لا کر سلیقے سے ایک کونے میں رکھ دیا۔

پھر نہ جانے اسے کیا یاد آیا۔ لپکی لپکی تیز قدم اٹھاتی پھر اسی کمرے کی طرف بڑھی، جہاں سے ابھی ابھی نکالی گئی تھی۔

یہاں عائشہ اور سلمیٰ موجود تھیں۔ سہیلہ بھی پاس کھڑی تھی۔

عائشہ نے اُسے گھور کر دیکھا، اور پوچھا۔

"اب کیوں آئی ہے مردار؟"

پھر سلمیٰ سے کہنے لگی۔

"نہ جانے کیا بات ہے اسے دیکھتی ہوں، تو خون اتر آتا ہے آنکھوں میں۔ جیسے میرے دل میں بیٹھا ہوا کوئی کہتا ہے میرے شوہر کی قاتل یہی ہے۔

سلمیٰ نے پر زور تائید کی۔

ہاں آپا میرے دل میں بھی کئی مرتبہ خیال آچکا ہے ... سچ تو یہ ہے اس کی نحوست میرے دل میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس گھر کا چراغ اسی نے گل کیا ہوا ہو۔ ورنہ بھائی صاحب ہمیشہ سے موٹر چلاتے تھے، کبھی بھولے سے کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ٹرک سے ٹکر ہوئی اور ایسی مہلک خدا دشمن کو بھی اس لڑکی کے سائے سے بچائے۔"

عائشہ نے چڑاتے ہوئے کہا۔

" اسے ہے لڑکی کب تک بنی رہے گی شادی ہو گئی ہوتی تو اب تک کئی بچوں کی ماں بن چکی ہوتی۔ عورت ہے عورت اچھی خاصی، ڈیل ڈول تو دیکھو کیسی بڑھتی اور یہ پھیلتی جا رہی ہے نمک حرام!"

سلمیٰ نے کہا۔

ہم کھاتے ہیں تو غم بھی کھاتے ہیں، ہزاروں فکریں، پریشانیاں اور سب سے بڑھ کر خدا غریق رحمت کرے بھائی صاحب کا غم اسے کون سی فکر ہے، کاہے کا غم، اور اینڈتی ہے یہ نہیں بڑھے گی اور پھیلے گی تو اور کون زندگی کے مزے لوٹے گا!"

سہیلہ جیسے یاد کرتی ہوئی بولی۔

" ویسے ابو کے مرنے پر پچھاڑیں تو بہت کھائی اور روتے روتے آنکھیں سوج گئی تھیں۔"

عائشہ نے تردید کرتے ہوئے کہا۔

سب سے بڑی مکارہ اور جعل ساز ہے اس کے آنسو مگر مچھ کے آنسو تھے؟

سلمیٰ نے ہاں میں ہاں ملائی۔

عائشہ نے حقارت اور نفرت سے بھری ہوئی ایک نظر فرخندہ پر ڈالی اور تلخ لہجہ میں پوچھا۔

" میں پوچھتی ہوں کیوں آئی ہے آخر جواب کیوں نہیں دیتی ؟ بتاتی کیوں نہیں ؟"

" اپنی کتابیں اور گلاس لینے آئی تھی ۔"

عائشہ نے پھر ایک مرتبہ اسے گھورا اور کہنے لگی ۔

" کتابیں ؟"

فرخندہ نے چند کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو میز پر رکھی تھی کہا

" جی ہاں یہ میری کتابیں ہیں !"

عائشہ نے تڑسے جواب دیا ۔

" وہ تیری ہیں یا کالے چور کی ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن ۔"

ڈرتے ڈرتے فرخندہ نے پوچھا ۔

" تو کیا لے جاؤں انہیں ؟"

وہ چیختی ہوئی بولی ۔

" ہرگز نہیں ، کوئی ضرورت نہیں ہے کتابیں پڑھنے کی ۔ پڑھ لکھ کر اتنی عالم فاضل تو بن چکی ہو ، زیادہ پڑھو گی تو دماغ خراب ہو جائے گا !"

سہیلہ چمکتی ہوئی بولی ۔

" پھر صدیق بھی بات نہیں پوچھے گا ۔"

سلمیٰ نے کہا ۔

" یہ نہ کہو وہ بگڑے دماغ کو سیدھا کرنے کے گر جانتا ہے ۔ ڈنڈے اور جوتے میں بڑی طاقت ہے بیٹی اور ڈنڈا بھی صدیق کے ہاتھ کا سر پر اگر پڑ جائے تو وہ بلبلا اٹھے اور ہوتا بھی کس کا صدیق کا خالص اتنا مضبوط کہ لوہے کی دیوار پر مارو تو ہل جائے !"

عائشہ نے پھر کہا ۔

" کلاس کو کیا کہہ رہی تو ؟"

وہ بولی ۔
" (اشارہ کر کے) یہ بھی میرا ہے اسے لینے آئی تھی ۔
عائشہ کو پھر جلال آگیا ، کہنے لگی ۔
" واقعی دماغ چل گیا ہے تیرا مراد تو ہمارے گلاس کو اپنی کوٹھڑی میں لے جائے گی ۔ جا ، چل ، ضرورت پڑے تو نصیبن سے یا امجد سے آبخورہ مانگ لینا ! "
چلو آپا چلیں اپنے کمرے میں ! "
عائشہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی فرخندہ سے کہنے لگی ۔
یہاں کیوں کھڑی ہے جاتی کیوں نہیں اپنی کوٹھڑی میں ؟ "

-٭- -٭- -٭-

(۶)

فرخندہ ایک مرتبہ پھر ذلیل ہو کر اور ناگفتہ بہ باتیں سن کر اپنی کوٹھڑی میں واپس آ گئی اور دروازہ اندر سے بند کیا اور بے سدھ ہو کر رونے لگی۔!

وہ اپنے دل میں فریاد کر رہی تھی۔

"اے اللہ تو نے مجھے کیوں پیدا کیا تھا۔؟

"تیری ذات تو ارحم الراحمین ہے تجھے مجھ پر رحم نہیں ہو سکتا۔؟ لوگ زندگی کے لئے تڑپتے ہیں، میرے مولا، میں تجھ سے موت کی بھیک مانگتی ہوں۔

"مجھے زندگی نہیں چاہیے۔"

مجھے دنیا سے اور دنیا والوں سے نفرت ہو چکی ہے۔

میں تیرے حضور میں حاضر ہونا چاہتی ہوں۔

میں نے کتابوں میں پڑھا ہے رات کے بعد دن آتا ہے۔اے خدا کیا میری شب تار کی سحر کبھی نہ ہو گی۔

میں نے بزرگوں سے سنا ہے مصیبت کے بعد راحت کا زمانہ آتا ہے میرے مولا، کیا میں راحت کا صرف نام سنتی رہوں گی زندگی بھر؟ خود میرا مشاہدہ ہے، گرمی کے بعد بہار آتی ہے، پھر موسم سرما آ جاتا ہے، کیا میرے رب میری زندگی موسم بہار سے ہمیشہ ناآشنا رہے گی؟

ممانی جان نے مجھے منحوس کہا تھا۔

اکثر وہ اور خالہ مجھے اسی منحوس لقب سے یاد کرتی رہتی ہیں۔
یہ لفظ تیر کی طرح میرے دل پر لگتا ہے۔
" کیا یہ غلط ہے ؟"
جہاں تک خود میری ذات کا تعلق ہے، اپنے لئے تو میں واقعی منحوس ہوں۔ منحوس نہ ہوتی تو میرا باپ کیوں مر جاتا ؟"
" ماں کیوں داغ مفارقت دے جاتی ؟"
اور ماں باپ سے زیادہ چاہنے اور محبت کرنے والا ماموں کیوں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا۔
یہ لوگ سمجھتے ہیں ماموں میری نحوست کے سبب مرے ہیں۔
لیکن ان کے مرنے سے نقصان کسے پہنچا ؟
ممانی جان آزادانہ اور خود مختار پہلے سے زیادہ ہو گئی ہیں !
سلمٰی کے اقتدار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔
جس بیٹے کو ماموں جان عاق کر رہے تھے۔ اب وہ ان کے تمام کاروبار اور جملہ جائداد اور املاک کا تنہا مالک اور مختار ہے، گلچھڑے اڑا رہا ہے مزے کر رہا ہے۔
سہیلہ کی ایک اچھی جگہ شادی ہو رہی ہے، وہ شاید کئی مہینے کے بعد ہو گی۔ لیکن ساز و سامان کی تیاری ابھی سے زور شور کے ساتھ شروع ہو چکی ہے
خدارا کوئی بتاؤ ان لوگوں کو ماموں جان کے مر جانے سے کیا نقصان پہنچا !
نقصان تو مجھے پہنچا کہ رانی سے کوٹے ہنکنی بنا دی گئی۔
پہلے اس گھر میں میرا دبدبہ تھا، طنطنہ تھا، اثر تھا، اقتدار تھا، شان بھی آن بھی۔
یہ لوگ مجھ سے کتنے ہی جلتے ہوں اور نفرت کرتے ہوں۔ مگر ماموں جان کے خوف سے میرا خیال کرتے تھے، میری خوشامد کر گزرتے تھے، کوئی غلطی

کرتے تھے تو بار بار معافی مانگتے تھے۔

مجھے ضرورت سے زیادہ جیب خرچ ملتا تھا۔

میرے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ زیورات بنوائے جاتے تھے۔

قیمتی سے قیمتی کپڑے خرید کر میرے ملبوسات تیار کروائے جاتے تھے

نوکر میرے اشارے پر چلتے تھے۔

ماسٹر صاحب مجھے پڑھانے آتے تھے۔

مسز صاحبہ سینے پرونے اور پکانے کی تعلیم دینے آیا کرتی تھیں۔

میں ایک شہزادی کی طرح زندگی بسر کرتی تھی۔

لیکن ماموں جان کے اس دنیا سے اُٹھتے ہی میری حیثیت ایک باندی سے کمتر ہو گئی!

اور آج تو آخری تسمہ بھی نکل گیا۔

گھر سے نکال دی گئی اور اس کوٹھڑی میں پہنچا دی گئی۔

اور صرف اسی ذلت پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ میرا رفیق حیات منتخب کر لیا گیا۔

وہ رفیق حیات جس کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ چپراسی ہے اور دوسری خوبی اُس کی یہ ہے کہ اندھا دھند بیویوں کو مارا پیٹا کرتا ہے۔

جاوید کی بھانجی ایک افسر کے چپراسی سے بیاہی جائے گی۔

کیا میں اس آخری اور سب سے بڑی ذلت کو چپ چپاتے برداشت کرونگی؟

کیا مجھے خودکشی کر لینی چاہیئے۔

جی تو یہی چاہتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو ایک مرتبہ ذلیل کرنے سے پہلے خودکشی بھی نہیں کرنا چاہتی!

دیکھوں گی یہ کس طرح من مانی کر کے جس کے چاہیں مجھے حوالے کرتے ہیں؟

میں فرخندہ ہوں۔ شریف ماں کی بیٹی، شریف باپ کی لخت جگر اور شریف

ماموں کی بھانجی ۔

میں نے بہت ظلم سہہ لئے اور جب تک ممکن ہے سہتی رہوں گی ۔ لیکن یہ ظلم نہیں سہہ سکتی !

میں بغاوت کر دوں گی اور بتا دوں گی کہ اگر بلی بھی جب مجبور ، اور بے بس ہو جاتی ہے تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے ۔

اور اس کے بعد ؟

ہاں اختیار ہے مجھے چاہوں تو خود کشی کر لوں ، چاہوں ، اس گھر سے نکل کر کہیں اور زندگی بسر کرنے کا ڈول ڈالوں ۔

یہ باتیں سوچتے ، سوچتے اسے یاد آیا تین چار دن میں سہیل کی شادی ہونے والی ہے برات آئے گی ۔ مہمان آئیں گے ، مرد بھی اور عورتیں بھی لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی سب ہی کچھ ہو گا ۔

اور عشرت و مسرت کے اس ہجوم میں میرا کوئی حصہ نہیں ہو گا ۔

نہیں میں نے غلط کہا ۔

میرا حصہ بھی ہو گا ۔

ذلت رسوائی ، حقارت !

یہ حصہ بار بار مجھے ملتا رہا ہے ، لیکن اس تقریب سعید کے موقع پر تو جی بھر کے ملے گا ۔ میں اس حصہ کو قبول ہی کرنے سے انکار نہیں کر سکتی !

یہ حصہ مجھے قبول ہی کرنا پڑے گا — (آہ)

زندگی اپنی جو اس رنگ میں گزری غالب ہم بھی کیا یاد کریں گے خدا رکھتے تھے

(۷)

فرخندہ اپنے بستر پر لیٹی بھی باتیں سوچ رہی تھی اور روتی جاتی تھی۔ آنسو تھے رکنے اور تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

یکایک اس نے محسوس کیا دروازے پر کوئی دستک دے رہا ہے ایک انجانے سے خوف نے اُسے اُٹھ کر دروازے کو کھولنے سے باز رکھا۔

وہ سوچنے لگی۔ اب نہ جانے کون سی آفت آنے والی ہے۔

ضرور ممانی جان یا سہیلہ یا سلمیٰ خالہ کوئی نیا فتنہ جگانے آئی ہیں۔

"کیا دروازہ کھول دو۔؟

وہ تو کھولنا ہی پڑے گا، نہ کھولوں گی تو توڑ ڈالا جائے گا!

یہ سوچ کر وہ اٹھی اور اس نے کنڈی کھول دی۔

امجد سامنے کھڑا تھا۔ وہ فرخندہ کو یہاں اس حالت میں دیکھ کر ٹھٹکا رہ گیا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

"بیٹی تم یہاں؟"

وہ بولی۔

"ہاں بابا، ممانی جان کا حکم یہی ہے کہ میں یہاں رہوں۔

"لیکن کیوں!!"

نئی دنیا نئے لوگ

(۱)

سلیم پور کے چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹرین آکر رکی۔

لیڈی حمید نے اپنے خط میں فرخندہ کو تاکید کر دی تھی کہ زنانہ سکینڈ کلاس میں سفر کرے۔ کرائے کے لئے سو روپے کا نوٹ ملفوف تھا۔ اور جب مسافر اتر لیں، تب اترے، یہی شناخت کی علامت ہوگی۔ حمید منزل سے جو آدمی لینے آئے گا۔ اسے پہچاننے میں دشواری نہیں ہوگی، آسانی سے پہچان لے گا۔

زنانہ کمپارٹمنٹ میں صرف دو تین سواریاں وہ جلدی جلدی اتر گئیں، سب سے آخر میں فرخندہ اتری، ایک آدمی سامنے کھڑا تھا۔ وہ قریب آیا اور کہنے لگا۔ مس فرخندہ شاید آپ ہی ہیں!

فرخندہ نے اس شخص پر ایک نظر ڈالی، الجھے ہوئے بال، سونا سونا چہرہ ایسا ہوتا تھا۔ شیو کئی دن سے نہیں کیا ہے کپڑے اگرچہ صاف تھے لیکن عجب بے ڈھنگے سے!"

فرخندہ نے پوچھا۔

کیا تمہیں لیڈی حمید نے بھیجا!"

اس نے کسی قسم کے اخلاق یا نیاز کا اظہار کئے بغیر جواب دیا۔
جی ہاں میں انہی کا فرستادہ ہوں اور سیدھا حمید منزل سے آرہا ہوں!"
یہ کہہ کر اس نے قلی کو آواز دی، سامان اٹھوایا اور ایک نہایت شاندار کار کے سامنے آکر رک گیا۔
قلی نے سامان کار کے پچھلے حصے میں احتیاط سے رکھ دیا، فرخندہ نشست پر بیٹھ گئی۔ وہ شخص اسٹیرنگ پر آکر بیٹھ گیا۔ اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ذرا دیر کے بعد فرخندہ نے پوچھا۔
"ڈرائیور — !"
اس نے جواب دیا۔
"کہیے سن رہا ہوں!"
وہ بولی۔
"حمید منزل یہاں سے کتنی دور ہے؟"
ڈرائیور نے جواب دیا۔
"زیادہ دور نہیں ہے بس پندرہ دن کا راستہ ہے!"
اکھڑے اکھڑے جواب سے فرخندہ اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو گئی۔ وہ سوچنے لگی۔
"جس گھر کے ڈرائیور اس درجہ کج خلق اور اکھڑ ہیں۔ وہاں کے رہنے والوں کا کیا حال ہوگا؟"
یہاں بھی تو کسی سلمیٰ یا عائشہ سہیل یا سہیلہ سے پالا پڑنے والا نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیا ہوگا۔
اس تصور سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آخر درخت اپنے پھل سے ہی پہچانا جاتا ہے۔

ایمین اس نے اپنے دل ناتواں کو سنبھالا اور خود ہی اپنے آپ سے کہنے لگی۔

مجھے دوسرے لوگوں سے کیا مطلب ہے مجھے تو لیڈی حمید سے سروکار رہے گا۔ اور وہ یقیناً اچھی خاتون ثابت ہوں گی۔

٭ ٭ ٭

(۲)

پندرہ منٹ ختم ہوئے۔
کار حمید منزل کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی ۔
یہ مکان کہاں اچھا خاصا محل تھا۔
اتنی شان دار اور فلک شکوہ عمارت آج تک اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔
ڈرائیور جیسے ہی کار سے اترا ، کئی آدمی لپکتے ہوئے اور سامنے کھڑے ہو گئے۔
ڈرائیور نے ایک آدمی کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔
" سامان اتار دو!"
پھر دوسرے سے کہا۔
" امینہ کو بلاؤ (فرخندہ کی طرف اشارہ کر کے) یہ بیگم صاحبہ کی بلائی ہوئی ہیں۔ اور انہی کے پاس رہیں گی!"
ذرا دیر میں امینہ آگئی، اس کے لباس اور شکل وصورت اور عمر سے فرخندہ نے اندازہ لگا لیا اس کی حیثیت اس گھر میں وہی ہے۔ جو ہمارے ہاں زینب کی تھی۔
اس نے اخلاق اور تپاک کے ساتھ کہا۔

"بیٹی تم آگئیں - سرکار کو بڑا انتظار تھا تمہارا، ابھی تک انہوں نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہے تمہارے انتظار میں!"

یہ باتیں سن کر فرخندہ کا دماغ عرش پر پہنچ گیا۔

ڈرائیور کے اکھڑ پن سے جو ذہنی تکلیف اسے پہنچی تھی وہ دور ہوگئی اس نے محسوس کیا اس کے گھر کے لوگ بڑے شریف ہیں۔ اس سے بڑھ کر شرافت کیا ہوگی کہ گھر کی مالکہ بغیر کھائے میرے انتظار میں بیٹھی ہے۔"

وفورِ تاثر سے کوئی جواب نہ دے سکی۔ امینہ نے کہا۔

چلو بیٹی پہلے تمہیں سرکار کے پاس لئے چلتی ہوں، پھر جو کمرہ تمہارے لئے منتخب کیا گیا ہے وہاں جاکر اطمینان سے آرام کرنا، ریل کا سفر کتنا ہی آرام دہ ہو لیکن تکان ہو جاتی ہے - !"

فرخندہ کے دل پر ان باتوں کا اثر ہوا، اس نے کہا۔

چلئے سرکار کے پاس لے چلئے مجھے۔

امینہ نے اس آدمی سے جس نے کار سے سامان اتارا تھا کہا۔

دیکھو یہ سامان لے جاکر، اس کمرے میں رکھ دو جو سرکار کے کمرے سے ملا ہوا ہے۔ ہم بھی آرہے ہیں!"

وہ آدمی سامان لے کر چلا گیا، فرخندہ امینہ کے ساتھ حمید منزل کے بالائی حصے پر پہنچی، ایک وسیع اور کشادہ کمرے میں لے جاکر ایک بوڑھی لیکن نہایت باوقار خاتون کے سامنے اس نے لے جاکر اسے کھڑا کر دیا اور کہا۔

"سرکار یہ آگئیں بیگم!"

لیڈی حمید ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھیں، اس طرح لیٹے لیٹے انہوں نے فرخندہ پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔

"اچھا"

پھر امینہ سے کہا
ان کا سامان رکھوا دیا گیا۔

وہ بولی۔
"جی سرکار — اب آپ ناشتہ کر لیں، نو بج چکے ہیں اور آپ سویرے ناشتہ کر لینے کی عادی ہیں۔"

لیڈی حمید نے امینہ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ فرخندہ سے کہا۔
"اتنا بڑا سفر کر کے آئی ہو جاؤ غسل کر و کپڑے بدلو، پھر آؤ اور میرے ساتھ ناشتہ کرو۔"

پھر انہوں نے امینہ سے دریافت کیا۔
آج موسم خاصا خشک ہے گرم پانی نہ ہو تو جلدی سے کرا دو!"

فرخندہ کا جی چاہا کہ کہہ دے، نہ تھکی ہوئی ہوں نہ اس وقت نہانا چاہتی ہوں۔ اور گرم پانی کی ضرورت نہیں ہے دیر ہو رہی ہے پہلے ناشتہ کر لیں۔ لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ چپ چاپ امینہ کے ساتھ چلی گئی امینہ اسے اپنے ساتھ لے کر ایک کمرے میں پہنچی اور کہنے لگی۔

بیٹی یہ تمہارا کمرہ ہے اسی سے ملا ہوا ہے وہ غسل خانہ ہے، جاؤ جلدی سے غسل کر لو۔ اگر زیادہ دیر ہو گئی تو سرکار ناشتہ نہیں کریں گی۔ وہ وقت کی بڑی پابند ہیں۔"

فرخندہ غسل خانے میں پہنچی، گرم اور ٹھنڈا پانی پہلے سے موجود تھا۔ اعلیٰ درجہ کے ولایتی صابن کی ٹکیہ بھی رکھی تھی، ایک بڑا سا تولیہ بھی موجود تھا۔ اس کے علاوہ اور چاہیے بھی کیا تھا۔

(۳)

جلدی جلدی غسل سے فرخندہ نے فراغت حاصل کرلی!

غسل کر لینے سے واقعی ساری تھکاوٹ دور ہوگئی اور وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی، کپڑے بدلے، بال سنوارنے کے لئے آئینہ کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔ قدِ آدم آئینہ تھا۔ آج اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور خوشی سی محسوس کی۔

پھر ایک سرسری نظر کمرے پر ڈالی۔

ایسا کمرہ اسے رہنے کو ملے گا۔ اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی، نہایت خوبصورت ٹائل کا فرش، قیمتی اور دیدہ زیب قالین سارے فرش کو محیط، ایک مسہری رکھی ہوئی تھی۔ جس پر بستر کیا ہوا تھا کیا کہنا اس بستر کا صرف کمبل ہی دیکھ لیں اور طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ وہ سوچنے لگی۔ شاید کسی اور کا بستر ہے۔ لیکن میرا بستر کہاں ہے؟ — آجائے گا ذرا دیر میں۔

ایک طرف ایک عمدہ سی میز رکھی ہوئی تھی۔ ایک صوفہ سیٹ، تین چار کرسیاں دو آہنی الماریاں، دیوار کے اندر لگی ہوئیں ایک چوبی الماری بھی اس میں بہت سی کتابیں۔

ہر چیز بیش قیمت اور عمدہ۔

یہ ساز و سامان دیکھ کر فرخندہ دل ہی دل میں عش عش کر اٹھی۔
بیک وقت اسے خیال آیا سرکار کو ناشتے پر میرا انتظار ہوگا۔

وہ جلدی سے لیڈی حمید کے کمرے میں پہنچی، ناشتہ میز پر لگ چکا تھا
لیکن لیڈی صاحبہ بدستور آرام کرسی پر نیم دراز تھیں ۔
فرخندہ کو دیکھ کر سوال کیا ۔
" آ گئیں تم ؟"
وہ ادب کے ساتھ گویا ہوئی ۔
" جی ہاں ۔
غسل کر لیا ۔
" جی ۔"
" گرم پانی بھی تھا ۔"
" جی ہاں وہ بھی تھا ۔"
" صابن ۔۔۔ تولیہ ؟ اور ضرورت کی دوسری چیزیں ؟"
" سب کچھ تھا سرکار ۔ !"
" اچھا آؤ ناشتہ کر لیں ۔"
یہ کہہ کر لیڈی صاحبہ اٹھیں اور ناشتے کی میز پہ آ کر بیٹھ گئیں ۔
فرخندہ سے فرمایا ۔
" کھڑی کیا دیکھ رہی ہو ؟" ۔ آؤ !"
وہ آئی اور ادب سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی، گھر کی طرح اور گھر
کے ساز و سامان کی طرح ناشتہ بھی نہایت شاندار تھا
رات کی بھوکی تھی ۔ تکلف کرتے کرتے بھی کافی کھا گئی ۔ لیڈی صاحبہ
خود بھی اچھی اچھی چیزیں اس کی طرف بڑھا رہی تھیں اور اصرار کر کے
کھلا رہی تھیں ۔ ناشتے کے دوران میں لیڈی حمید نے فرخندہ سے پوچھا ۔
تمہارے والد کیا کرتے ہیں ۔
وہ بولی ۔

ان کا تو بہت عرصہ ہوا انتقال ہو گیا، میں اتنی چھوٹی تھی کہ ان کی

صورت بھی مجھے یاد نہیں ہے۔

"افسوس تم باپ کی شفقت سے محروم رہیں۔ والدہ تو ہوں گی" فرخندہ نے حسرت بھرے لہجہ میں کہا۔

"جی نہیں، ان کا بھی انتقال ہو گیا۔"

"کب؟ کتنے دن ہوئے؟"

سرکاران کے انتقال کو بھی عرصہ ہو گیا۔ اس وقت میری عمر ۱۱، ۱۲ سال کی تھی!

اب تو ماشاءاللہ ۱۸، ۱۹ سال کی معلوم ہوتی ہو؟

جی ہاں کم و بیش اتنی ہی عمر ہے میری —!"

والد اور والدہ کے انتقال کے بعد۔ زندگی کے یہ دن کہاں گزارے تم نے؟

"ماموں کے ہاں!"

"وہ کیا کرتے ہیں؟

"کاروبار کرتے تھے۔ لیکن کچھ عرصہ ہوا ان کا انتقال بھی ہو گیا۔"

میں سمجھ گئی۔ ان کے انتقال کے بعد تمہاری ممانی جان کا سلوک اچھا نہیں رہا ہوگا۔ اس لئے تم نے وہاں رہنے پر ملازمت کو ترجیح کیوں دی؟۔ کیوں یہی بات ہے نا؟

"(بھرائی ہوئی آواز میں) جی ہاں آپ کا خیال صحیح ہے۔"

دنیا ایسی ہے لڑکی۔ لیکن انشاءاللہ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی اپنے گھر کی طرح یہاں رہو گی!"

(۴)

ناشتے کے بعد، لیڈی حمید اُٹھ کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں۔
آؤ میرے ساتھ!
فرخندہ ان کے پیچھے پیچھے چل کھڑی ہوئی۔ وہ اسے ایک ایسے کمرے میں پہنچیں جو اس کے لئے خاص کیا گیا تھا۔
بستر کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولیں۔
یہ تمہارا بستر ہے!"
پھر الماری کی طرف اشارہ کیا۔
اس میں تاریخی مذہبی اور اصلاحی قسم کی کتابیں ہیں کچھ اعلیٰ درجہ کے ناول ہیں۔ انہیں پڑھو کتاب سے اچھا کوئی رفیق نہیں۔ بعض دفعہ میرا جی چاہتا ہے پڑھنے کا، لیکن آنکھیں اتنی کمزور ہو چکی ہیں کہ ایک حرف بھی نہیں پڑھا جاتا۔ کبھی کبھی میری پسند کی کتابیں سنا دیا کرنا"
بہت ادب لیکن مستعدی کے ساتھ اس نے جواب دیا۔
" بہت خوب!"
پھر میز کی طرف بڑھیں اور وہاں جا کر کھڑی ہو گئیں۔ کہنے لگیں۔
یہ تمہارے لکھنے پڑھنے کے لئے مخصوص ہے دیکھو یہ کاغذ رکھا ہے روشنائی الماری میں رکھی ہے۔ یہ لو فونٹین پن —
فرخندہ نے فونٹین پن لے لیا۔ اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ کون

فوٹین پن اچھا ہوتا ہے ؟ لیکن لیڈی صاحبہ کا عطیہ اسے بہت پسند آیا۔
ان سب چیزوں کا تعارف "کرا چکنے کے بعد وہ گویا ہوئی۔

" میں نے امینہ کو تاکید کر دی ہے کہ تمہارے ضروریات اور آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال نہ رکھے۔ لیکن بندہ بشر ہے بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ اسے کسی چیز کا خیال نہ رہے اور تم اس کی ضرورت محسوس کرو، تو بے تامل طلب کر سکتی ہو۔ ایک مرتبہ پھر کہتی ہوں، اس گھر کو اپنا سمجھنا اگر تم نے غیریت برتی تو مجھے صدمہ ہوگا یا"

کتنے میٹھے بول تھے۔

کتنا پیارا اخلاق تھا!

کیسی دل ربا شخصیت تھی۔

وہ سوچنے لگی۔

یا اللہ کیا دنیا میں ایسے آدمی بھی ہوتے ہیں ۔۔ ؟'

اس گھر میں آئے ہوئے ابھی مجھے دیر ہی کتنی ہوئی ہے ؟

لیکن اتنی بدقسمت تھی کہ اب تک اس گھر سے دور رہی اور کتنی خوش قسمت ہوں کہ آخر کار یہاں پہنچ گئی۔

" یا اللہ اب کسی آفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ بڑی خوشی سے ساری زندگی یہاں گزار دوں گی ۔!"

مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ گئی ہوں

بے شک یہ گھر میرے لئے جنت ہے!

آخر اس کے لب کھلے اور اس نے کہا۔

مجھے باتیں بنانا نہیں آتیں۔ لیکن میں سچ عرض کرتی ہوں، آپ کو دیکھ کر، آپ کی باتیں سن کر اور یہاں آکر میں ایسا محسوس کرنے لگی ہوں، جیسے مجھے نئی زندگی مل گئی ہے۔ کہاں وہ کانٹوں بھری زندگی، بارہا جی چاہا کہ خود

کشی کروں اور کہاں یہ زندگی جس میں پھول ہی پھول ہیں۔ بہار ہی بہار ہے نشاط ہی نشاط ہے۔

سوچتی ہوں اور دل ہی دل میں سجدۂ شکر ادا کرتی ہوں یا اللہ کیا میں اس انعام کی مستحق تھی؟ ۔ کیا اپنے تئیں اس انعام کی مستحق ثابت کر سکوں گی۔

لیڈی حمید غور سے فرخندہ کی باتیں سنتی رہیں، پھر گویا ہوئیں۔

"اللہ کی طرف سے بندے کو انعام ہی ملتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ اپنی کم فہمی کے باعث وہ اس کی حقیقت سمجھ نہ سکے۔ لڑکی تکلیف اور مصیبت بھی بہت بڑا انعام ہے اور یہ انعام صرف ظرف والوں کو ملتا ہے۔ سونا جب تک تپتا نہیں، نکھرتا نہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ تمہیں تکلیف و مصیبت کا انعام بھی دیا گیا۔

لیڈی حمید چپ ہو گئیں اور فرخندہ حیرت سے ان کی طرف تکنے لگی۔ بار بار ایک ہی خیال میں آتا تھا

"یہ جو کچھ میں دیکھ رہی ہوں، یہ عالم بیداری ہے یا عالم خواب؟

یکایک لیڈی حمید نے کہا۔

"لڑکی ۔"

تم نے ابھی خود کشی کا لفظ استعمال کیا تھا؟

وہ بولی۔

"جی ہاں ۔ جس جہنم کی زندگی سے مجھے واسطہ پڑا تھا، اس نے کئی دفعہ مجھے خود کشی پر آمادہ کر دیا تھا۔!"

یہ بات سن کر لیڈی حمید نے صرف ایک ہی بات کہی۔

"خود کشی بزدلی ہے۔ شکست کا اعتراف ہے انسان کی شان اسی میں ہے کہ ہار نہ مانے، بزدلی کا اظہار نہ کرے ۔ اب تو ایسی باتیں کبھی

نہیں سوچی ؟"

بے ساختہ فرخندہ کے منہ سے نکل گیا۔

"جی نہیں !"

لیڈی حمید مسکرانے لگیں۔

٭٭٭

(۵)

فرخندہ کو لے کر، لیڈی حمید پھر اپنے کمرے میں واپس آ گئیں۔ جب سے آرام کرسی پر بیٹھ چکیں تو کہنے لگیں۔

" لڑکی، بہت اچھا ہو، اگر ہم دونوں ایک دوسرے سے زیادہ واقفیت پیدا کر لیں۔ "

وہ بولی۔

" بجا فرمایا آپ نے ! "

لیڈی حمید نے کہا۔

" پہل میں کرتی ہوں "

اور پھر انہوں نے کہا۔

" ساٹھ سے زیادہ عمر ہو چکی ہے، بیمار بھی رہتی ہوں، غم بھی بہت جھیلے ہیں اور جھیلتی رہوں گی۔ "

فرخندہ ضبط نہ کر سکی پوچھ بیٹھی۔

" غم ۔ آپ غمگین رہتی ہیں ؟ "

بڑے اطمینان سے کہنے لگیں۔

" ہاں لڑکی میں بہت غم جھیلے ہیں اور اب جھیلتی رہتی ہوں۔ "

" اب بھی ؟ "

" ہاں ہاں ۔ لیکن میں نے خوشی کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ "

یہ کہتے کہتے وہ رک گئیں، ذرا دیر کے بعد بولیں۔

"ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ طبیعت چڑچڑی ہو گئی ہے، کبھی کبھی معمولی سی بات پر غصہ آجاتا ہے۔ معمولی سی بات پر جھلا اٹھتی ہوں اگر کبھی یہ کمزوری دیکھو تو خفا نہ ہو جانا! یہ کیفیت آنی جاتی ہوتی ہے زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی!"

وہ دل میں لیڈی حمید اور عائشہ وسلمیٰ کا موازانہ کرنے لگی۔

ایک وہ دونوں عورتیں تھیں جو قصور تلاش کر کے سزا دیتی تھیں، ایک یہ بزرگ خاتون ہے جو خود اپنی کمزوریاں بیان کر رہی ہے اور ان کے بارے میں پیشگی معذرت کر رہی ہے!"

اسے خاموش دیکھ کر لیڈی حمید نے کہا۔

"لڑکی تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

وہ چونک پڑی۔ پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"بھلا ایسا بھی ممکن ہے کہ آپ کی کوئی بات کڑوی گزرے جو اتنی ذرا سی دیر میں آپ کی شخصیت، سیرت اور کردار کا ایسا نقش میرے دل پر قائم ہو گیا ہے، جو کبھی نہیں مٹ سکتا۔"

"لیکن لڑکی مجھے کبھی کبھی بے بات کی بات پر غصہ آجاتا ہے ـــ"

"آیا کرے، ایک مرتبہ نہیں ہزار بار آئے، آپ مجھے گالیاں دیں، ذلیل کریں، لیکن میں نے طے کر لیا ہے زندگی بھر آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گی۔"

لڑکی! تم بہت شریف معلوم ہوتی ہو، لیکن میں بتانا یہ چاہتی تھی کہ اگر کبھی اس کا مجھ سے اظہار ہو تو سامنے سے ٹل جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد اپنے آپ میں آجاؤں گی، اور معذرت کر لوں؟"

اس تجویز سے فرخندہ نے اتفاق کیا۔

"بہت اچھا!"

لیڈی حمید نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

" اب تم اپنی کہو"

" جی میں عرض کروں ؟"

تمہاری رفتار مزاج کیا ہے ؟

" کچھ بھی نہیں !"

" تمہیں بھی میری طرح جلدی سے غصہ تو نہیں آجاتا ؟"

بالکل نہیں ۔

" لیکن اگر آئے گا بھی تو میں برا نہیں مانوں گی ۔ !"

" یہ آپ کیا فرما رہی ہیں ؟ بھلا مجھے غصہ آسکتا ہے آپ پر ؟ کیسی ان ہونی بات فرمادی آپ نے ؟

" لڑکی، مصیبت اور غم کی کثرت آدمی کو چڑچڑا بنا دیتی ہے تمہیں بھی غم سے پالا پڑا ہے تم نے بھی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ لہذا اگر تم میں چڑچڑا پن ہوگیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں، میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ اگر ایسا ہے تو میں اسے برداشت کرلوں گی، تم مجھے بہت اچھی لڑکی معلوم ہوتی ہو، میں تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں ۔ چھوڑنا نہیں چاہتی ۔"

" میں آپ سے عہد کرتی ہوں کہ آپ نکالیں گی تب بھی یہ در چھوڑ کر میں کہیں نہیں جا سکتی ۔"

لڑکی جانتی ہو، میں نے تمہیں کیوں منتخب کیا ۔

" میں نہیں جانتی سرکار !"

" میرے پاس کوئی ڈیڑھ سو درخواستیں آئی تھیں، تم سے پہلے زیادہ تعلیم یافتہ لیکن میں نے ساری درخواستیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں اور تمہاری یہ درخواست ہی منظور کرلی ۔"

" بہت شکر گزار ہوں اس احسان کی !"

" لیکن یہ بھی تو سنو میں نے یہ احسان کیوں کیا ؟"

جی فرمائیے ۔ سن رہی ہوں !"

میں انسان کا مواد خط دیکھ کر اس کے کیریکٹر کا اندازہ کر لیتی ہوں۔ اور آج تک میرا اندازہ غلط نہیں ہوا ۔ تمہارا مواد خط دیکھتے ہی میں نے محسوس کر لیا میرے کام کی صرف یہی لڑکی ہو سکتی ہے ۔

اتنے میں آمینہ آگئی ۔ اس سے لیڈی حمید نے کہا ۔

" انور کہاں ہے ؟ مجھے اس سے کچھ باتیں کرنی ہیں ؟"

وہ بولی ۔

" وہ تو فرخندہ بیگم کو پہنچاتے ہی موٹر لے کر چلے گئے ۔ اب تک آئے نہیں سرکار ۔ !"

(۶)

فرخندہ کو حمید منزل میں رہتے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ یہ دن اس کی زندگی کے خوش گوار ترین دن تھے وہ اکثر سوچا کرتی تھی۔ اگر میری ماں زندہ ہوتی اور وہ اتنی ہی امیر ہوتی ہے، جتنی لیڈی حمید ہیں۔ تو کیا وہ اس سے زیادہ سکھ مجھے پہنچا سکتی تھی۔

اور جواب دل دیتا نہیں۔

ہر روز شام کو پانچ بجے لیڈی حمید امینہ کو حکم دیتیں۔

جاؤ انور سے کہہ دو، ہمیں سیر کرا لائے۔

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر وہ نیچے اترتیں، پورٹیکو میں کار کھڑی ہوتی، فرخندہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتیں۔ انور ڈرائیو کرتا تھا وہ پچھلی نشست بیٹھ جاتی۔

کبھی دریا کی طرف، کبھی باغ کی طرف، کبھی کسی اور طرف کبھی ایسا ہوتا لیڈی حمید انور سے کہتیں۔

"گاڑی روکو ہم ٹہلیں گے۔!"

وہ کار روک دیتا وہ فرخندہ کے سہارے نیچے اترتیں اور آہستہ آہستہ قدم رکھتی، کچھ دیر تک ٹہلتیں اور پھر کار میں واپس آکر بیٹھ جاتیں

یہ تفریباً روز کا معمول تھا۔

ایک روز اسی طرح وہ ٹہلتے ٹہلتے ذرا دور تک چلی گیئں، سامنے ایک تالاب تھا اس پر بیٹھ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ انہوں نے فرخندہ سے پوچھا۔

یہاں دل تو لگیا ہے تمہارا۔

جی ہاں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں ہمیشہ یہیں رہتی آئی ہیں۔

"کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

بالکل نہیں سرکار۔ بھلا کہیں جنت میں بھی تکلیف ہوتی ہے کسی کو؟

لیڈی جمہد بڑی بردقار، بارعب اور وجیہہ شخصیت کی مالک تھیں ان بڑھاپے میں بھی طنطنے کا یہ عالم تھا کہ سارا گھر بید کی طرح ان سے کانپتا تھا اگرچہ ان کا برتاؤ سب کے ساتھ حد درجہ مربیانہ اور مشفقانہ تھا ملازمین کی اس طرح خبر گیری کرتی تھی۔ جیسے کسی عزیز کی کی جاتی ہے کسی کو ڈانٹتے کسی پر خفا ہوتے یا جھڑکتے نہیں دیکھا تھا۔ البتہ آپ کو لئے ہوئے رہتی تھیں۔ صرف کام کی بات کرتی تھیں اور خاموش ہو جاتی تھیں ہنسنا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ مسکراتی بھی تو شاذ و نادر تھیں۔ لیکن فرخندہ کی اس بات پر وہ اپنا تبسم ضبط نہ کر سکیں۔ پھر کہنے لگی۔

"یہاں کا منظر بہت اچھا ہے؟"

فرخندہ نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں بہت زیادہ!"

نہ جانے کیسے خیال آگیا، کہنے لگا۔

سرکار نے تمہیں بلایا ہے!

"جاؤ انور کو بلاؤ۔ وہ تو بس ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے سیر تفریح آرام کسی چیز سے واسطہ ہی نہیں رکھتا، یقیناً یہ منظر دیکھ کر وہ

بھی بہت کرہت خوش ہوگا۔؟"

فرخندہ سوچنے لگی، اس عورت کے دل میں فرخندہ امینہ، انور اور دوسرے ملازمین کی کتنی جگہ ہے؟ یہ سب کا بھلا چاہتی ہے۔ سب سے ہمدردی کرتی ہیں۔ سب کو خوش رکھنا اور خوش دیکھنا چاہتی ہے۔

وہ مستعدی کے ساتھ اُٹھی اور جاتے ہوئے کہنے لگی۔

بہت اچھا ابھی لائی جاکر!۔

لیڈی حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تیز تیز قدم رکھتی انور کے پاس پہنچی، وہ کار کے بار کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ پیٹھ کار سے ٹیکے ہوئے تھا۔

اس وقت پتلون اور جرسی میں ملبوس تھا۔ لیکن بال حسب سابق بکھرے ہوئے چہرہ ہونق۔ آنکھیں سند لیں کسی چیز کو گھور کو گھور رہا تھا۔

فرخندہ کو تنہا آ دیکھ کر اس نے سگریٹ پھینک دیا اور قدرے اضطراب کے ساتھ پوچھا۔

اکیلی کیوں آئی؟ — سرکار کو کہاں چھوڑ آئیں؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟

نہایت اطمینان کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

"سرکار بالکل بخیریت ہیں۔"

انور نے پوچھا۔

"پھر تم اکیلی کیوں آئی ہو۔"

وہ بولی۔

مجھے بلایا ہے؟ کیوں ہے"

"ڈرائیور تم کو سرکار کے مزاج ہمارے مقابلے میں کہیں زیادہ واقف ہونا چاہیے۔

"بہت زیادہ واقف ہوں۔"

"پھر کیوں نہیں سمجھ جاتے، ان کی یہ طلبی رحم اور شفقت پر مبنی ہے!"
ڈرائیور نے حیرت کے ساتھ فرخندہ کو دیکھا۔ اور کہا۔
رحم اور شفقت۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔ ؟

وہ بولی۔
"مطلب صرف اتنا کہ سرکار تالاب کے کنارے بیٹھی ہیں۔ وہاں کا منظر انہیں بہت پسند آیا، تمہارے بارے میں مجھ سے کہنے لگیں، اجاڑ ایسے بلا آدمی ہے انتہا محنت کرتا ہے۔ ہر وقت بس کام، کام، کام چاہے دن ہو یا رات، اپنی صحت کا ستیاناس کر لیا ہے۔ یہاں آ کر ذرا یہ منظر دیکھے گا۔ تو اس تو اس کی طبیعت خوش ہو گی۔ اب سمجھے رحم اور شفقت کیا چیز ہوتی ہے ؟"
ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا اور ایک سگریٹ سلگایا اور کار سے ٹیک لگا کر پھر کھڑا ہو گیا اور خلا میں گھورنے لگا۔
ذرا دیر فرخندہ اس انتظار میں کھڑی رہی کہ اب چلتا ہے۔ لیکن وہ تو ٹس سے مس بھی نہیں ہوا۔ آخر جھلا کر بولی۔
ڈرائیور تم نے سنا نہیں، میں نے کیا کہا ہے ؟

"سن لیا!"
"پھر چلتے کیوں نہیں ؟"
"میں یہیں اچھا ہوں اور خوب تفریح کر رہا ہوں!"
"ارے تو کیا تم نہیں چلو گے۔"
"قطعاً نہیں!"
"نہایت گستاخ اور بدتمیز ہو۔ سرکار تمہیں بلا رہی ہیں اور تم انکار کر رہے ہو ؟"
ڈرائیور کا چہرہ سرخ ہو گیا اور کچھ اتنا بھیانک بن گیا کہ فرخندہ سہم گئی۔ وہ کہنے لگا۔

"واپس جاؤ اور کہہ دو میں نہیں آؤں گا۔ اور ان سے یہ بھی کہہ دینا کافی دیر ہوچکی ہے۔ سیر ہوچکی ہے۔ اب تشریف لائیں۔
فرخندہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ دہشت جو ابھی اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی غصے نے دور کر دی۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
"اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، تم میرے پاس ایک حکم لائیں میں نے اس کا جواب دے دیا۔ اس کے بعد تمہاری ذمہ داری ختم ہوگئی۔
فرخندہ نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا، لیکن اس طرح جیسے خود سے کہہ رہی ہو۔ بولی۔
"واقعی کتنا دل ہے سرکار کا۔ ملازموں کے ساتھ اس قدر زیادہ رحم کا برتاؤ، کہ وہ بدتمیز، گستاخ، دریدہ دہن اور نافرمان ہوجائیں اور پھر بھی انہیں کلیجہ سے لگائے رکھنا بڑے دل گردے کا کام ہے اور یہ کام اس دنیا میں صرف سرکار ہی انجام دے سکتی ہیں۔!"
ڈرائیور نے نہایت تند آواز میں جیسے بڑے زور سے سر پہ بادل گرجا ہو کہا۔
"جاؤ۔"
وہ اُچھل پڑی اور ٹکٹکی لگا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔
"کیا یہی بات تم انسانیت اور شرافت کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے اس قدر زور سے چیخنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ آواز سرکار تک پہنچی ہوگی تو وہ کیا سوچ رہی ہوں گی۔؟
ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک نیا سگریٹ نکالا، اُسے سلگایا اور دھوئیں کے مرغولے بنا کر فرخندہ کے موجود ہونے سے بالکل لاپرواہ آسمان کی طرف پھینکنے لگا۔

اب فرخندہ کے لئے یہاں ٹھہرنا ممکن نہ تھا۔
وہ سیدھی تالاب کی طرف گئی، لیڈی حمید اسی طرح بیٹھی تھیں اسے تنہا آتا دیکھ کر پوچھا۔
"کیا وہ نہیں آیا۔"
فرخندہ نے کہا۔
"نہیں ۔"
پھر کہنے لگی۔
"سرکار ایک بات کہوں؟"
لیڈی صاحبہ نے جواب دیا۔
"کیا بات کرنے پر کوئی پابندی ہے۔؟ ضرور کہو"
وہ کہنے لگی۔
آپ کی شفقت اور مہربانی نے سب ہی لوگوں کو بہت زیادہ دلیر اور گستاخ بنا دیا ہے!"
سرکار نے پوچھا۔
"کیا ہوا فرخندہ ۔؟"
وہ بولی۔
ڈرائیور نے آنے سے صاف انکار کر دیا، وہ کہتا ہے میں نہیں اچھا ہوں۔ صرف یہی نہیں اس نے کہا۔ سرکار سے کہہ دینا کافی سیر ہو چکی ہے اب واپس چلیں۔ جب میں نے اسے ٹوکا کہ اسے سرکار کے مربیانہ اور مشفقانہ برتاؤ سے اتنا زیادہ فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے۔ تو شیر کی طرح گرج کر اس نے مجھ سے کہا۔
"جاؤ ۔"
آواز اتنی بلند تھی کہ میں اچک پڑی اور زور زور سے میرا دل دھڑکنے

لگا۔

ایک آدھ دفعہ فرخندہ نے سرکار کو ذرا سے ذرا مسکراتے تو دیکھا تھا۔ لیکن آج یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کہ سرکار ہنس دیں۔ انہوں نے کہا "اس کی بات کا برا نہ مانو، دل کا صاف، زبان کا کڑوا ہے پھر بھی میں سمجھا دوں گی کہ تمہارے ساتھ اب رویہ اُسے نہیں اختیار کرنا چاہیے۔"

*** *** ***

(۸)

گھر واپس آنے کے بعد فرخندہ بھی لیڈی حمید کے ساتھ اس کے کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔ امینہ چائے لے آئی تھی۔ اس کا دور چلنے لگا اتنے میں کسی کام سے ———— ڈرائیور آیا، اسے دیکھ کر لیڈی حمید نے کہا۔

"تم تو اپنے اوقات اور اصول کے بہت پابند ہو، یوں ناوقت کیسے آگئے؟"

وہ بولا۔

"میں یہ عرض کرنے آیا تھا کہ چند روز کے لئے میں ذرا باہر جا رہا ہوں!"

"باہر کہاں؟ — کیا سلطان گنج اپنے دیہات، جہاں عمارت کی تعمیر کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ایک عرصہ دراز سے شروع ہے۔؟"

وہ مسکرایا — لیکن اس تبسم میں بھی کتنی کرختگی اجڈپن اور سختی تھی اسے فرخندہ نے پورے طور پر محسوس کر لیا۔ کہنے لگا۔

"جی نہیں، سلطان گنج میں سب کام ٹھیک ہو رہا ہے وہاں جا کر فی الحال کیا کروں گا؟"

"پھر آخر کہاں جا رہے ہو، کچھ معلوم بھی ہو؟"

"ذرا مرزا پور تک قصد ہے!"

"مرزا پور جا کر کیا کرو گے۔؟

"وہاں تمہارا کیا کام؟

کام نہ ہوتا تو جاتا کیوں ۔

اس بے تکے اور اجڈ پن کے جواب پر فرخندہ کو غصہ آ گیا ۔ وہ دل ہی میں اس شخص پر لعنت بھیجتی ہوئی کہنے لگی ۔

تو یہ ہے ۔ لیڈی صاحب کے تحمل کی بھی حد ہوتی ہے ایک نوکر اپنے آقا کو کتنا نامعقول جواب دے رہا " اگر کام نہ ہوتا تو جاتا کیوں ؟ پوچھنے پر اگر کام بھی بتا دیتا تو کون سی قیامت آ جاتی ۔ "

اس کا جی چاہا ڈپٹ دے اس شخص ، لیکن ہمت نہ پڑی ۔ غیر محسوس طور پر دل میں جو دہشت بھی یا پیدا ہو گئی تھی ۔ وہ اب تک قائم تھی ۔

لیڈی حمید نے پوچھا ۔

" کب تک واپس آ جاؤ گے ۔ "

وہ بولا ۔

" ہو سکتا ہے دو دن میں آ جاؤں اور یہ بھی ممکن ہے دو ہفتے لگ جائیں ! "

لیڈی حمید نے بگڑتے ہوئے تیور کے ساتھ کہا ۔

زیادہ سے زیادہ تین دن کی اجازت مل سکتی ہے تمہیں اگر اس عرصے میں کام نہ بنے تو بھی واپس آ جاؤ "

وہ بھی تیوڑی چڑھا کر بولا ۔

" یہ کیوں ؟

فیصلہ کن لہجہ میں لیڈی صاحبہ بولیں ۔

، اس لئے کہ ابھی تھوڑے دن ہوئے تمہیں نمونیہ ہو چکا ہے زندگی تھی اس لئے بچ گئے ۔ "

" جب تک زندگی ہے برابر بچا رہوں گا اور جس دن زندگی کو ختم ہونا ہو گا مر جاؤں گا ۔ پھر کوئی نہیں بچا سکے گا ۔ "

لیڈی حمید نے برافروختہ ہو کر کہا ۔

بہر حال یہ میرا حکم ہے اور تمہیں بہر حال تعمیل اس کی کرنی ہو گی !"
ایک مرتبہ پھر اس بھیانک شخص کے چہرے پر تبسم کے آثار پیدا ہوئے، اس نے کہا۔
اگر آپ کا حکم ہے تو میں تین دن کے اندر قطعاً واپس آجاؤں گا۔
اس قلب ماہیت پر فرخندہ کو بڑی حیرت ہوئی کسی حد تک تحسین آمیز نظروں سے اس نے ڈرائیور کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

(۹)

لیڈی حمید نے ڈرائیور سے کہا۔

" انور مجھے تم سے بہت شکایت ہے ؟

وہ جاتے جاتے واپس آگیا۔ اس نے کہا۔

آپ کو مجھ سے شکایت ہے ؟ حالانکہ میری زندگی کا ایک اور صرف ایک قصہ ہے کہ آپ کو خوش رکھوں۔ اگر اس کے باوجود آپ کو مجھ سے شکایت ہے تو میں اپنی جان دے کر بھی اس کی تلافی کرنے کو تیار ہوں !"

لیڈی صاحبہ کا چہرہ ان الفاظ سے چاند کی طرح چمکنے لگا۔ انہوں نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

" اس کا مجھے یقین ہے، میں جانتی ہوں، تمہارا دل کتنا اچھا ہے لیکن تم میں خامی یہ ہے کہ زبان پر قابو نہیں رکھ پاتے۔"

لیکن ہوا کیا کچھ فرمائیے تو سہی !"

گھر کے لوگ تمہاری عادت سے واقف ہیں، وہ تم سے محبت کرتے ہیں تمہاری تلخ باتوں میں بھی انہیں شیرینی نظر آتی ہے واقف ہیں ایک مرتبہ خفا ہوتے ہو تو دس مرتبہ ٹوٹے ہوئے دل جوڑتے بھی ہو، تم سب کے کام آنا چاہتے ہو۔"

ان باتوں کو چھوڑیئے شکایت کیا ہے۔ یہ کہیے، میں سخت پریشان ہو رہا ہوں۔ یہ الفاظ سن کر جب تک آپ کی شکایت رفع نہیں ہو جائے گی، نہ میں مرزاپور جاؤں گا۔ نہ اس کمرے سے باہر قدم نکالوں گا۔

لیڈی حمید نے فرخندہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے اسے بھیج کر بلایا تھا

" جی ہاں۔ جی ہاں۔"

" اگر تم کسی وجہ سے نہیں آنا چاہتے تھے، میں جانتی ہوں تمہیں کام کی انتی دھن سوار رہتی ہے کہ نہ صحت کی پرواہ نہ آرام کی پرواہ ہے۔ نہ تفریح کی، نہ سیر کی، لیکن تم نے اسے ڈانٹا۔؟"

اور قبل اس کے جواب میں وہ کچھ کہتا لیڈی صاحبہ نے کہا۔

تم نے اُسے ڈانٹا اور اتنے زور سے ڈانٹا کہ اچھل پڑی، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

جواب میں شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن لیڈی حمید نے اس کا موقع نہ دیا۔ کہنے لگیں۔

تم نہیں جانتے۔ اس لڑکی کا دل دکھا ہوا ہے یہ بہت زیادہ مظلوم ہے۔ یہاں آکر یہ محسوس کرنے لگی ہے کہ جہنم سے نکل کر جنت میں پہنچ گئی ہے کیا تم چاہتے ہو پھر اسے احساس ہو جائے کہ انہیں ان جنت میں بھی اس کے لئے جہنم ہے۔ اس جہنم کو جنت سمجھنا اس کی غلط فہمی ہے۔"

وہ پھر جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس مرتبہ بھی لیڈی حمید نے موقع نہیں دیا اور کہنے لگیں۔

" اس کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ماں مر چکی ہے۔ اب دنیا میں اس کا کوئی نہیں، ذراسی بات پر اس کی آنکھیں آنسو برسانے لگتی ہیں ذراسی بات پر بچوں کی طرح خوش ہو جاتی ہے۔ اس کا دل آئینہ کی طرف صاف ہے ان چند دنوں میں میں نے اچھی طرح اندازہ کر لیا ہے کتنی نیک، شریف اور

قابل رحم لڑکی ہے۔ جو اس کا دل دکھائے گا، خدا کو ناراض کرے گا۔

اس مرتبہ وہ صرف اتنا کہہ سکا۔

" لیکن ــــ "

مگر لیڈی حمید کا طوفان تکلم جاری تھا۔ کہنے لگا۔

اور پھر یہ بھی سوچو، اس سے پہلے کئی لڑکیاں اور سیکریٹری کی حیثیت سے میرے پاس رہیں۔ لیکن ٹک نہ سکیں۔ اس لئے کہ وہ کم سے کم کام کرنا چاہتی تھیں اور روپے دونوں ہاتھوں سے لوٹنا چاہتی تھیں!

جی ہاں صحیح فرمایا آپ نے۔

" لیکن یہ لڑکی ؟ ۔ اسے نہ روپے کی ہوس ہے نہ کام چور ہے ۔ دوسری لڑکیاں اور عورتیں وقت کی پابند تھیں۔ وقت ختم ہوا اور وہ اپنے ریٹائرنگ روم میں پہنچیں ــــ آہ پانی ــ "

-:- -:- -:- -:-

(۱۰)

فرخندہ جلدی سے اٹھی اور برفاب لاکر اس نے پیش کیا وہ بھی بیقرار ہو کر پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اضطراب و تشویش کے لہجہ میں پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

وہ کمزور آواز میں برفاب پینے کے بعد بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ یک بیک کمزوری کا دورہ سا پڑتا ہے۔ ٹھنڈا پانی پی لیتی ہوں تو طبیعت ٹھہر جاتی ہے اب ٹھیک ہوں بالکل — ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی۔

"آپ فرما رہی تھیں، دوسری لڑکیاں اور عورتیں جو سیکریٹری کی حیثیت سے یہاں آئیں، وہ وقت کی پابند تھیں۔ وقت ختم ہوا اور وہ ریٹائرنگ روم پہنچیں"

"ہاں — لیکن اس لڑکی نے خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اس کے ہاں خدمت کے سلسلے میں وقت کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا یہ دن بھر میرے پاس بیٹھی رہتی ہے میری ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہے مجھے کبھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی —!"

"اچھا — واقعی؟"

"ہاں — اب میرے بجائے اسے معلوم ہے کہ کون دوا کس وقت مجھے استعمال کرنی چاہیے۔ اب میری جگہ یہ جانتی ہے کہ کس وقت اور کتنی دیر تک مجھے آرام کرنا چاہیے۔ اب یہ ذمہ داری اس کی اور صرف اسی کی

ہے کہ مجھے کیا کھانا چاہیے اور کیا چاہیے ۔"

"حیرت ہے ۔۔ !"

تم سے زیادہ مجھے حیرت ہے ابھی بے چاری کا سن ہی کیا ہے ؟ یہ عمر کھیلنے کھانے کی ہوتی ہے نہ کہ اتنی گراں بار ذمے داریوں کو اس سچائی اور خلوص کے ساتھ انجام دینے کی بی ناجو کہنے کو بجا بجی بھی ہیں اور اور بہو بھی، اور ماہر فن بھی بڑے داعیہ سے آئی تھیں میری دیکھ دیکھ بھال کرنے ۔ لیکن ہوا کیا ؟ ایک ہفتہ بھی نہ ٹک سکیں ۔ بھاگ کھڑی ہوئیں ۔

بی ناجو کے مقابلے میں اس لڑکی کو دیکھو یہ اپنا سارا وقت دیکھ بھال پر صرف کرتی ہے ۔ اپنی راحت و آرام کا ذرا بھی خیال نہیں رکھتی ۔ مجھے اکیلا پاتی ہے تو خواہ مخواہ آکر بیٹھ جاتی ہے اور اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے قصے سنانے لگتی ہے ۔"

" کمال ہے ۔ "

یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں ۔ تم جانتے ہو مجھے نیند بہت کم آتی ہے ؟

" جی ہاں ، بلکہ کبھی کبھی رات رات بھر نہیں آتی ۔

تو آپ خواب آور گولیاں کیوں نہیں استعمال کرتیں ۔

" اب ان کا اثر بھی جاتا رہا ۔ یا تو ان کی عادی ہو گئی ہوں ، یا بناوٹی ہوتی ہیں ۔ "

(ہنستے ہوئے) بناوٹی تو نہیں ہوتیں ۔ ہاں یہ بات ہے آپ عادی ہو گئی ہیں ۔ اس لیے ان کا اثر جاتا رہا ۔

" نتیجہ ایک ہی ہے نیند نہیں آتی !"

" آپ نے مجھ سے نہیں کہا ۔ "

" کیا کرتی کہہ کر میرا اب دواؤں پر سے اعتقاد اٹھتا جا رہا ہے ۔

خیر میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ جب نیند نہیں آتی تو لاکھ لاکھ اسے بھگاؤں مگر یہ ٹلنے کا نام نہیں لیتی!"

"رات بھر؟"

ہاں کئی دفعہ ایسا بھی ہو چکا ہے کبھی میرا سر دباتی ہے کبھی تیل ڈالتی ہے کبھی ہاتھ پاؤں دبانے لگتی ہے غرض جب تک میں سو نہیں جاتی اس وقت تک کمرے سے باہر جانے کا نام نہیں لیتی۔"

"بہت قابلِ قدر بات یہ ہے"

"میں تو اس کی اتنی قدر کرتی ہوں کہ ماں سے چاہنے لگی ہوں اولاد کی طرح، لیکن تم؟"

فرخندہ دل ہی دل میں حیران اور کسی حد تک برہم ہو رہی تھی کہ آخر اس شخص کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ اس طرح تو لوگ سر چڑھ جاتے ہیں، آخر ضبط نہ کر سکی۔ کہنے لگی۔

"سرکار میں جو کچھ کرتی ہوں، آپ کے لئے کرتی ہوں۔ کسی دوسرے سے نہ داد چاہتی ہوں نہ تعریف، میں جانوں اور آپ جانیں"۔

لیڈی حمید نے ڈرائیور کی طرف دیکھا اور کہا۔

"دیکھا تم نے؟ یہ لڑکی خوددار بھی بہت ہے۔"

اس نے جواب دیا۔

"انشاء اللہ اب میں کبھی شکایت کا موقعہ نہیں دوں گا!"

(۱۱)

ڈرائیور کے چلے جانے کے بعد فرخندہ کے دل کی بات زبان پر آگئی اس نے کہا۔

"سرکار! آخر آپ کو ڈرائیور سے اتنی ساری باتیں میرے متعلق کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

سرکار نے پوچھا

لڑکی تم کس ڈرائیور کی بات کر رہی ہو۔

بولی۔

"یہی جو ابھی آپ کے سامنے کھڑا تھا اور کسی کام سے مرزاپور جا رہا تھا۔"

لیڈی حمیدا اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکیں، کہنے لگیں۔

"یہ میرا لڑکا ہے"

فرخندہ اپنی جگہ سے ایک بالشت اچھل پڑی۔

"یہ آپ کے صاحبزادے ہیں؟"

وہ بولیں

"ہاں، میرا بیٹا ہے۔"

وہ دانتوں تلے انگلی دبا کر بولی۔

"لیکن اس طرح تو وہ اپنی صحت بگاڑ لیں گے؟

لیکن کروں کیا؟ ایسے ماں کے اتنے عاشق ہیں کہ اس کی تکلیف کے ڈر سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتے اور نافرمان بھی اتنے بڑے ہیں کہ کرتے وہی ہیں جو دل میں آجائے!"

" عجیب بات ہے۔"

" عجیب بات بھی ہے عجیب شخص بھی، تمہیں تو اس سے پالا نہیں پڑا۔ حساب ایک ایک پائی کا لے گا کوئی ملازم غیر حاضری کرے گا۔ اس کی تنخواہ بھی کاٹ لے گا۔ لیکن کوئی ملازم بیمار پڑ جائے تو دو بجے رات کو جاکر خود ڈاکٹر کو لائے گا۔ اور پانی کی طرح روپیہ اس کے علاج پر صرف کرے گا، کوئی ملازم واقعی ضرورت مند ہو تو اسے تین تین چار چار مہینے کی پیشگی تنخواہ دے دے گا اور پھر کبھی واپس نہیں لے گا۔"

پھر تو واقعی عجیب شخص ہیں یہ! — لیکن مرزا پور کیوں جارہے ہیں؟"

" خدا جانے — کوئی کام ہو گا۔ شاید ناجو سے ملنے جارہے ہیں!"

" ناجو کون —

" وہی جنہیں آپ اپنی بہو کہہ رہی تھیں؟"

" ہاں وہ میرے چھوٹے لڑکے کی منگیتر ہے جو ولایت میں پڑھ رہا ہے —"

" اچھا —"

...   .

(۱۲)

قدوقامت، شکل وصورت اور وضع قطع کے لحاظ سے انور میں کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ خوب صورت عورت اس کی طرف ایک منٹ کے لئے بھی متوجہ ہوتی، البتہ اتنی بے انداز دولت تھی اس کے پاس کہ اس لالچ میں کچھ لڑکیاں اس پر جان دینے پر تیار ہو جائیں تو حیرت کی بات نہ تھی۔

اور فرخندہ کا تو یہ حال تھا کہ اس سے ڈرتی اور خائف رہتی تھی نہ جانے کیا بات تھی اسے وہ ضرورت سے زیادہ بھیانک لگتا تھا۔ لیکن سرکار کی باتیں سن کر اس بے ڈھنگے اور عجیب الخلقت شخص کے لئے اس کے دل میں عزت پیدا ہو گئی۔

" رات کے کوئی گیارہ بجے لیڈی حمید کو سلام کر کے اپنے کمرے میں واپس آئی، اس نے دیکھا، انور وہاں کھڑا ہوا ہے نہ انور نے اس سے کچھ کہا نہ وہ اس سے بولی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے محسوس کیا۔ جیسے انور زینے پر چڑھ رہا ہے شاید اپنے کمرے میں جا رہا ہے۔ لیکن اس پر حیرت ضرور تھی کہ خلاف معمول آج اس قدر جلد کیسے آگیا پھر خود ہی دل میں سوچا۔ کل مرزا پور جانا ہے اس لئے ذرا جلد واپس آگیا ہوگا۔ ویسے بارہ تو بج ہی چکے ہیں۔

اس نے شب خوابی کا لباس پہنا اور ایک کتاب لے کر بستر پر لیٹ گئی جب تک کچھ پڑھ نہ لے نیند نہیں آتی تھی اسے۔

مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ خوب اچھی طرح سے بدن کے چاروں طرف چادر لپیٹی اور جا کر دروازہ کھول دیا۔

سامنے انور کھڑا تھا۔

فرخندہ اسے دیکھ کر اپنی حیرت نہ چھپا سکی، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

" آپ؟ اس وقت؟ "

وہ وہیں کھڑے کھڑے بولا۔

" ایک بات کہنا تھی آپ سے!"

وہ کہنے لگی۔

" کھڑی تو ہوں آپ کے سامنے فرمایئے۔"

انور نے کہا۔

" امی سے آپ کی تعریف سن کر جہاں خوشی بھی ہوئی۔ وہاں یہ معلوم کر کے تکلیف بھی ہوئی کہ میری وجہ سے آپ ڈر گئیں، اور آپ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

فرخندہ یہ فیصلہ نہ کر سکی کہ انور اس کا مذاق آڑا رہا ہے یا واقعی اپنے تاثرات بیان کر رہا ہے کچھ دیر تک وہ اسی حیص بیص میں کھڑی۔ پھر اس نے سوال کیا۔

" صرف یہی بات کہنے آپ اس وقت تشریف لائے تھے۔

وہ گویا ہوا۔"

" ہاں۔ صبح کی ٹرین سے مجھے مرزا پور جانا ہے اور جانے سے پہلے میں یہ بات صاف کر دینا چاہتا ہوں، تاکہ میرے دل کا بوجھ اتر جائے۔"

میں بہت روکھا پھیکا آدمی ہوں، نہ کسی سے متاثر ہوتا ہوں نہ کسی کا اثر قبول کرتا ہوں، میری نظر میں جو وقعت پھول کی ہے وہی کانٹے کی بھی ہے

میں روشنی کو بھی پسند کرتا ہوں اور تاریکی کو بھی مجھے دن پسند ہے اور شب

دیکھو بھی۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے۔ نہ میں کسی کو پسند کرتا ہوں نہ نا پسند، میرے نزدیک چاندی اور مٹی دونوں برابر ہیں۔

فرخندہ حیرت کے ساتھ انور کی باتیں سن رہی تھی، دفعتہً اسے یاد آیا۔ سرکار نے دوران گفتگو میں یہ بھی بتایا تھا کہ انور کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور ہر علم و فن کی تازہ ترین کتابیں پڑھتا رہتا ہے۔ وہ سمجھ گئی یہ علم کا سمندر ہے جس کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ چنانچہ باتوں کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

اس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا

کچھ لوگ ہیں جو چاندی کی چمک دمک پر فریفتہ ہو جاتے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جنھیں خاک میں اکسیر اور کیمیا نظر آتی ہے اس کے قدردان ہیں مجھے نہ چاند کی چمک دمک مرغوب ہے، نہ کبھی خاک کے ذروں میں اکسیر اور کیمیا کی تلاش ہے میں نے ـــ !"

بے ساختہ فرخندہ کے منہ سے نکل گیا۔

"اسی لئے آپ کو شاید اس کا گلہ بھی نہیں ہوگا کہ یہ چاند سے آپ سے کچھ لے سکے، نہ خاک کی اکسیر اور کیمیا آپ کا بھلا کر سکی۔"

روانیٔ سخن میں انور نے کہہ دیا۔

" جی ہاں ـــ "

پھر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا ـــ !"

وہ کہنے لگی۔

مطلب تو بالکل صاف ہے آپ کی زندگی بالکل سپاٹ ہے جس کے حصار میں نہ آرزو داخل ہو سکتی ہے نہ خواہش، نہ آپ موت سے ڈرتے ہیں۔ نہ زندگی کے جویا ہیں۔

نہ آپ کو آرام کی خواہش ہے نہ تکلیف کا ڈر ہے آپ موٹر پر بھی

بیٹھ سکتے ہیں اور پیدل بھی چل سکتے ہیں کھانا بھی کھا سکتے ہیں اور فاقہ بھی کر سکتے ہیں ۔

انور نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا ۔

" واقعی بڑی اچھی ترجمانی کی ہے آپ نے میری — معلوم ہوتا ہے آپ کا مطالعہ کافی وسیع ہے !"

فرخندہ نے جواب دیا ۔

" لیکن آپ سے بہت کم !"

وہ کہنے لگا ۔

یہاں کھڑے کھڑے آپ کو ٹھنڈک لگ رہی ہو گی ۔ مجھے بھی ابھی بہت سے کام کرنا ہیں ۔ صرف میں یہ کہنے آیا تھا کہ میں اپنے طرزِ عمل کی معافی چاہتا ہوں !"

اور پھر جواب سنے بغیر یہ جا، وہ جا ۔

٭ ٭ ٭

(۱۳)

انور چلا گیا۔
فرخندہ آئی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔
کتاب اس نے ایک طرف رکھ دی اور سوچنے لگی، یہ شخص جس کا نام انور
کس ٹائپ کا واقع ہوا ہے۔
اس نے اپنی غلطی محسوس کی۔
ندامت کا احساس ہوا اسے
معذرت کرنے کے لئے آیا۔
بڑی دیر تک فلسفیانہ تقریر کرتا رہا پھر معافی مانگی اور معلوم کئے بغیر کہ
اس کی معافی قبول ہوئی یا نہیں، تیزی کے ساتھ واپس چلا گیا۔
واقعی، یہ شخص عجیب الخلقت ہے۔
اس کی ہر چیز میں اجڈپن ہے۔
معافی مانگنے کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا وہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ
نرالا ہے۔
دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور بقول ایک ڈاکٹر کے ہر شخص کچھ نہ کچھ
پاگل ہوتا ہے لیکن ایسا پاگل پن تو میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا۔
اس کی زندگی اگر اس طرح بسر ہوتی رہی تو نہ جانے کیا حشر ہوگا اس کا

اتنے میں پھر دروازے پر دستک ہوئی۔
وہ سوچنے لگی۔
"اب کون آیا ہے — ؟"
کہیں انور تو نہیں ہے ؟"
شاید معافی کی کوئی نئی قسم ذہن میں آئی ہو اور اسے آزمانے آگیا ہو؟
بہرحال وہ پہلے کی طرح چادر میں اپنے آپ کو لپیٹ کر اٹھی، دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ انور کے بجائے امینہ کھڑی ہے۔
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
" ارے تم اس وقت ؟"
اس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"کاموں سے اب فرصت ملی ہے تم سے کچھ باتیں کرنا تھیں۔ جانتی ہوں۔ دیر میں سوتی ہے۔ میں نے سوچا آج کتاب نہ پڑھنے دوں گی چلی آئی۔ نیند تو نہیں آرہی ہے ؟
اس نے خندہ جبینی سے جواب دیا۔
" بالکل نہیں — آؤ اندر آجاؤ !"
امینہ اندر آگئی۔ کہنے لگی۔
" ایک خاص بات کہنے تم سے آئی ہے !
اشتیاق کے ساتھ فرخندہ نے پوچھا۔
" ضرور تمہاری باتیں تو اتنی دلچسپ ہوتی ہیں کہ ساری رات کٹ جائے تب بھی طبیعت بور نہیں ہوگی !۔"
" وہ بولی !
" اس گھر میں بہرحال تم ابھی نئی ہو بالکل !"
" ہاں اور کیا ۔"
یہاں کے لوگوں سے کیا اچھی طرح واقف نہیں ہوئی ۔"

"بالکل نہیں!"
جہاں تک سرکار کا تعلق ہے وہ تو آدمی کے روپ میں فرشتہ ہیں!"
"میرا اعتقاد بھی یہی ہے!"
لیکن جہاں تک میاں کا تعلق ہے۔
قطع کلام کرتے ہوئے فرخندہ نے پوچھا۔
"میاں کون؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
"وہی جسے تم حقارت کے ساتھ صرف ڈرائیور کہہ دیا کرتی ہو ۔۔ وہ ڈرائیور نہیں ہیں، ہماری سرکار کے سب سے چہیتے اور دلارے لڑکے ہیں۔"
فرخندہ بالکل انجان بن گئی، گویا اسے کچھ بھی نہیں معلوم ہے اس نے کہا۔
"واقعی؟"
امینہ نے اپنے بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"ہاں بیٹی ۔۔ اور سارے گھر کے مالک وہی ہیں، کسی کی مجال نہیں کہ ان کے سامنے چوں کر سکے۔"
" اسی طرح انجان بنے ہوئے فرخندہ نے سوال کیا۔
" کیا بہت بدمزاج ہیں۔؟"
" ہاں بہت زیادہ ۔"
لیکن میرے ساتھ تو انہوں نے اب تک کوئی بدتمیزی نہیں کی۔۔!"
" ہاں اس کی وجہ ہے!"
" وہ وجہ بھی بتا دو ہمیں!"
ایک سبب تو یہ ہے کہ تم براہ راست سرکار کی خدمت پر مامور ہو اور جو ان کی خدمت پر مامور ہو اس کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ رو

رعایت کرتے ہیں اور اس کی دل دہی میں کوئی فروگزاشت نہیں کرتے اس لئے کہ یہاں کے عاشق ہیں ان کے پسینے پر خون بہا سکتے ہیں۔

"اچھا یہ تو ایک وجہ ہوئی اور دوسرا سبب؟"

دوسرا سبب یہ ہے کہ تم ابھی نئی نئی آئی ہو، اس گھر کی ریت رسم سے ناواقف ہو، اس لئے تمہاری غلطیوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔"

"میری غلطی؟ — مجھے تو اپنی کوئی غلطی نہیں یاد!"

"میں بتاؤں؟"

"ضرور!"

"تمہاری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ تم انہیں ہمیشہ حقارت کے ساتھ ڈرائیور کہتی ہو۔ ابھی تو وہ خاموشی سے سن رہے ہیں شاید کچھ دن اور بھی سُن لیں، کسی دن غصہ آگیا۔ تو ساری کسر نکال دیں گے۔

"ارے توبہ — واقعی؟"

"ہاں بیٹی، ویسے ایمان کی کہوں گی، جہاں ان کا غصہ بُرا ہے وہاں ان کے اندر رحم کا مادہ بھی بہت ہے۔ کسی کو تکلیف میں تو دیکھ ہی نہیں سکتے سرکار ان کے بارے میں کہا کرتی ہیں۔ یہ لڑکا زبان کا کڑوا اور دل کا ہیرا ہے۔"

ہو گا۔ لیکن اس وقت ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟

امینہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

آج بھی تم نے موٹر سے اترنے کے بعد، میاں کو ڈرائیور کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تم نے تو کیا ہو گا۔ مگر میں نے ان کی چڑھتی ہوئی تیوری دیکھ لی تھی۔ کسی دن بُری طرح لپٹنے والے ہیں، بیٹی اپنی عزت اپنے ہاتھ —"

(۱۵)

ٹھیک تیسرے دن انور مرزا پور سے واپس آگیا اور اندر آتے ہی
اس نے کہا۔
دیکھئے کتنا آپ کا کہنا مانتا ہوں، آج تیسرا دن ہے اور میں آ گیا
لیڈی حمید نے پیار بھری نظروں سے لختِ جگر کو دیکھا۔"
"ہاں آ گئے — شکریہ، یہ بتاؤ ناجو سے بھی ملے تھے ؟
"کیوں نہ ملتا ؟"
"کیسی ہے ؟"
" ویسی ہی جیسی تھی۔ کچھ موٹی ہونے لگی ہے !"
" یہ لو اب اسے نظر لگانے بیٹھ گئے !"
" آپ سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا ہے اس کا۔"
" تو لے آئے ہوتے دو چار دن کے لئے۔"
" میں نے اسے منع کر دیا۔"
" منع کیوں کر دیا ؟"
" میں نے کہا۔ پچھلی مرتبہ تم امی کی خدمت کو آئیں اور بھاگ کھڑی ہوئیں وہ تم سے بہت خفا ہیں !" میں تو بالکل خفا نہیں ہوں۔"
" بہر حال وہ شرمندہ بھی ہیں اور ڈر بھی گئی اب نہیں آئے گی !"
میں خط لکھ کر بلواؤں گی اپنی بچی کو !

آپ کو اختیار ہے! ۔ لیکن اگر آئے گی تو اس شرط پر کہ اسے
آپ کی خدمت کرنا پڑے گی ۔!"
"خدا نہ کرے میں اس سے یا کسی اور سے خدمت لوں میرے لئے
فرخندہ کافی ہے ۔ کیوں بیٹی ۔"
وہ منہ سے کچھ نہ کہہ سکی لیکن اقرار میں گردن ملا دی ۔
اتنے میں چائے کی ٹرے لے کر آمینہ آگئی اور انور کو دیکھ کر خوش
ہوتی ہوئی بولی ۔
"آگئے تم بھیا؟"
"ہاں آگیا!"
"اچھے تو رہے؟"
"وہاں سے چلتے وقت تو اچھا تھا ۔"
اور یہاں آکر میرے منہ میں خاک بیمار پڑ گئے؟
یہاں آکر نہیں راستے ہی سے بخار نے جکڑ لیا ۔
لیڈی حمید مداخلت کرتی ہوئی بولی ۔
"تو نے بتایا کیوں نہیں اپنے بخار کا حال؟"
"وہی بات بتاتا ہوں جو پوچھی جاتی ہے؟"
"نہ جانے کیا حشر کرے گا تو اپنا ۔ میں پوچھتی ہوں اب تو بخار
نہیں ہے ۔؟"
لاپرواہی سے میرے خیال میں تو ہے، بلکہ شاید کچھ بڑھ گیا ہے
"امینہ چائے بناؤ ۔!"
لیڈی حمید نے کہا ۔
"ذرا تھرما میٹر تو لانا!"
وہ گئی اور جلدی ہی سے تھرما میٹر لے آئی انور چائے کا گھونٹ لینے

ہی والا تھا کہ لیڈی حمید نے پیالی اس کے ہاتھ سے لے کر الگ رکھ دی اور کہا۔

"پہلے ٹمپریچر!"

انور نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھرما میٹر منہ سے لگایا، ذرا دیر کے بعد نکالا اور ایک نظر ڈال کر فرخندہ کو واپس کر دیا۔

لیڈی حمید نے سوال کیا۔

"ہے۔؟"

وہ انتہائی بے پروائی سے کہنے لگا۔

"ہے تو۔"

"کتنا ہے۔"

"ایک سو تین سے کچھ زیادہ!"

وہ بے قرار ہوگئیں اور فرخندہ سے جو تھرما میٹر لئے کھڑی اسی کو دیکھ رہی تھی پوچھا۔

"کتنا ہے۔"

آہستہ سے اس نے کہا۔

"جی ہاں ایک سو تین سے کچھ زیادہ ہے!"

لیڈی حمید برس پڑیں۔ کہنے لگیں۔

اتنا تیز بخار ہے اور تو یہاں بیٹھا باتیں کر رہا کر رہا ہے۔؟"

وہ چائے پیتا ہوا بولا۔

"چائے پی لوں پھر آرام کروں گا!"

لیڈی حمید نے کہا۔

اٹھو میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔

وہ کہنے لگا۔

"نہیں امی، مجھے اپنے ہی کمرے میں آرام ملے گا!"
اتنے میں پیالی ختم کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔
اب جاتا ہوں۔ آرام کروں گا۔ سر میں بھی درد ہو رہا ہے۔
لیڈی حمید نے سراپا اضطراب بن کر کہا۔
بیٹے ضد نہ کرو کم از کم اس وقت تک تو یہاں لیٹ جا۔ جب تک نادر نہ ڈاکٹر آ کر تجھے دیکھے، پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
وہ زینے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
"انہیں وہیں میرے پاس بھیج دیجئے گا!"

-٭- -٭- -٭-

(۱۶)

انور کے چلے جانے کے بعد امینہ نے کہا
میاں کو اپنی صحت اور آرام کا ذرا بھی خیال نہیں ہے ۔
لیڈی حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا ۔
بالکل نہیں ، اتنی محنت کرتا ہے مگر نہ کھانا کی پروا نہ آرام کا فکر ۔
پھر فرخندہ سے گویا ہوئیں ۔
بیٹی ذرا ڈاکٹر نادر کو فون کر دے ، ابھی آجائیں فوراً !"
فرخندہ فون کرنے چلی گئی ، ذرا دیر میں آکر اس نے بتایا
ڈاکٹر صاحب کسی مریض کا اپریشن کر رہے ہیں ۔ ایک گھنٹے سے پہلے نہیں آسکتے !"
لیڈی حمید بگڑ گئیں ۔
" یہ کون سا آپریشن کا وقت ہے ۔ ڈاکٹر مختار کو فون کر دو ۔"
تھوڑی دیر میں پھر فون کر کے واپس آئی لیڈی حمید نے پوچھا ۔
" کیا کہا ڈاکٹر مختار نے ؟ ۔ آ رہے ہیں ۔ ؟"
وہ بولی ۔
" جی نہیں ۔ وہ کسی مریض کو دیکھنے گئے ہیں ، نہ جانے کب واپس آئیں "
لیڈی حمید روہانسی ہو گئیں ۔

ہائے اللہ میں کیا کروں

پھر انہوں نے فرخندہ سے کہا۔

بیٹی ذرا جاؤ ٹمپریچر لگا کر دیکھو بخار شاید کچھ کم ہو گیا ہو گا۔

وہ تھرما میٹر لے کر بالائی منزل پر جہاں انور رہتا تھا چپ چاپ چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد واپس آئی۔ لیڈی حمید نے جو سراپا اضطراب بنی ہوئی تھیں سوال کیا۔

"کتنا ہے اب!"

وہ بولی۔

"وہ تو سو رہے ہیں بے خبر"

لیڈی حمید نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تو بیٹی جگا لیا ہوتا — !"

"جگایا تھا لیکن وہ نہیں جاگے!"

اتنا بے خبر سو رہا تھا۔

"جی ہاں — کئی مرتبہ آواز دی لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

املینہ اٹھ کھڑی ہوئی، کہنے لگی

"لاؤ مجھے دو، میں جاتی ہوں!"

فرخندہ نے تھرما میٹر اسے تھما دیا وہ اوپر گئی اور ذرا دیر میں گھبرائی ہوئی واپس آئی، کہنے لگی۔

"سرکار تو بے ہوش ہیں"

لیڈی حمید نے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا۔

"بے ہوش ہے۔"

وہ بولی۔

"جی سرکار!"

اور پھر روتی ہوئی کہنے لگی

"خدا کے لیے جلدی خبر لیں۔ کہیں خدانخواستہ طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔"

لیڈی حمید نے پھر فرخندہ سے کہا۔

"ڈاکٹر مختار شاید آگئے ہوں؟"

وہ مستعدی کے ساتھ بولی۔

"ابھی معلوم کرتی ہوں"

وہ پھر فون کرنے چلی گئی اور کوئی دو منٹ کے اندر آکر جواب دیا۔

"آرہے ہیں ڈاکٹر صاحب!"

"سارا حال بتا دیا تھا تم نے؟"

جی ہاں، بخار سے بے ہوشی تک کا سارا حال بتا دیا تھا!"

"پھر کیا کہا انہوں نے؟"

"کہنے لگے تشویش کی کوئی بات نہیں، میں ابھی آتا ہوں دس منٹ کے اندر ۔۔"

وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولیں۔

"نہ جانے کتنی دیر میں ختم ہوں گے یہ دس منٹ ڈاکٹر صاحب کے۔ بیٹی تم نے کہا ہوتا فوراً آجائیے ۔۔!"

وہ بولی۔

"کہا تھا سرکار، انہوں نے جواب دیا۔ فوراً آرہا ہوں لیکن یہاں آنے میں دس منٹ تو لگ جائیں گے۔"

امینہ نے تائید کی۔

"ہاں سرکار موٹر سے آنے میں بھی دس منٹ تو ضرور لگیں گے!"

انور کے کمرے کی طرف بڑھتی ہوئی بولیں۔

"اچھا ۔۔ میں وہیں چلتی ہوں۔ انور کے کمرے میں (فرخندہ سے) تم

یہیں بیٹھو جیسے ہی ڈاکٹر صاحب آئیں انہیں لے کر اوپر آجانا۔

فرخندہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

" بہت اچھا سرکار — لیکن آپ پریشان نہ ہوں، خدا کو منظور ہے تو ایک ہی انجکشن میں طبیعت درست ہو جائے گی میاں کی ۔ !"

اب تک وہ ضبط کر رہی تھیں ۔ اب مجبور ہو گئیں ، روتی ہوئی بولیں

" مجھے فکر بے ہوشی کی ہے وہ بے ہوش کیوں ہو گیا ؟"

" بخار بھی تو تیز ہے !"

جب نمونیہ ہوا تھا تب تو ایک سو پانچ کے قریب تھا۔ لیکن بے ہوش جب بھی نہیں ہوا !"

پھر انہوں نے آنسو پونچھتے اور اوپر چلی گئیں ۔ انور کے کمرے میں فرخندہ وہیں ڈاکٹر صاحب کے انتظار میں بیٹھ گئیں ۔

امینہ نے کہا۔

میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا تھا۔ انگارے کی طرح جل رہا تھا۔ خدا اپنے حبیب کے طفیل میں رحم کرے ۔ میاں کو کچھ ہو گیا ۔ تو سرکار پاگل ہو جائیں گی ۔ یا خودکشی کر لیں گی ۔ بہت چاہتی ہیں انہیں ۔!"

" فرخندہ نے کہا ۔ "کیوں نہ چاہیں ۔ ماں جو ہیں ۔"

اتنے میں ڈاکٹر مختار تشریف لے آئے ہیں ۔

٭ ٭ ٭

(۱۷)

ڈاکٹر صاحب نے خوب اچھی طرح مریض کا معائنہ کیا، پھر اپنے فیصلہ کا اعلان کردیا۔

"نمونیہ —"

لیڈی حمید کا جی چاہا۔ اس ڈاکٹر کا منہ نوچ لیں۔ اس تشخیص پر انہیں اعتبار نہیں آیا۔ کہنے لگیں۔

ڈاکٹر صاحب اسے کچھ مدت ہوئی نمونیہ تو ہو چکا ہے! ایک بار۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

" اس سے کیا ہوتا ہے؟ — نمونیہ دس مرتبہ بھی ہو سکتا ہے!"

" واقعی نمونیہ ہے ؟"

ڈاکٹر صاحب بھی بڑے بااصول آدمی تھے، کہنے لگے۔

"کوئی شبہ نہیں حالت بہت نازک ہے لیکن خدا سے امید بہتری ہی کی رکھنی چاہیے، میں دوا کرتا ہوں، آپ دعا کریں۔"

یہ سنتے ہی لیڈی حمید نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور رقت میں ڈوبے الفاظ کے منہ سے نکلنے لگے۔

" میرے پاک پروردگار انور کو بچا لے، میری زندگی لے لے اور اسے ابھی زندہ رہنے دے۔"

لیڈی حمید کی مامتا کا یہ منظر دیکھ کر فرخندہ کا دل بھر آیا، اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور لیڈی صاحبہ سے کہا۔

" سرکار خدا پر بھروسہ کیجئے!"

ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک دوسرے فیصلے کا اعلان فرمایا۔

" لیکن علاج یہاں گھر پر ٹھیک طرح سے نہیں ہو سکتا ۔"

لیڈی حمید چیخ پڑیں اور کہنے لگیں۔

" تو کیا اسے ہسپتال لے جانا چاہتے ہو؟"

" جی لیڈی صاحبہ ۔"

" لیکن میں نہیں بھیجوں گی اسے ۔ پہلی مرتبہ جب نمونیہ ہوا تھا تب بھی یہیں گھر پر علاج ہوا تھا!"

" ضد نہ کریں، لیڈی حمید ۔ اب حالت زیادہ نازک ہے!"

" تو تم کیوں نہیں یہاں چلے آتے ؟"

" میں آکر کیا کروں گا؟"

" یہیں رہو، اور علاج کرو، فیس کی پروا نہ کرو، سو، دو سو، پانچ سو، ہزار روپیہ روز دوں گی۔ جو مانگو گے دوں گی!"

ڈاکٹر صاحب نے ہمدردی کی نظروں سے انہیں دیکھا اور کہا۔

" لیڈی حمید روپے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ مسٹر انور کے میرے اوپر کئی احسانات ہیں۔ اس لئے میں ہسپتال لے جانے پر بضد ہوں۔ وہاں جو سہولتیں حاصل ہیں وہ گھر پر کسی طرح نہیں حاصل ہو سکتیں ۔"

فرخندہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

" سرکار ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہاں بڑا اچھا علاج ہو گا جانے دیں ۔"

وہ رونے لگیں۔

" لیکن میں اسے اکیلا نہیں جانے دوں گی ۔!"

پھر ڈاکٹر صاحب سے پوچھا

" کیوں ڈاکٹر کیا میں بھی چل سکتی ہوں ؟ رہ سکتی ہوں اپنے بیٹے کے پاس ؟"

ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا ۔

" شوق سے چلیئے ۔ لیکن میری رائے نہیں ہے !"

" کیوں ؟

" وہاں آپ کو بھی تکلیف ہو گی ، اور آپ کی وجہ سے مریض کو بھی ایسا ہی ہے تو کسی اور کو بھیج دیں ، یہ محض آپ کو مطمئن کرنے کے لیئے کہہ رہا ہوں ورنہ تیمار داری کے لیئے ٹرینڈ نرسیں موجود ہیں !"

لیڈی حمید مچل گئیں ۔

ہوا کریں ۔ لیکن ۔ وہاں کوئی اپنا بھی ہونا چاہیئے ۔

فرخندہ بول پڑی ۔

" سرکار میں چلی جاؤں گی ۔!"

در حقیقت وہ چاہتی تھیں کہ فرخندہ انور کے ساتھ ہسپتال جائے ۔ یہ ان کی دلی آرزو تھی ، لیکن اُسے لب تک لانا مناسب نہیں سمجھتی تھیں ۔ فرخندہ کی اس پیش کش پر خوش ہو گئیں ، ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور کہنے لگیں

" بیٹی میں تجھ پر قربان ضرور چلی جا ۔ جب تک زندہ ہوں ، تیرا کلمہ پڑھتی رہوں گی ۔ "

ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا ۔

فون کس طرف ہے ؟ میں ایمبولنس منگائے لیتا ہوں ۔

فرخندہ نے سمجھاتے ہوئے کہا ۔

ایمبولینس ؟ " ہماری گاڑی جو ہے !" لیڈی حمید بگڑ گئیں ۔

" بڑی آرام دہ موٹر ہوتی ہے ۔ اس پر مریض کو آرام سے لٹا دیا جاتا ہے اور اسے ہسپتال پہنچا دیا جاتا ہے !" امینہ سامنے آ گئی اور کہنے لگی ۔

"چلئے ڈاکٹر صاحب میں لے چلوں آپ کو فون پر۔"

ڈاکٹر صاحب امینہ کے ساتھ فون کرنے چلے گئے۔ لیڈی حمید دونوں ہاتھ ملتی ہوئی بولیں۔

"نہ جانے یہ لوگ کیا سلوک کریں گے میرے بچے کے ساتھ!"

فرخندہ اور قریب آ گئی۔ اس نے لیڈی حمید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"سرکار آپ تو حوصلہ ہارے دے رہی ہیں۔ وہ بولی۔"

ہاں بیٹی میں حوصلہ ہارے دے رہی ہوں، شاید مر بھی جاؤں!"

اس نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

ایسی تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ اب تو ہسپتالوں میں اتنی زیادہ سہولتیں حاصل ہیں۔ اور اتنا اچھا علاج ہوتا ہے کہ تمام بڑے بڑے لوگ گھر کے بجائے وہیں جاکر علاج کرواتے ہیں!"

وہ بے بسی کے ساتھ بولیں۔ کرواتے ہوں گے

فرخندہ نے پوچھا۔

کیا آپ مجھ پر بھی اعتماد نہیں کرتیں۔۔؟

وہ جواب میں گویا ہوئی۔

"تجھ پر اتنا اعتبار کرتی ہوں، جتنا اپنے آپ پر بھی نہیں کرتی!"

"بس تو بے فکر ہو جایئے۔ میں ساتھ جا رہی ہوں۔ ہر وقت وہیں موجود رہوں گی۔ ہر دو گھنٹے کے بعد آپ کو فون پر خیریت سے مطلع کرتی رہوں گی۔ سہ پہر آپ خود تشریف لے آیا کیجئے گا۔ اس وقت دو نرسوں پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔

(١٨)

ہسپتال میں شروع کے تین دن تک تو انور کی حالت بہت ابتر رہی ڈاکٹر مختار نے ڈاکٹر نادر کو بھی شریک علاج کر لیا گیا تھا۔ دونوں سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دونوں مایوس تھے۔ کسی کو بھی امید نہیں تھی انور موت سے لڑائی جیت سکے گا۔

لیکن وہ بڑے مضبوط اعصاب کا تھا۔ اس کی قوت ارادی غضب کی تھی۔ بڑی سے بڑی تکلیف نہایت استقلال اور پامردی سے جھیل لینا اس کی سرشت تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی حالت سنبھلنے لگی اور چند روز کے بعد ڈاکٹروں نے بڑے فخر کے ساتھ اعلان کر دیا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔

جب پہلی مرتبہ انور کا شعور ہسپتال میں بیدار ہوا تو اس کی نظر قمر خندہ پر جا کر رک گئی۔ وہ اٹھ کر قریب آ گئی اسے ہوش میں دیکھ کر بہت خوش ہوئی کہنے لگا

"اللہ نے آپ کو بچا لیا۔ جاؤں سرکار کو خوشخبری دینے۔"

اور جواب کا انتظار کیے بغیر وہ فون پر یہ خوشخبری فوراً پہنچا آئی۔ واپس آنے کے بعد وہ اس پلنگ کے قریب اپنا اسٹول رکھ کر بیٹھ گئی

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہے!"

درد تو نہیں ہوتا ہیں ؟

"ہوتا ہے !"

"طبیعت گھبراتی تو نہیں ؟"

"نہیں —"

"پیاس لگی ہوئی ہو تو پانی لاؤں ؟"

"نہیں لگی ہے !"

"کچھ اشتہا معلوم ہوتی ہے ؟"

"بالکل نہیں !"

"ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مشین سے سوال کیا جا رہا ہے اور وہ پتے تلے جواب دے رہی ہے اس کے انداز گفتگو پر فرخندہ کی طبیعت جھلائی تو تو بہت لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

وہ خاموش اپنے اسٹول پر بیٹھی تھی، مزید گفتگو غیر ضروری معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کمزور اور خفیف آواز میں انور نے پوچھا۔

مجھے ہسپتال میں کون لایا۔

"ڈاکٹر مختار !"

"کیا امی نے اجازت دے دی تھی ؟"

"بڑی مشکل سے — وہ تو خود آپ کے ساتھ یہاں رہنے کے لیے آ رہی تھیں — !" کسی طرح مانتی ہی نہیں تھیں۔"

"پھر — ؟"

ڈاکٹر صاحب نے ان کو منع کیا اور میں نے سمجھایا کہ ضد نہ کیجیے اپنے بجائے مجھے بھیج دیں۔ مجھ پر اعتماد کرتی ہیں اس لئے !"

"اس معاملہ کا اعتبار یا بے اعتباری سے کیا تعلق ؟ — کیا مجھے کوئی اغوا کر کے جاتا یہاں سے — ؟"

وہ جل کر بولی ۔
بھلا اتنی جرأت کس میں ہو سکتی ہے !"
اس کے جواب لاجواب پر وہ کچھ چونکتا سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا۔
" امی بہت پریشان ہوں گی ۔ ؟"
" بہت زیادہ ۔۔۔ !"
ڈاکٹر کی تشخیص کیا تھی ۔
" نمونیہ !"
" بہت خوب !"
شاید اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے آپ کو ؟"
" ہاں ایک بار "
" لیکن اس دفعہ ڈبل نمونیہ ہوا تھا !"
ہونا بھی چاہیے تھا ۔ !
" کیا میں بے ہوش ہو گیا تھا ۔ ؟"
جی ہاں ۔ مجھ سے بڑی حماقت ہوئی !"
" حماقت کیسی ؟"
سرکار نے ڈاکٹروں کو بلایا، لیکن اس وقت کوئی نہیں ملا !"
" اسی حماقت کا ذکر کر رہی تھیں !"
" جی نہیں ۔۔۔"
یہ حماقت تو ڈاکٹروں کی تھی کہ نہیں ملے، میری حماقت یہ تھی کہ سرکار نے کہا۔ جاؤ پھر ایک مرتبہ ٹمپریچر لو، شاید بخار کچھ کم ہو گیا ہو ۔"
سرکار کی سادہ لوحی کا بھی جواب نہیں ۔ اتنی جلدی بخار بغیر کسی دوا علاج کے کیسے کم ہو سکتا تھا۔
" جی ہاں ۔۔۔ لیکن ماں کا دل !"

"خیر — !"

میں اوپر گئی تو دیکھا آپ غافل سو رہے ہیں، یہی آکر میں نے سرکار سے کہہ دیا ہوتا۔ انہوں نے کہا جگا لیا ہوتا، میں نے کہا وہ بولتے ہی نہیں۔ تب امینہ اوپر آگئی۔ اور الٹے پاؤں گھرائی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔ وہ تو بے ہوش ہیں۔ بس پھر کیا تھا تو چل میں آیا۔ سرکار کا تو یہ عالم تھا کہ جب ڈاکٹر نے آپ کی خطرناک کیفیت بیان کی تو اگر میں سہارا نہ دوں تو پختہ فرش پر چھلا کر گر پڑتیں۔

"آخر ان سے اتنی گفتگو کی کیا ضرورت تھی۔"

"وہ پوچھتی جاتی تھیں، ڈاکٹر بتاتا جاتا تھا۔ میں کیسے ان کی زبان روک لیتی؟"

جس کو اپنی زبان پر اختیار نہ ہو وہ اپنے دوسرے کی زبان کیا روکے گا۔

اس طنز پر فرخندہ کو پھر جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی، لیکن کچھ بولی نہیں، خاموشی اختیار کر لی۔

تھوڑی دیر میں دورہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مختار آئے اور اسی چارپائی پر انور کے پائینتوں پر بیٹھ گئے۔ پہلے حال احوال پوچھتے رہے۔ پھر ایک انجکشن لگایا اور کہا۔

"آپ اچھے ہو جائیں گے بے فکر رہیئے!"

"آپ کافی کمزور ہو گئے ہیں!"

وہ کچھ جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ بیماری بیماری ہے ڈاکٹر صاحب نے ارشاد فرمایا۔

"لیکن صاحب کمال کر دیا (فرخندہ کی طرف اشارہ کر کے) انہوں نے انور کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ اس نے سوال کیا۔

"کس کمال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں آپ)؟"

"نرس کو تو انہوں نے طاق پر بٹھا دیا۔ تیمارداری کی ساری ذمے داری خود نے لی اور حق یہ ہے کہ جس دلسوزی اور خلوص کے ساتھ انہوں نے آپ کی

خدمت اور دیکھ بھال کی ہے۔ میں تو دیکھ دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ رشک آتا تھا مجھے آپ پر!"

"تو کیوں نہ چند روز کے لئے آپ بھی بیمار پڑ جایئے۔ ان کے اندر خدمت کا اتنا جذبہ ہے اور خلوص کی اتنی فراوانی ہے کہ بالکل اسی طرح آپ کی خدمت بھی کریں گی۔ لیکن مجھے رشک نہیں آئے گا۔"

ڈاکٹر صاحب نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا۔

"بہت دلچسپ آدمی ہیں آپ۔ لیکن آپ کو بہر حال ان کا (فرخندہ) کی طرف دیکھتے ہوئے) بہت زیادہ شکر گزار ہونا چاہیئے۔ انور نے کوئی جواب نہ دیا ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ چند روز ابھی اور آپ کو یہاں رہنا پڑے گا۔"

انور نے جواب دیا۔

"مُردہ پرست زندہ۔ جو حکم بس مجھے یہاں تکلیف ایک ہی ہے ڈاکٹر صاحب!"

اشتیاق اور تجسس کے ساتھ انہوں نے "کیا تکلیف ہے فرمایئے۔

اس بڑھاپے، اس کمزوری اور نقاہت کے عالم میں امی کا ہر روز یہاں آنا اور گھنٹوں بیٹھنا، مجھے بہت دکھ پہنچاتا ہے لیکن مجبور ہوں۔ منع بھی نہیں کر سکتا یہ کیفیت دیکھی بھی نہیں جاتی۔ جس قدر جلد ہو مجھے ڈسچارج کیجئے باقی علاج گھر پہ ہو سکتا ہے۔!"

"ڈاکٹر نے اطمینان دلاتے ہوئے۔ یقین کیجئے، ضرورت سے ایک دن زیادہ آپ کو یہاں نہیں رکھا جائے گا۔"

(۹)

ویسے انور اب بالکل ٹھیک تھا۔ لیکن ابھی تک ہسپتال میں سے اسے رخصت نہیں ملی تھی۔ باتونی وہ پہلے بھی زیادہ نہیں تھا اب زیادہ خاموش رہنے لگا تھا۔ فرخندہ کا جہاں تک تعلق تھا۔ اس نے بقول ڈاکٹر مختار کے اس دل سوزی اور اور خلوص سے خدمت کی تھی جس کی مثال نہیں مل سکتی لیکن بات چیت کے معاملے میں زیادہ سرگرم نہیں تھی۔ کوئی بات انور نے پوچھی، اس نے مختصر سا جواب دے دیا۔ اس کے بعد دونوں پھر چپ۔

فرخندہ نے انور کی خدمت اس جوش خروش کے ساتھ اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ انور تھا۔ اس لئے کی تھی کہ وہ لیڈی حمید کا بیٹا تھا اور لیڈی حمید کو سکھ پہنچانا اور اس کا دکھ بٹانا اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ نہ داد کی متمنی تھی نہ صلے اور انعام کی آرزومند

ایک روز سہ پہر کے وقت حسب معمول لیڈی حمید تشریف لائیں۔ انور کے ماتھے پر ہاتھ رکھا نبض دیکھی۔ پھر پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

"اب بالکل ٹھیک ہوں امی یہ ڈاکٹر کمبخت نہ جانے کسی سازش کے تحت اب تک مجھے قید کئے ہوئے ہیں۔"

لیڈی حمید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سازش کا خیال کیوں آیا تمہارے دل میں۔ یہاں تم اس لئے ملا کہ تمہارا علاج

ہو، یا اس لیئے کہ کسی سازش کے تحت زبردستی زیادہ سے زیادہ مدت تک یہاں
تمہیں روکا جائے ؟"

"میرا یہی خیال ہے!"

"آخر کیوں ؟"

"تاکہ میری زیادہ سے زیادہ تیمارداری کر کے مجھے زیادہ سے ممنون احسان
بنایا جاسکے ۔"

یہ الفاظ سن کر فرخندہ چہرہ تمتما اٹھا، لیکن خاموش رہی۔ لیڈی حمید
تو اس کی یہ کیفیت محسوس نہیں کر سکیں۔ لیکن تاڑنے والے قیامت کی
نظر رکھتے ہیں۔ انور نے محسوس کر لیا۔

لیڈی حمید نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"بے وقوفی کی باتیں نہ کیا کرو۔ ہسپتال کی طرف سے دو نرسیں مقرر ہیں
تمہاری خدمت اور دیکھ بھال کے لیے، لیکن شاباش ہے فرخندہ کو
اس نے کسی کو بھی قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ سارے کام خود کرتی رہی اب
اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ تمہارے پیشاب کا باٹ تک اس نے اپنے ہاتھ سے
میرے منع کرنے کے باوجود دھویا!"

انور نے شکوہ کرتے ہوئے ماں سے کہا۔

"لیکن آپ نے ظلم کیا یہ۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے آخر ایسے
کام لینے کی ضرورت کیا تھی ؟"

وہ بولیں۔

"تو کسی نے اس سے فرمائش کی تھی ؟ اپنی مرضی سے کیا کرتی تھی، کہتی تھی
بدبو آئے گی۔ انہیں تکلیف ہوگی!"

"سبحان اللہ!"

ہاں بیٹے! فرخندہ نے تو وہ کیا ہے جو کوئی نہیں کر سکتا!"

گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے انور نے کہا۔

"ڈاکٹر سے آپ نے پوچھا کب رخصت کر رہا ہے؟"

وہ بولیں۔

"ہاں۔ پرسوں انشاءاللہ تم اپنے گھر چلو گے۔"

لیکن وہاں اسی طرح رہوں گا جیسے رہتا تھا۔ اب مجھے تیمارداری وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وہ کہنے لگیں۔

"دیکھا جائے گا۔ خیر سے گھر تو چلو!"

پھر کچھ سوچتی ہوئی بولیں۔

"تمہارا غسل صحت اتنی دھوم دھام سے مناؤں گی کہ سلیم پور والے بھی یاد رکھیں گے۔"

"نہیں امی، اس کی ضرورت نہیں ہے۔

"اب تو میرے اوپر حکم چلائے گا!"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ جو آپ کی رائے ہے۔ وہی میری ہے ذرا میں بھی دیکھ لوں، یہ جشن صحت کیا چیز ہوتی ہے!"

اللہ چاہے گا بہت جلد دیکھ لے گا۔

لیڈی حمید کو آئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور باہر کے لوگ واپس جانے لگے تھے وہ ابھی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اچھا بیٹے۔!

وہ بولا۔

"جی ہاں تشریف لے جایئے، بہت دیر ہو گئی ہے آپ کو!"

فرخندہ بھی لیڈی حمید کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"سرکار میں بھی چلوں؟"

بڑی شفقت کے ساتھ انہوں نے پوچھا۔

" کہاں بیٹی ؟
وہ بولی ۔
" گھر ــــ ! "
لیڈی حمید نے حیرت کے ساتھ اسے دیکھا ۔
" گھر چل کر کیا کرے گی ؟ ساری سوئیاں نکل گیئں، اب آنکھوں کی باقی رہ گئی ہیں ۔ دو دن اور گزار لے ، ویسے میں جانتی ہوں ، تیرا جی گھبرا رہا ہوگا ۔ اس بیمارستان میں رہتے رہتے ، میں ذرا دیر کو آتی ہوں ، تو کلیجہ الٹنے لگتا ہے بیٹی ، جہاں اتنا احسان کیا ہے تھوڑا اور سہی ! "
وہ لاجواب ہو گئی ۔ لیکن اس نے کہا ۔
" جی نہیں گھبرانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔ لیکن اب میری ضرورت یہاں نہیں ہے ۔
" کیوں نہیں ہے بیٹی ؟ "
" اب خدا کے فضل سے طبیعت ٹھیک ہے ، ٹہلنے اور چلنے پھرنے کی اجازت بھی مل گئی ہے ۔ پڑھنے لکھنے پہ بھی کوئی پابندی نہیں ! "
" ہاں تو ــــ "
" پھر میری کیا ضرورت ہے ۔ اگر کوئی تھوڑا بہت کام ہو تو نرس کرے گی ! "
بے چاری لیڈی حمید چہ کنم میں پڑ گئیں ، کچھ دیر سوچتی رہیں ، پھر کہنے لگیں ۔
" بیٹی اگر یہ تمہارا فیصلہ ہے تو مجھے کوئی عذر نہیں چلو لیکن اپنے بچے کو نرسوں پر تو میں چھوڑنے سے رہی ۔ یہ دو دن میں خود یہاں گزاروں گی ۔ "
انور نے جھلا کر کہا ۔
" آخر میں کب تک بچہ بنا رہوں ؟ آپ کو میری عمر معلوم ہے ؟ "
وہ مسکراتی ہوئی بولی ۔

" ہاں — ہزار برس !"

" واقعی اب میں بہت اچھا ہوں اور بڑے مزے میں یہ دن گزار لوں گا
آپ فرخندہ کو لے جائیے اپنے ساتھ !"

وہ فیصلہ کن انداز میں بولیں —
یہ تو نہیں ہونے کا بیٹے — فرخندہ پر میں جبر نہیں کرتی، اس پر میں نے جو کچھ
کیا، بہت کیا۔ اگر وہ تھک گئی ہے یا گھبرا گئی ہے تو یہ عین تقاضائے فطرت
ہے اس کو بھیجے دیتی ہوں۔ لیکن میں ضرور یہاں رہوں گی "

" لیکن اگر آپ یہاں رہیں تو میں پھر بیمار پڑ جاؤں گا "

" یہ کیوں — ؟

" اس لئے کہ مجھے معلوم ہے یہاں آپ کو تکلیف ہوگی اور آپ کی
تکلیف میں کس طرح گوارا نہیں کر سکتا۔ "

" بیٹے صرف دو دن کا تو معاملہ ہے !"

" ہوا کرے !"
بڑی بے بسی کے ساتھ زبان سے کچھ کہے بغیر لیڈی حمید فرخندہ کو تکنے
لگی۔ اس نے ان کے اضطراب قلب کا اندازہ لگایا۔ ان کی اس کیفیت
اور اس بے بسی پہ اس کا دل کڑھا۔ کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی۔

اچھا آپ تشریف لے جائیے۔ میں رہ جاتی ہوں !"

لیڈی حمید خوش ہو گئیں۔

انہوں نے فرخندہ کو کلیجہ سے لگایا اور رقت سے بھری ہوئی آواز میں کہا۔
، بیٹی تیرے اتنے احسانات ہیں مجھ پر کہ زندگی بھر ان سے سبکدوش
نہیں ہو سکتی !"

وہ کچھ خفیف سی ہو گئی، کہنے لگی۔
سرکار اس طرح کی باتیں کر کے آپ مجھے شرمندہ کر دیتی ہیں بھلا بتائیے

تو پھی حمید منزل میں میرا رہنا کس مقصد کے ماتحت ہے ؟ کیا میں یہاں اس لئے ملازم نہیں ہوں کہ خدمت کروں؟" پھر اگر میں اپنا فرض ادا کرتی ہوں تو آپ اسے احسان کیوں سمجھتی ہیں ۔ ؟

لیڈی صاحبہ فرخندہ کی طرف محبت بھری نظروں سے تکتی رہیں اور توجہ سے اس کی باتیں سنتی رہیں، پھر گویا ہوئیں ۔

" تو نے اپنے آپ کو ملازم کیسے کہا ۔

" تو اور کیا کہوں سرکار ؟ کیا ملازم نہیں ہوں ؟"

" ہرگز نہیں !"

" پھر میری حیثیت کیا ہے ؟"

" بیٹی کی ۔ کتنا مجھے ارمان تھا کہ میری ایک بیٹی بھی ہوتی ، کس زبان سے مولا کا شکر ادا کروں کہ اس نے پلی پلائی بیٹی مجھے دے دی ۔"

٭٭٭ ٭٭٭ ٭٭٭ ٭٭٭

انقلاب

(۱)

انور کی جو نرس دیکھ بھال کرنے پر مامور تھی اور جسے فرخندہ نے شاذ و نادر ہی کام کرنے کا موقعہ دیا تھا۔ اس کا نام جمیلہ تھا صورت شکل کی تو یوں ہی سی تھی۔ لیکن خوش خلقی اور ملنساری اس کی طبیعت میں رچ بس گئی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ انور کھانا کھا کر قیلولہ کے لئے لیٹ چکا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور سونے کی تیاریاں کر رہا تھا، اتنے میں جمیلہ آئی اور اس نے فرخندہ سے اتنی ہلکی آواز میں کہا کہ انور کی نیند میں خلل نہ پڑے۔

کل تو آپ لوگ رخصت ہو رہے ہیں۔ آیئے ساتھ والے کمرے میں ذرا باتیں کریں گے۔"

ماحول کی یکسانیت سے فرخندہ بھی تنگ آ گئی تھی۔ اس پیش کش کو مسترد نہ کر سکی۔ چپ چاپ ساتھ ہو لی۔

جمیلہ نے اپنے کمرے میں پہنچ کر کہا۔

"آپ کو چائے پینی پڑے گی۔"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"اگر آپ کا حکم ہے تو تعمیل کروں گی؟"

اس نے جلدی سے سوئچ لگایا اور چائے کرنے لگی، چائے تیار کر چکی تو پوچھا۔

اس کے ساتھ بھی کچھ ہو گا۔؟"

وہ بولی۔

"نہیں بھائی، ابھی ابھی کھانا کھایا ہے۔!"

پھر جمیلہ نے اصرار نہیں کیا۔ دونوں پاس بیٹھ کر چائے پینے لگیں۔

چائے پیتے پیتے جمیلہ نے کہا۔

"آپ لیڈی حمید کی سیکرٹری ہیں؟"

وہ کہنے لگی۔

"جی ہاں، مجھے یہ فخر حاصل ہے!"

جمیلہ ہنسنے لگی۔

"ملازمت پر فخر کرتے آپ ہی کو دیکھا ہے، بہت عجیب بات ہے آپ کی!"

وہ سنجیدگی سے کہنے لگی۔

ملازمت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہوتی ہے کہ ملازم اپنے آقا سے نفرت کرنے لگتا ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ بدسلوکی ہوتی ہے اسے اس کے حقوق نہیں ملتے۔!"

"چلئے یہ تو ہوئی ایک قسم۔ آگے؟"

"اور دوسری قسم وہ ہے کہ ملازم، معاوضہ لیتا ہے اور کام کرتا ہے اسے نہ اپنے مالک سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت۔۔۔!"

جمیلہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"جیسے ہم لوگ اور ہمارے وقتی آقا، یعنی ہر روز آنے والے مریض!"

"ایسا ہی سمجھ لیں۔"

آپ کا تعلق لوگوں کی ان دونوں لوگوں کی قسموں میں سے کس قسم سے ہے؟"

"کسی سے نہیں!"

"یہ کیا؟"

آپ نے بات تو پوری سنی نہیں - ایک تیسری قسم بھی ہوتی ہے!"

اچھا، ایک تیسری قسم بھی پیدا کر لی آپ نے وہ کیا ہے؟"

" جمیلہ نے حیرت سے پوچھا -"

جس میں یہ خاکسار شامل ہے۔

لیکن یہ کس قسم کی ملازمت ہے؟"

اس ملازمت میں ملازم اور آقا کے مابین ایک روحانی رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جسے آپ عقیدت اور محبت سے تعبیر کر سکتی ہیں!"

جمیلہ ہنس پڑی زور سے پھر کہنے لگی -

" میں سمجھی — سمجھ گئی!"

کیا سمجھیں؟ معلوم بھی تو ہوا!"

عقیدت لیڈی حمید سے اور محبت — !"

" اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور کہنے لگی -"

لیکن معاف کیجئے گا۔ میں انتخاب کی داد نہیں دے سکتی۔ ایک نوجوان اور خوبصورت عورت کے لیے جیسی آپ ہیں، شوہر اس کے شایان شان ہونا چاہیے۔ آپ کے میاں نور صاحب صورت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ بعض دفعہ انہیں دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ نہ رنگ نہ روپ، نہ صورت نہ شکل، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، بڑا سا سر، بے ڈول جسم چہرے پر چیچک کے داغ۔ ایسے آدمی سے صرف روپے کے لالچ میں شادی کی جا سکتی ہے۔ اس سے محبت نہیں کی جا سکتی!"

فرخندہ نے کوئی جواب نہیں دیا، جمیلہ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اسکے چہرے پر ناگواری کے اثرات پائے، کہنے لگی۔

" شاید میری باتیں ناگوار گذریں آپ کو؟"

وہ سپاٹ لہجہ میں بولی۔

"آپ کا خیال صحیح ہے!

"لیکن میں نے عمداً آپ کی دل آزاری نہیں کی۔ معاف کریں!"

"چلیئے معاف کر دیا۔!"

"پھر خوش بھی ہو جایئے۔"

"خوش بھی ہو گئی!"

"ہنسیے اور مسکرایئے بھی!"

"اس وقت موڈ میں نہیں ہوں!"

اچھا چائے کی ایک پیالی اور پی لیں۔

"پی لوں گی!"

پھر چائے کا دور چلنے لگا۔

چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

مس جمیلہ، آپ نے جو باتیں کیں، مانتی ہوں وہ نیک نیتی پر مبنی تھیں، لیکن ان سے مجھے بڑی سخت روحانی اذیت پہنچی۔ اس لئے آپ کے مطالبے پر میں ہنس نہیں سکی۔ مسکرا نہیں سکی، تکدّر پیدا ہو گیا اور یہی اب تک قائم ہے!"

"اب تک قائم ہے؟"

"اب تک۔ اور نہ جانے کب قائم رہے گا۔!"

"لیکن میں تو معافی مانگ چکی ہوں!"

"میرے دل میں آپ کے خلاف تو کوئی بات اب نہیں اتنے اچھے انسان کے بارے میں آپ کے اتنے غلط خیالات سن کر مجھے افسوس ہوا!"

اچھے انسان کے بارے میں غلط خیالات؟"

"ہاں —"

"وہ کیسے —؟"

"لیڈی حمید کے اوصاف جمیلہ سے تو آپ واقف ہی ہیں!"

"ہاں بہت اچھی طرح — ان کی شرافت، رحم دلی اور مروت کی تو دھوم

مچی ہے !"

شکایت آپ کو انور صاحب سے ہے ؟"

شکایت تو خیر کیا ہو گی ؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ مزاج کے اکھڑ ہیں آپ نے محبت کا لفظ استعمال کیا، تو مجھے آپ پر ترس آیا، کہاں آپ جیسے ماہتاب اور کہاں انور صاحب، صورت نہ شکل بھاڑ میں سے نکل !"

"دیکھئے پھر آپ حد سے تجاوز کر رہی ہیں، آپ نے انور صاحب کو پہچانا نہیں ہے اور میرا خیال ہے پہچان بھی نہیں سکتیں :

"اتنے بڑے آدمی ہیں وہ ؟"

"وہ بہت بڑے آدمی ہیں !"

"آپ کہتی ہیں تو مانے لیتی ہوں ۔

تو میرے کہنے سے ایک بات اور بھی مان لیں !"

"وہ کیا ؟"

"میں انور صاحب سے محبت نہیں کرتی، رہے وہ تو ان میں محبت کرنے کا مادہ نہیں ہے !"

"یہ تو بہت اچھا ہے !"

"لیکن اگر کوئی انہیں جان لے، پہچان لے تو ان سے محبت کرنے "تو مجھے مجبور کر دیں گے ان سے محبت کرنے پر !"

ایک تاثر کے ساتھ فرخندہ نے کہا ۔

"جمیلہ — !"

"ہاں سن رہی ہوں — !"

"انسان دو طرح کے ہوتے ہیں !"

دو طرح کے کیوں ؟ ہزاروں طرح کے ہوتے ہیں !"

خاص طور پر دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ۔ ایک وہ جو صورت کے پرستار

ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جادو جلد اتر جاتا ہے اور دوسرے وہ جو سیرت کے عاشق ہوتے ہیں اور یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ !"

"مانتی ہوں ۔ لیکن یہی کہے جاؤ گی کہ تم انور صاحب سے محبت نہیں کرتیں ۔؟"

"جو واقعہ ہے اسے کیوں نہ کہوں ؟

"تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں اور دل کا دروازہ بند ہے ۔۔۔ یہ لطیفہ بھی خوب ہے ۔ !"

"جمیلہ تم اصل بات کیوں نہیں سمجھتیں !"

"جتنا سمجھاتی جا رہی ہو سمجھتی جا رہی ہوں ۔ !"

"میں سرکار سے محبت کرتی تھی، سرکار کی وجہ سے انور صاحب کی عزت کرتی تھی۔ لیکن جب ان کی سیرت اور کردار کے پہلو نظر کے سامنے آئے۔ تو میں محبت کی منزل سے بھی آگے گزر گئی اور میرے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہو گئی ۔ سچ جمیلہ وہ بہت خوب آدمی ہیں۔ ان کی صورت اچھی نہ تھی، صورت کس کی ہمیشہ اچھی رہتی ہے ؟ ہر پھول کو مرجھانا پڑتا ہے، ہر جوانی بڑھاپے میں تبدیل ہے، ہر خوبصورتی ایک دن مکروہ صورت اختیار کر لیتی ہے اس پر اترانا کیا، اور غرور کیسا ؟

"تم تو بہت بڑی فلسفی ہو بھئی !"

"اس کا فلسفے سے کیا تعلق ؟ ہر شخص جو آنکھ رکھتا ہے ہر روز اس کی نظر سے یہ مناظر گزرتے رہتے ہیں، کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسی عورت نہیں ہے جو آج سے پندرہ سال پہلے خوبصورت تھی اور اب بڑھیا ہے کوئی پوچھتا تک نہیں !"

ہاں کیوں نہیں۔ ہماری دور کی ایک رشتے دار ہیں جوانی کیا تھی ۔ قیامت تھی، لیکن اب کمر جھکی ہوئی چہرہ بے رنگ جھریاں پڑی ہوئیں دیکھ کر بڑا ترس آتا ہے بے چاری پر ۔ !"

"خود ہی سمجھ لو۔ لیکن جو چیز لازوال ہے وہ ہے سیرت، سیرت کا حسن، عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ محبت تبدیل ہوتی رہتی ہے لیکن عقیدت تو ایک چٹان ہوتی ہے۔ اسے کوئی جنبش نہیں دے سکتا، ایک انسان اپنے محبوب کے لئے ساری دنیا کو قتل کر سکتا ہے لیکن اپنے مرشد کی رضا پر محبوب کی گردن اڑا سکتا ہے!"

"بالکل سچ کہتی ہو فرخندہ!"

"لہذا میں صورت کو اہمیت نہیں دیتی، اصل چیز سیرت ہے"

"مان گئی!"

(مسکرا کر) تو کیا انور صاحب سے محبت کرنے لگیں!"

اگر واقعی وہ ایسے ہیں جیسا تم نے بیان کیا تو بڑے شوق سے ان کی پیش کش پر غور کر سکتی ہوں۔"

(ہنستے ہوئے) کس کی پیش کش پر؟"

"انور صاحب کی اور کس کی!

"جی منہ دھو بیٹھئے، ان سے یہ توقع بلکہ یقین بھی نہیں کر سکتی، تم کیا چیز ہو، وہ محبت کرنا جانتے ہی نہیں!"

"واہ بھی اچھی رہی۔!"

"اچھی رہی یا بری رہی، لیکن موقعہ یہی ہے۔!"

"شادی ہوئی ہے ان کی یا نہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں نہیں کرتے؟"

"میں کیا جانوں؟ شاید کر لیں، شاید نہ بھی کریں، اپنی ماں کو یعنی ہماری سرکار کو بہت چاہتے ہیں، کہتے ہیں، ممکن ہے ان کی بہو سے نہ بنے۔ لہذا میں یہ جنجال ہی نہیں پالتا!"

"واقعی؟"

ہاں بھئی، مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے ؟"

"اور تمہاری سرکار، ان کے اس فیصلے پر رضا مند ہیں ؟"

بالکل نہیں ۔ وہ بے چاری تو خوشامد کرتے کرتے عاجز آچکی ہیں لیکن ان کے منہ سے اگر نہیں نکل جائے تو اسے ہاں میں کون بدل سکتا ہے ۔ انہوں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہارے سامنے اعتراف کرتی ہوں، مجھے ان سے محبت ہے ۔"

یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، فرخندہ کو بھی ہنسی آگئی !

یکایک فرخندہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی ۔

جمیلہ نے اس کا دامن پکڑ کر اسے بٹھا لیا ۔

" چلیں کہاں ؟ — ابھی تو آئی ہو ۔ !"

وہ بولی —

" نہیں بھئی بہت دیر ہو گئی آئے ہوئے ۔ اب وہ بیدار ہونے والے ہوں گے ۔ !"

" تو ؟ — کیا بیدار ہو کر برکت کے لئے سب تم پر نظر ڈالتے ہیں ؟ تمہیں تو بس یہی باتیں سوجھتی ہیں ۔ اب ان کی چائے کا وقت ہو گیا ہے چلنا ہی چاہیے مجھے ۔"

ایک دن چائے نہ پیئں گے یا دیر سے پی لیں گے تو کیا ہو جائے گا ؟ انہیں تو زندگی بھر نہ ملیں تو پروا نہیں کریں گے لیکن میرا ابھی تو کچھ فرض ہے ۔"

" بہت اچھا جناب جائیے ۔ اپنا فرض ادا کیجئے ہم بھی اپنی ڈیوٹی پر جاتے ہیں !"

فرخندہ انور کے کمرے میں پہنچی تو وہ جاگ رہا تھا ۔ اسے کیا معلوم وہ بالکل نہیں سویا تھا اور ساری باتیں سن رہا ہے ۔

---

(۲)

جمیلہ سے رخصت ہو کر فرخندہ انور کے کمرے میں آئی تو وہ جاگ رہا تھا۔ فرخندہ نے پوچھا۔

"اٹھ گئے آپ؟ چائے لاؤں؟"

کروٹ بدلتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"ہاں ۔۔ اس وقت جی چاہ رہا ہے!"

"ابھی آتی ہے چائے ۔!"

یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی، اسپیشل وارڈ کا ملازم حاضر ہوا فرخندہ نے اسے چائے لانے کا حکم دیا اور کہا۔

"کچھ پیسٹری اور بسکٹس بھی لیتے آنا!"

"بہت بہتر ۔!"

خادم نے یہ جواب دیا۔ اور چلا گیا۔

فرخندہ نے تھرمامیٹر انور کی طرف بڑھایا، بغیر کسی حیل وحجت کے اس نے منہ میں رکھ لیا۔ وہ گھڑی کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔ جب وقت ہو گیا، تو اس نے ہاتھ بڑھا کر تھرمامیٹر اس کے منہ سے نکال لیا، غور سے دیکھا اور کہا۔

اب تو خدا کے فضل سے حرارت کا شبہ تک نہیں ہے ۔!

انور نے پھر کروٹ بدل لی اور کہا۔

" لیکن کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے سارا بدن دکھ رہا ہے۔!"

وہ اطمینان دلاتی ہوئی بولی۔

" وہ تو ہوگا۔ آخر اتنی بڑی تکلیف جھیلی ہے آپ نے۔ خدا نے چاہا تو چند روز میں یہ کمزوری بھی رفع ——— ہو جائے گی۔"

اتنی دیر میں چائے آ گئی۔

فرخندہ نے بڑے اطمینان سے چائے بنائی اور اس کے سامنے رکھ دی وہ آہستہ آہستہ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ تھوڑی سی پیسٹری بھی کھائی پیٹس کو ہاتھ نہیں لگایا وہ بولی۔

" (مرغی) کے ہیں۔ آپ کمزوری محسوس کر رہے تھے نا؟ ان سے توانائی آجائے گی۔

اس نے ایک پیٹس بھی کھا لیا۔ پھر پوچھا!

" وقت کیا ہے؟"

اس نے بتایا۔

" پانچ بج رہے ہیں۔ بس اب سرکار آتی ہی ہوگی!"

فرخندہ نے سرکار کا نام لیا ہی تھا کہ واقعی لیڈی حمید تشریف لے آئیں انہیں دیکھ کر انور خوش ہو گیا، کہنے لگا۔

" امی آپ بہت جئیں گی!"

وہ بولیں۔

" یہ تو نے کیسے جان لیا؟"

اس نے جواب دیا۔

ابھی میں آپ ہی کو یاد کر رہا تھا اور مجھے بتایا گیا تھا کہ اب آپ کے آنے کا وقت ہو گیا۔!"

پھر اس نے ماں سے پوچھا۔
"تو کل لے چلیں گی آپ مجھے اپنے ساتھ؟"
وہ پیار بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولیں!
"ہاں میرے بچے سارے انتظامات ہو گئے ہیں، تیرے استقبال کے۔"
انور نے سے کچھ نہ کہا۔

-؛- -؛- -؛-؛-

(۳)

انور کو گھر واپس آئے ایک ہفتہ سے زیادہ مدّت گزر چکی تھی اب وہ توانا اور تندرست تھا، کسی طرح کی شکایت نہیں تھی۔ اپنے معمولات پھر اسی مستعدی اور وقت کی پابندی کے ساتھ انجام دینے لگا تھا جو اس کی سرشت اور فطرت بن چکی تھی

ایک دوسرے سے اتنے ہی دور ہو چکے تھے جتنے پہلے تھے، یوں کبھی لیڈی حمید کے کمرے میں آمنا سامنا ہو گیا تو دوسری بات ہے۔

فرخندہ بیبی لیڈی حمید کو اخبار سنا رہی تھی وہ خبریں سنتی جاتی تھیں اور ان پر تبصرے کرتی جاتی تھیں، جن سے فرخندہ بہت زیادہ لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔

اتنے میں انور آگیا، اسے دیکھ کر فرخندہ نے خبریں سنانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔

انور نے کہا۔

"امی میں ایک ہفتے کے بعد کے لئے سلطان گنج جا رہا ہوں۔"

لیڈی حمید نے اس تجویز سے اتفاق کیا نہیں تھا، کہنے لگیں۔

"اب تو اللہ اللہ کر کے اچھے ہوئے ہو گھر بیٹھ کر، جو کام کر رہے ہو اسی کو زیادہ سمجھتی ہوں، اب سلطان گنج جاؤ گے۔ نہیں ابھی نہ جاؤ

بڑی ملائمت کے ساتھ اس نے کہا۔

" نہ گیا تو سارا کام چوپٹ ہو جائے گا۔ ذرا سوچیئے تو سہی۔ اب تک عمارت کی تعمیر پر ڈھائی لاکھ کے قریب صرف ہو چکے ہیں، سارا کام مزدوروں اور ٹھیکے دار پر تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ جب تک سر پر موجود رہ کر کام نہ کرایا جائے کچھ نہیں ہوتا ـــ میں تو یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ اس عرصے میں کہیں وہ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تو نہیں ہیں!"

" لیڈی حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔!"

" کچھ بھی کہو میں تو ابھی اجازت نہیں دونگی نہیں ـــ!

انور بے بس ہو گیا۔

" تو پھر کب جاؤں؟"

ماں نے جواب دیا۔

" کم از کم پندرہ دن اور آرام کر لو گھر پھر شوق سے جانا!"

" امی پندرہ دن تو بہت ہوئے!"

" ہوا کریں، جان ہے تو جہان ہے۔ یہاں وقت پر کھانا مل جاتا ہے وقت پر سوتے ہو سارے کام قاعدے سے ہو رہے ہیں۔ وہاں لاکھ خانساماں موجود ہو۔ اور نوکر چاکر خدمت کو تیار ہوں۔ پھر بھی گھر کی سی بات کہاں ہے"

بہت اچھا، اگر آپ کا یہی حکم ہے تو پھر یہی سہی!"

" ماں بیٹے کی بحثم بحثا سے فرخندہ نے اندازہ کر لیا تھا یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہے گا لہذا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور ایک کتاب لے کر بیٹھ گئی۔

انور اٹھ کر جانے لگا تو لیڈی حمید نے کہا

" مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

وہ بیٹھ گیا اور گویا ہوا۔
" فرمایئے ۔ کیا کہنا چاہتی ہیں آپ !"
لیڈی حمید نے اُدھر اِدھر دیکھا اور کہا۔
" تمہارے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور میں جانتی ہوں، سب نیک اور شریف ہیں ۔!"
اپنے دوستوں کا ذکر ماں کے منہ سے سن کر انور کو حیرت سی ہوئی اس لئے کہ آج تک انہوں نے اس کے دوستوں کے بارے میں اظہار خیال نہیں کیا تھا بہر حال اس نے کہا۔
جی ہاں ۔ میرے دوستوں کا حلقہ بہت زیادہ وسیع تو نہیں کیا تھا لیکن جتنے بھی دوست ہیں اچھے اور شریف لوگ ہیں !"
کچھ سوچتی ہوئی لیڈی حمید بولیں
یقیناً ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ؟"
اس بے تکے سوال پر انور کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے کہا۔
جی ہاں کئی ایسے ہیں جو کنوارے ہیں ۔ لیکن اس سوال سے آپ کا کیا مطلب ؟"
" وہی تو کہہ رہی ہوں، ذرا چھری تلے دم تو لینے دو۔"
" جی ۔ "
میرا مطلب یہ تھا کہ کیوں نہ اپنے کسی قابل اعتماد دوست سے فرخندہ کی شادی کرا دو !"
انور چکرا گیا تھا۔ وہ ہکلاتا ہوا بولا ۔
" یہ آپ کیا فرما رہی ہیں ؟ ۔ فرخندہ کی شادی اپنے کسی دوست سے کرا دوں ؟"
اس سوال میں انہیں بے ارادی نظر آئی وہ جھلائی اور بولیں ۔
کیوں کیا ہوا ؟ کیا فرخندہ خوبصورت نہیں ہے ؟ سلیقہ شعار نہیں ہے

شریف نہیں ہے؟ ماشاء اللہ پڑھی لکھی ہے، بی اے، ایم اے نہ سہی پھر بھی جب دیکھو جب کتاب لئے بیٹھی رہتی ہے۔

کچھ دیر تک انور خاموش رہا، پھر اس نے کہا۔

"آپ فرخندہ کی شادی میرے ہی کسی دوست سے کیوں کرنا چاہتی ہیں؟" وہ بولیں۔

"بیٹے میں ٹھہری عورت ذات میں اس کے لئے بر کہاں تلاش کرتی پھروں گی۔ تم نے خود بھی اس کے بارے میں رائے قائم کر لی ہوگی۔ سچ کہنا کیا وہ اس قابل نہیں ہے کہ کسی اچھے اور شریف گھر کی زینت بنے؟"

انور کا ایک رنگ آرہا تھا، کچھ عجیب کیفیت سے دوچار تھا۔ اس وقت اپنی کیفیت پر غالب آتے ہی قدرے برہمی کے ساتھ کہا۔

"بے شک ہوگی — لیکن امی میں یہ کام نہیں کر سکتا!"

لیڈی حمید نے تند نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا

"کیوں نہیں کر سکتے؟ — کیا تمہاری توہین ہے اس میں؟"

"بے شک ہے۔؟"

"وہ کیسے؟"

"اس سے بڑھ کر شرم کی بات ہو سکتی ہے کہ میں اپنے کسی دوست سے کہوں، بھئی ہمارے ہاں ایک بڑی اچھی لڑکی ہے تم اس سے شادی کر لو۔ اور میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کو اس کی شادی کی اتنی فکر کیوں نہ ہے؟"

لیڈی حمید بگڑ گئیں۔ کہنے لگیں: "فکر کیوں نہ ہو؟ کیا وہ لڑکی میری نہیں ہے؟"

"وہ آپ کی لڑکی بھی ہوگئی؟"

"اس نے جس طرح میری خدمت کی ہے اور جس بے جگری سے مجھ احسان فراموش کو موت کے منہ سے نکالا ہے اس کے بعد بھی اپنی لڑکی کی طرح نہ چاہوں؟"

"ضرور چاہیے۔ مگر اس کی شادی سے کیا تعلق ؟"
ضرور بہت گہرا تعلق ہے۔ مائیں اپنی جوان لڑکیوں کو گھر بٹھا کر نہیں رکھتیں اس فکر میں رہتی ہیں کہ جلد از جلد اس کے ہاتھ پیلے کر دیں اور ان کا گھر آباد کر دیں۔
انور مسکراتے ہوئے بولا تو ماں کو یہ فکر ہے بیٹی کی ؟"
"ہاں !"
"لیکن امی ایک بات تو سوچئے !"؟
میرے حلقۂ احباب میں جتنے لوگ ہیں۔ وہ سب خاندانی ہیں، کھاتے پیتے بلکہ امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ کس طرح ایک لڑکی سے شادی کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ جس کا کوئی والی وارث نہ ہو۔ جس کے خاندان کا حال معلوم نہ ہو، جو ملازمت کر کے زندگی بسر کر رہی ہو جس کے پاس نہ زیور ہو نہ دولت نہ قیمتی کپڑے، نہ جہیز کا قابلِ رشک سامان "
بیٹے تمہاری یہ باتیں سن کر مجھے دکھ ہوا !"
"کیوں امی ؟"
"مجھے تم پر فخر ہے تم میں انسانیت کا جوہر ہے۔ تم غریب سے نفرت نہیں کرتے۔ امیر سے مرعوب نہیں ہوتے۔"
"بے شک، بے شک، آپ نے میرا بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے۔"
لیکن میں اب محسوس کرتی ہوں کہ مجھے غلط فہمی تھی تمہارے بارے میں !!"
"یہ کیوں امی !"
اگر تم بھی اس طرح کی باتیں سوچ سکتے ہو۔ تو میرا فخر چھین لینے کے مجرم ہوا۔
امی میں اپنے متعلق تو نہیں کہہ رہا، اپنے دوستوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں"۔ تمہارے دوستوں کو بھی جیسے ہی ہونا چاہیئے تم ہو !"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"
"نہیں ہو سکتا ہے ؟"
نہیں ہو سکتا تو ایسی دوستی کو دور سے سات سلام کر دو۔ جو لوگ اتنے

پست اور رکیک خیالات رکھتے ہوں، وہ ننگ انسانیت ہیں!"

"لیکن امی!

میں نہیں جانتی فرخندہ کا خاندان کون ہے اور کیسا ہے؟ لیکن اس پر ایمان رکھتی ہوں کہ وہ روپے سے اونچے خاندان سے باعث ناز ہے۔ شرافت اور انسانیت کا وہ جوہر جو مجھے فرخندہ میں نظر آیا۔ کسی میں آج تک اتنی عمر ہونے کو آئی، میں نے نہیں دیکھا۔

"میں بھی جانتا ہوں۔"

" رہا غربت کا سوال، جہیز کا سوال شادی کے مصارف کا سوال تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے۔ لیڈی حمید غریب عورت نہیں ہے اس کا کروڑپتی شوہر اسے لاکھوں دے کر اس دنیا سے رخصت ہوا ہے اور اس رقم کی تنہا مالک ہے اس میں کسی کا حصہ نہیں ہے کیا۔ یہ رقم بڑی خوشی سے وہ اپنی ہی بیٹی کی زندگی سنوارنے خرچ نہیں کر سکتی؟"

کیوں؟۔ تمہارا باپ تمہارے لئے جو القاروں روپیہ اور جائداد چھوڑ گیا گیا ہے وہ کافی نہیں ہے؟ میری پونجی پر بھی دانت لگائے بیٹھے ہو۔؟

" توبہ۔ توبہ۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے؟ میری تمام جائداد جسے چاہے دے دیں!"

" تمہارا مال تمہیں مبارک مجھے اس میں سے ایک کوڑی بھی نہیں چاہئے البتہ اپنی جمع جتھا پر مجھے پورا حق ہے جس طرح چاہوں خرچ کروں اور جسے چاہوں دے دوں۔"

" بے شک، آپ کے اس حق پر کون اعتراض کر سکتا ہے۔"

" بس تو پھر سن لو کان کھول کر۔ فرخندہ کی شادی ہو گی اور ضرور ہو گی اور اس کی شادی پر سب کچھ کر گزروں گی، اپنے سارے زیورات اسے دیدوں گی، اپنے سارے ـــــ قیمتی ملبوسات اس کے حوالے کر دوں گی اور جو روپیہ ہے سب اس کے نام منتقل کر دوں گی۔ اگر ایسے کوئی داماد حاصل نہیں کر سکتی تو

اونچی سے اونچی قیمت دے کر خریدنے کو بھی تیار ہوں۔"

"امی مجھے تو فرخندہ پر رشک آ رہا ہے۔

" کیوں رشک آ رہا ہے اس غریب پر؟

" آپ اسے اتنا زیادہ چاہتی ہیں؟"

" ہاں ۔ بہت زیادہ وہ اس قابل ہے کہ پوجی جائے۔ ایسی سراپا اوصاف لڑکی آج تک میری زندگی میں نظر سے گزری ہی نہیں۔"

" دنیا میں نہ جانے کتنی نیک اور اچھی لڑکیاں ہوں گی۔ کیا آپ سب سے محبت کرتی ہیں۔؟

" ساری دنیا کا میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے، میں تو اپنی لڑکی کا ذکر کر رہی ہوں۔"

" لیکن آپ نے اپنی لڑکی سے پوچھ بھی لیا ہے؟"

" کیا پوچھوں؟ اس سے کیا پوچھنا ہے۔؟

" یہی کہ وہ شادی کرنے پر تیار ہے یا نہیں؟

" مجھ سے میری ماں نے کچھ نہیں پوچھا تھا اور میری شادی کر دی تھی۔"

" یہی آپ بھی کریں گی اپنی لڑکی کے ساتھ۔

" بے شک ۔ !"

" لیکن اب زندگی در زمانہ بدل گیا ہے؟ اب لڑکیوں سے پوچھا جاتا ہے اور ان کی مرضی اور پسند سے شادی کی جاتی ہے۔ ان کی!"

" جانتی ہوں لیکن میری فرخندہ ایسی نہیں ہے"

" لیکن امی یہ ظلم بھی تو ہے!"

" ظلم؟"

" شادی رضامندی اور پسند کا سودا ہے۔"

" کیا تو چاہتا ہے کہ میں شادی کے لئے شوہر کا انتظام کر... (مسکراتے ہوئے) کیا حرج ہے!"

"خبردار، جو آئندہ ایسا لفظ منہ سے نکالا۔"
اور پھر کہنے لگیں۔
" اگر تو فرخندہ کے لئے اچھا سا بر تلاش نہ کر سکا تو یاد رکھ کر تجھے شادی کرنا پڑے گی۔
انور کی ساری خوش طبعی رخصت ہو گئی وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔
" آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں ؟"
تیرا سب سے بڑا عذر شادی نہ کرنے کے سلسلے میں یہ ہی تو تھا کہ شاید تیری بیوی سے میری نہ بنے۔ لیکن فرخندہ کے بارے میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"
انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ لیڈی حمید نے کہا۔
" اب تک تیری ضد کے آگے میرا سر جھکتا رہا ہے۔ اب تجھے میری ضد کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ ورنہ ــ"
" ورنہ کیا ہو گا۔"
" میں جان دے دوں گی۔ کچھ کھا کر سو رہوں گا۔ اور قیامت میں تیرا دامن پکڑوں گی اور محشر سے فریاد کروں گی کہ یہ ہے وہ لڑکا جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا۔ اور جس نے مجھے خودکشی پر مجبور کر دیا۔"
یہ کہتے کہتے لیڈی حمید کی آواز بھرا گئی اور ان ادسا ان کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے۔
انور اس منظر کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے کہا۔
" امی آپ رو کیوں رہی ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے، ضرور فرخندہ کے لیے کوئی اچھا سا شوہر تلاش کر لوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے یہ میرا عہد ہے۔"

(۴)

ماں بیٹے کی مجلس مباحثہ ابھی برخاست نہیں ہوئی تھی کہ یہ سوچ کر کہ انور اب چلا گیا ہوگا اور لیڈی حمید اکیلی بیٹھی ہوں گی۔ فرخندہ اندر آگئی۔
یہاں آکر اس نے جو منظر دیکھا، اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

انور کا دوسروں کے ساتھ ظاہری طرزِ عمل کیسا ہی ہو، لیکن ماں کے سامنے وہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ زندہ دلی کے مظاہرے کرتا رہتا تھا۔ کم گو فطرتاً تھا لیکن ماں کے سامنے پہنچ کر اس کی یہ فطرت بھی رخصت ہو جاتی تھی۔

لیکن آج۔

آج کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔

ایک طرف لیڈی حمید کچھ افسردہ سی، برہم سی، بے چین سی خاموش بیٹھی ہوئی تھیں، دوسری طرف انور کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ کسی مسئلے پر سخت ردوکد ہو چکی ہے اور وہ شدید ذہنی ادر کش مکش اور اذیت میں مبتلا ہے

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے؟ — کھڑی رہے یا چلی جائے پھر کچھ سوچ کر وہ چلی گئی۔ لیکن ذرا دیر میں ایک گلاس لئے پھر واپس آئی اور لیڈی حمید کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا اور گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ بولی ؟"
آپ کا چہرہ اترا ہوا نظر آرہا ہے۔ شاید باتیں کرتے کرتے تھک گئیں آپ، گلوکوز ہے پی لیں۔ ابھی انشاءاللہ طبیعت بحال ہو جائے گی۔"
لیڈی حمید نے ایک نظر فرخندہ پر ڈالی اور گلاس لے کر غٹا غٹ چڑھا گئیں۔
فرخندہ خوش ہو گئی۔
"طبیعت بحال ہو گئی۔ کچھ؟"
"ہاں بیٹی، اب ٹھیک ہوں بالکل۔
"کیا گلاس اور بنا لاؤں؟"
"آپ کے لئے نہیں۔
لیڈی حمید نے پھر ایک گہری نگاہ فرخندہ پر ڈالی اور کہنے لگیں۔
"پھر کس کے لئے؟ کیا انور کے لئے۔؟
"جی ہاں ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا گلوکوز کا ایک گلاس روز پی لینا چاہیے اس سے توانائی آجاتی ہے!"
وہ مسکرانے لگیں۔
"بیٹی آخر سارے جہاں کی فکر کیوں ہے؟ مجھے لا کر پلا دیا اور انور کے لئے پوچھ رہی ہو۔ اچھا جاؤ لے آنا"
ذرا دیر کے لئے ایک گلوکوز کا ایک گلاس بنا کر لے آئی اور انور کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔
"لیجیئے!" انور نے گلاس اس کے ہاتھ سے اس کی طرف دیکھے بغیر یا اس سے کہنے بغیر لے لیا، تین چار گھونٹ میں اسے ختم کیا اور تیز تیز قدم رکھتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

(۵)

ایک روز لیڈی حمید نے فرخندہ سے کہا۔
نہ جانے ناجی کب آ رہی ہے؟ انور نے تو کہا تھا کہ وہ آج ہی کل میں آ رہی ہے!"
فرخندہ کا جی چاہا کہ دریافت کرے۔
"ناجی کون؟"
گو وہ جانتی تھی کہ ناجی سے بڑا اقریبی رشتہ ہے سرکار کا بھی پھر بھی اجنبیت کا تجسس سوال کرنے پر اکساتا تھا۔ لیکن ہمت نہ پڑی پوچھنے کی کہنے لگی۔
"شاید کسی وجہ سے نہ آ سکی ہوں!"
"ہو سکتا ہے اطلاع دے دی ہو؟"
"کسے؟ انور کو؟ ہاں ہو تو سکتا ہے!"
"یقیناً یہی بات ہے!"
"انور کہاں ہے؟"
"اپنے دفتر میں بیٹھے کام کر رہے ہوں گے!"
"توبہ ہے، ہر وقت کام، مجھے تو اس لفظ کے سنتے اب اختلاج ہونے لگتا ہے!"
فرخندہ ہنسنے لگی، لیڈی حمید نے کہا۔

جاؤ۔ بیٹی، پوچھ لو اس سے نا جی کا کوئی خط آیا ؟ ۔ کب آ رہی ہے "

فرخندہ کی انور سے ہسپتال سے آنے کے بعد سے اب تک بات نہیں ہوئی تھی، اس کا ادھیڑ بن پھر واپس آ گیا تھا۔ وہی الگ تھلگ رہنا بات نہ کرنا۔ دوسری کی بات کو توجہ سے سن کر، ہر بات کو حرفِ آخر قرار دینا ویسے اگر کوئی دکھ اور مصیبت میں ہو تو سب کچھ قربان کر دینے پہ تیار رہتا اس کے ان متضاد اوصاف سے فرخندہ واقف تھی ۔۔ اس لئے اس طرزِ عمل پر اسے کوئی حیرت بھی نہیں تھی ۔ اور پروا بھی نہیں تھی۔ خود وہ کب یہ چاہتی کہ ایسے بے ڈھنگے سے شخص سے خلا ملا پیدا کرے، بس دور کی صاحب، سلامت اچھی، اور وہ بھی نہ ہو تو اور زیادہ بہتر !

انور کے کمرے میں جسے وہ دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا، جانے آج تک اسے اتفاق نہیں ہوا تھا ۔ وہ جھجکتی ہوئی ۔ سرکار کی تعمیل حکم کرنے روانہ ہوئی انور اپنے کمرے میں میز پر بیٹھا، کاغذات کے انبار میں کھویا ہوا تھا، بہت سے کھلے ہوئے فائل سامنے میز پر پڑے تھے، سگریٹ پیتا جا رہا تھا اور ان پر کچھ لکھتا جاتا تھا۔

فرخندہ کے پاؤں کی چاپ اس نے سن لی، کرسی سے ٹیک لگالی، سگریٹ کا ایک کش لگایا، اس پر ایک دزدیدہ نگاہ ڈالی اور پھر جھک کر فائل دیکھنے اور اس پہ کچھ لکھنے لگا۔ اس طرح بے خبر ہو کر جیسے یہاں کوئی دوسرا موجود نہیں ہے۔

یہ طرزِ عمل اگرچہ غیر متوقع نہیں تھا۔ لیکن اس میں جو نخوت اس پہ کچھ لکھتے خودداری مجروح ہوتی نظر آئی۔

جی چاہا، الٹے پاؤں واپس چلی جائے۔
اس شخص نے اگر دیکھا نہ ہوتا تو پھر گھنٹہ بھر کھڑے رہنے میں بھی

کوئی حرج نہ تھا۔ لیکن دیکھ چکنے کے بعد کام میں مصروف ہو جانا گویا حقارت کے ساتھ آنے والے کے وجود کو نظر انداز کر دینا، بدتمیزی اور ناشائستگی کی انتہا تھی۔

مگر یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود وہ خاموش رہنے پر اور یہاں کھڑی رہنے پر مجبور تھی۔

آخر سرکار کو کیا جواب دیتی؟

پھر اس کے دل میں ایک طرح کی تسلی ہوئی، وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگی۔ خدا کرے میرے انتظار سے اکتا کر سرکار خود یہاں تشریف لے آئیں اس کے بعد قدر عافیت معلوم ہو گی اس نخوت اور غرور کی۔۔!

(۶)

فرخندہ بدستور گم صُم صورت تصویر کھڑی تھی اور انور فائلوں پر جھکا ہوا تھا جب تین چار فائل دیکھ چکا تو اس نے پھر سگریٹ کی طلب محسوس کی سر اٹھایا اور سگریٹ سلگاتے سلگاتے پوچھا۔

" کیا ہے ؟ ۔ یہاں تم کیسے آگئیں ؟ یہاں تو کسی کو بھی آنے کی اجازت نہیں ہے !"

وہ جانے کے لئے مڑی اور کہنے لگی ۔

" بہت اچھا سرکار سے بھی عرض کئے دیتی ہوں جا کر معاف فرمایئے، اپنی غلطی پر مجھے ندامت ہے سرکار کے ارشاد کے باوجود مجھے نہیں آنا چاہیے تھا اور اب اگر انہوں نے بھیجا تو انکار کر دوں گی !"

" تمہارا مزاج تو آسمان سے باتیں کرتا ہے، امی نے تمہاری عادت بگاڑ دی ہے وہ سب کی عادتیں اپنی غیر ضروری حد سے زیادہ شفقت کے باعث بگاڑ دیا کرتی ہیں، لیکن میرے اور امی کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ جن باتوں کو آسانی سے نظر انداز کر دیتی اور برداشت کر لیتی ہیں ۔ میں نہیں کر سکتا !"

" میں آپ کے پاس کوئی استدعا لے کر نہیں آئی تھی ۔"

" کیسی استدعا ؟

" یہ کہ میری کسی بات کو یعنی غلطی کو نظر انداز نہ کردیں، یا برداشت کرلیں"
" کیوں — اس استدعا میں قباحت محسوس کرتی ہو؟"
" قباحت نہیں — توہین!"
(چیں بہ جبیں ہو کر) کیا کہا تم نے؟!"
" قباحت نہیں محسوس کرتی، توہین محسوس کرتی ہوں اور اسے نہ نظر انداز کرسکتی ہوں، نہ برداشت کرسکتی ہوں!"
" اچھا — یہ دم خم ہیں۔"
" جی ہاں —!"
" بہر حال تمہیں احتیاط کرنی چاہیے، امی کا حکم ہو یا کسی اور کی فرمائش یہاں اگر آنا ہے تو اجازت لے کر آنا چاہیے۔ یہ کیا لغویت ہے۔ قدم بڑھنے دیئے اور دھڑ سے موجود!"
" اس بحث کو ختم کیجیے اب کسی قیمت پر بھی اس در دولت پر حاضری کے لیے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کرسکوں گی۔"
" نہیں — اجازت لے کر ہر کوئی آسکتا ہے!"
" جسے آنا ہوگا وہ اجازت لے گا۔"
(ذرا بلند آواز سے) بہت زیادہ حجت اور بحث کی عادی ہوگئی ہو تم۔"
" غلط — صرف آپ کی بات کا جواب دیا ہے میں نے!"
" خیر — سرکار نے پوچھا ہے، تاجی اب تک کیوں نہیں آئی؟ اس کا کوئی خط آیا ہے؟ کب آرہی ہیں وہ؟"
" تم تاجی کو کیا جانو — جانتی ہو!
" بالکل نہیں!"
" پھر تمہیں تاجی سے کیا مطلب!؟"
" مجھے کسی سے مطلب نہیں ہے، سرکار نے جو پیام دیا تھا، وہ میں نے

آپ تک پہنچا دیا۔ جو آپ دیں گے ان تک پہنچا دوں گی!"

اگر سرکار ناجی کے لئے اتنی ہی پریشانی ہیں تو خود کیوں نہیں لکھوا دیتیں انہیں؟

" بات تو معقول ہے، یہی عرض کر دیتی ہوں جا کر!"

" بہر حال ناجی کا خط آیا ہے اس پہ آج کل کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے اس لئے فی الحال وہ نہیں آسکتی، شاید پندرہ بیس روز کے بعد آسکے گی۔ کل ہی اس کا خط آیا ہے اس طرح بہت بہت معذرت کی ہے اور سخت شکایت کی ہے کہ میری علالت کی اسے اطلاع کیوں نہیں دی گئی کہ وہ خود آ کر سارا چارج لے لیتی۔ امی سے کہہ دینا واقعی یہ برا ہوا اسے میری علالت کی اطلاع دینی چاہیے تھی۔"

" کہہ دوں گی۔ ویسے سرکار اس زمانے میں حواس باختہ اتنی تھیں کہ انہیں تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ نہ کھانے کا، نہ آرام کا خیال۔

" میں جانتا ہوں، وہ میری ماں ہیں۔ اب تم جا سکتی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں ڈال دیا اور فائل پہ جھک گیا

بوجھل قدموں کے ساتھ ماہ فرخندہ انور کے کمرے سے باہر نکلی۔

اس توہین و تذلیل پہ، جو انور نے اس کے ساتھ روا رکھی تھی وہ سخت ملول تھی۔ اس کی آنکھیں اور وہ خود اپنے وجود سے شرم محسوس کر رہی تھی۔

شروع ہی سے انور کا طرز عمل نخوت کا پہلو لئے ہوئے تھا اور اسے کسی نہ کسی طرح وہ برداشت کر رہی تھی، لیکن " اب تم جا سکتی ہو!"

یہ الفاظ نیزہ و نشتر بن کر اس کے دل پر لگے۔ وہ سوچنے لگی۔

میں اس شخص کی ماں کے اکھڑ طرز عمل کے باوجود اس کی عزت کرتی تھی لیکن کیا ایسا بدتمیز شخص بھی عزت کا مستحق ہو سکتا۔

(ے)

رات کو جب سونے کے لئے وہ بستر پر لیٹی تو رہ رہ کے آج کا واقعہ
یاد آ رہا تھا

سوچ رہی تھی۔
سرکار مجھ سے کتنی محبت کرتی ہیں۔ کتنا خیال رکھتی ہیں میرا، کس
درجہ شفقت و محبت کا سلوک کرتی رہتی ہیں، مجھ سے ان کی یہ باتیں
دیکھ کر — آرے ہے یہی جی میں نہیں عمر بسر کر — "
لیکن یہ کھردرا شخص — ؟
یہ اکھڑ شخص
بدتمیز، ناشائستہ اور بے ڈھنگا شخص۔
اس کا طرز عمل کیا ہے۔

کیا اس طرز عمل کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔
میں نے ماموں کا گھر کیوں چھوڑا ؟
اس لئے کہ وہاں ہر وقت میری تذلیل ہوتی رہتی تھی۔ جس کا برداشت
کرنا بس سے باہر ہو گیا تھا میرے لئے۔
بار پھر حمید منزل ہی میں کیوں رہوں۔

کیا اس لئے کہ یہاں ہر وقت نہایت بے تکلفی کے ساتھ میری توہین اور ذلت ہوتی رہتی ہے۔؟

اموں کے گھر میں جو دکھ ملے تھے، حمید منزل کے سکھ نے کیا مجھے اتنا بے غیرت اور بے حمیت بنا دیا ہے کہ ہنس ہنس کر ذلتیں بھی برداشت کرتی رہوں؟

میں روپے کی بھوکی نہیں زر و مال سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مجھے ہاں صرف ایک چیز کی متمنی ہوں — میٹھے بول۔

جہاں میٹھا بول بھی نہ مل سکے۔ وہاں رہنے سے کیا حاصل؟

جہاں بھی جاؤں گی کام کروں گی، دو روٹیاں کھانے کو اور ایک جوڑا پہننے کو اور کوئی کوٹھڑی رہنے کو مل ہی جائے گی۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ اور چاہیے بھی نہیں۔

تو پھر چھوڑ دوں یہ ملازمت؟

سرکار اجازت دیں گی۔

وہ جب اپنے بیٹے کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں تو مجھ پر ان کا زور کیا چل سکتا ہے۔

کل ہی استعفےٰ دیتی ہوں اور رخصت ہو جاتی ہوں یہاں سے۔

اس خیال سے کچھ اطمینان ہوا، تھوڑی دیر کروٹیں بدلیں اور سو گئی، صبح دیر سے اٹھی۔ بدن ٹوٹ رہا تھا۔ آنکھیں بوجھل تھیں، جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ وہ وضو کر کے اور قضا نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی کہ آمینہ آ گئی۔ اس نے کہا۔

بٹیا آج بہت سوئیں! سرکار نے ناشتے پر بہت انتظار کیا۔ اب خبر بھیجا ہے۔

وہ بولی۔

"— کچھ طبیعت خراب ہے!"

امینہ نے قریب آکر ماتھے پر ہاتھ رکھا، پھر نبض ٹٹولی اور ایک حکیم حاذق کی طرح کہا۔
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
میں کیا جانوں؟ اس سے کیوں نہیں پوچھ لیتیں؟"
"کس سے بیٹی؟"
"بخار سے اور کس سے؟"
وہ بھی ہنسی اور بولی۔
"اچھا پوچھ لوں گی — لیکن تم اب آرام کرو، موسم خراب ہے۔ بے احتیاطی کرو گی تو بخار تیز ہو جائے گا۔ جاتی ہوں سرکار کو بتائے دیتی ہوں۔"
فرخندہ کچھ اور ہی فیصلہ کئے ہوئے تھی۔ اس نے تقریباً خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"میری امینہ، خبردار، سرکار سے کچھ نہ کہنا، وہ بے چاری پریشان ہو جائیں گی۔ ویسے مجھے بھی کونسا کرنا پڑا ہے۔ آج وہ بھی ویسے اگر انہیں بخار کا بہانہ کر کے چلی آؤں گی اور آرام کرتی رہوں گی۔ دن بھر، ویسے اگر انہیں بخار کا پتہ چلا تو وہ خود پریشان ہوں گی۔ اور مجھے بھی پریشان کریں گی۔
(مسکراتے ہوئے) وہ تو تمہیں اتنا چاہتی ہیں کہ سارا گھر سر پہ اٹھا لیں گی۔ اور بھی ایمان کی کہو گی، تم ہو بھی اسی قابل اللہ سلامت رکھے۔
"مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟"
"یہ سرکار سے پوچھو یا مجھ سے!"
سرکار سے پھر پوچھ لوں گی تم بتا دو پہلے!"
"یہ روپ، یہ شرافت یہ انسانیت، ہم نے تو بابا آج تک کسی میں دیکھی نہیں!"
"تم خود کیا کم ہو کسی سے؟"
وہ ہنسنے لگی۔

مجھ بوڑھی میں اب کیا رکھا ہے ؟ ہاں کبھی ہمارا زمانہ بھی تھا!"
فرخندہ کو بھی ہنسی آگئی ۔
" سچ ؟ "
" ہاں بیٹی ، کیا زمانہ تھا۔ گھر سے نکلنا مشکل تھا !"
" ارے —— ! "
" ارے کیا اپنے محلے میں بس میں ہی تھی !"
" تو لوگ عاشق ہوا کرتے تھے تم پر ؟"
کوئی گنتی ہے ان کی — !"
" پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر اٹھتے ہوئے امینہ نے کہا ۔
" اچھا بیٹی تو تھوڑی دیر کو سرکار کے پاس ہو لو، ورنہ وہ خود آجائیں گی۔ پھر آرام کرنا بس آج دن بھر میں چلی!
امینہ چلی گئی فرخندہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے اور اپنا فیصلہ سنانے کی تیاریاں کرنے لگی ۔
بار بار اس کے کانوں میں امینہ کے الفاظ گونج رہے ہیں ۔
" سرکار سارا گھر سر پر اٹھالیں گی !"
وہ سوچنے لگی ۔
واقعی کتنی محبت کرتی ہیں وہ کتنا دکھ ہوگا۔ انہیں میرے جانے کا کس دل سے اجازت دیں گی ۔
اور میں عذر بھی کیا پیش کروں گی ؟
جاتے جاتے ، ماں بیٹے میں اختلاف پیدا کرنا مجھے منظور نہیں ۔
انور صاحب کی شکایت نہیں کروں گی ۔
، کوئی ذاتی عذر پیش کرنا چاہیئے ۔
لیکن وہ ذاتی عذر کیا ہو سکتا ہے ؟"
یہی کہ میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں ۔

لیکن کس کے گھر میں ؟ کون سا گھر ؟"
وہی گھر جہاں سے بھاگ کر میں یہاں آ کر پناہ گزین ہوئی تھی ۔
جہاں کی سفاکیوں اور درندگیوں کے سارے واقعات سرکار کو میں خود
بتا چکی اور ان کی زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل کر چکی ہوں ۔
کیا اسی گھر میں واپس جانا چاہتی ہوں ؟
کیا سرکار میرا عذر قبول کریں گی ۔
کیا مجھے جھوٹا نہیں کریں گے ۔
" پھر ؟
پھر مجھے کیا کرنا چاہیے ؟
" کیا کہنا چاہیے ؟
وہ بھی سوچ رہی تھی کہ دروازے پر آہٹ سی محسوس ہوئی ۔
نظر اٹھا کر دیکھا ۔ انور کھڑا تھا ۔
بجائے اس کے کہ وہ اسے اندر بلاتی ، خود باہر نکلی اور اس سے گفتگو کیے
بغیر لیڈی حمید کے کمرے کی طرف جانے لگی ۔
انور کی تیوریاں چڑھ گئیں ۔ اس نے کہا ۔
" یہ کیا بدتمیزی ہے ؟"
" کیسی بدتمیزی ؟"
میں دروازے پر کھڑا ہوں ۔ اور تم وجہ پوچھے بغیر جا رہی ہو
وہ جھلا کر بولی ۔
" آپ کو مجھ سے کوئی کام ہو سکتا ہے ، مجھے آپ سے کچھ پوچھنے
کی ۔ اس لئے ضرورت نہیں تھی ۔ اور ۔۔ !"
" اور کیا ۔۔ ؟"
" اور یہ بات بھی تہذیب کے خلاف اور شائستگی کے خلاف تھی کہ آپ یوں
دندناتے ہوئے غیر کے کمرے میں گھس آئے ۔

" پھر مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟"
" اجازت لینی چاہیے تھی؟"
" کس سے؟
" جو اس کمرے کا مکین ہے؟"
" اوہ — مجھے تم سے اجازت لے کر حاضر دربار ہونا چاہیے تھا؟"
" بے شک — !"
اس لئے تم نے مجھے اندر نہیں بلایا اور خود باہر نکل آئیں؟"
" جی ہاں — یہ میری تہذیب تھی!"
" معاملہ حد سے بہت آگے بڑھ چکا ہے، پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے
تمہاری یہ روش قطعاً ناقابل برداشت ہے مجھے کوئی سخت اقدام اٹھانا
پڑے گا۔ سخت قدم کیا اٹھائیں گے آپ؟" جو مناسب سمجھوں گا!
نہیں اگر آپ میں شرافت ہے۔ اور آپ کو اپنی عزت کا خیال
ہے تو آپ سخت قدم نہیں اٹھا سکتے! " یہ کیوں؟"
اور پھر جیسے یکایک اسے شدید غصہ آگیا۔ اس نے گرجتے ہوئے کہا
" میں پوچھتا ہوں، یہ تم نے کیا کہا؟"

(۸)

انور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا!

اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ تن بدن سے کانپ رہا تھا۔

جس کا ماں بھی لحاظ کرتی، جس سے گھر والے کانپتے اور ڈرتے تھے جس سے اس کے بے تکلف دوست بھی محتاط رہتے تھے، اس سے گھر کی ایک ملازمہ دو بدو اس طرح کی گفتگو کر رہی تھی۔ اگر وہ بہت زیادہ پڑھا لکھا نہ ہوتا تو شاید ایک عورت پر زندگی میں آج پہلی مرتبہ وہ ہاتھ اٹھا دیتا۔

پھر بھی ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود وہ اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا، آخر ہاتھ پر قابو رکھنے کا کچھ تو ردعمل ہونا چاہیے تھا، اس نے کہا

"تمہاری جرأت اب اس حد تک بڑھ گئی ہے۔ تم شاید مجھے نہیں جانتیں میں کون ہوں۔ اور کیا کر سکتا ہوں؟ گستاخوں کو مزہ چکھانا اور سرکشوں کا سر توڑ دینا مجھے اچھی طرح آتا ہے۔"

" اس وقت فرخندہ بری طرح غصہ سے کانپ رہی تھی، اس نے کہا اور ایسے لوگوں کو جواب باصواب دینا میں بھی جانتی ہوں!"

(چیخ کر کہا)

جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں وہ آپ نے سن لیا۔ اس کا مطلب

نہیں بھی تو سن لیجئے۔ اگر آپ کا مطلب سخت اقدام سے یہ ہے کہ مجھ پر تشدد کریں گے۔ تو بلاشبہ میں پولیس میں اطلاع دے دوں گی۔ آپ نے ذرا بھی تشدد کیا۔ تو ابھی فون کرتی ہوں کہ اس شخص سے مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اور اگر آپ کا مطلب سخت اقدام سے یہ ہے کہ آپ مجھے سرکار سے کہہ کر برخاست کر دیں گے۔۔

تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے، میں نے خود استعفا دینے اور یہاں سے رخصت ہو جانے کا فیصلہ کر لیا ہے"

انور چونک پڑا۔ اس نے باقی تمام باتیں فراموش کر دیں، ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا۔ سوال کیا تو صرف یہ۔

تم نے رخصت ہو جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"جناب ۔"

"تم سرکار کو چھوڑ کر دعوائے محبت کے باوجود چلی جاؤ گی؟"

"ضرور چلی جاؤں گی، محبت اپنی جگہ ہے، عزت اپنی جگہ ہے!

سوالیہ نظروں سے انور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔

"جہاں بھی رہوں گی ان سے محبت کرتی رہوں گی۔ ان کا محبت کا نقش دل پر ایسا ثبت ہے کہ اسے کوئی کھرچ نہیں سکتا، لیکن بے عزت ہو کر یہ گھر تو کیا چیز ہے۔ مجھے جنت میں بھی رہنا منظور نہیں ہے!"

"بے عزت ہو کر؟ اس کا مطلب؟"

کچھ نہیں، وہ مطلب آپ کو سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ویسے عزت افزائی میں آپ نے کون سا دقیقہ اٹھا کر رکھا ہے۔ کل کی عزت افزائی یہ بھی کہ اپنی ماں کے بھیجے ہوئے پیامی سے نہایت درشت اور غیر مہذب لہجہ میں کہہ دیا۔

اب تم جا سکتی ہو!"

حالانکہ میں اس طرح کی بات ایک بھنگی سے بھی نہیں کہہ سکتی!

اور آپ کی عزت افزائی یہ ہے کہ مجھے دھمکی دی جا رہی ہے سخت ا...
ی ہے ؟ حالانکہ میں دھمکی سے خائف نہیں ہو سکتی، میں ٹوٹ سکتی ہوں لچک
نہیں سکتی ۔
ہوں ۔"

"جی ہاں — میں نے کل ہی استعفا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا - اور آج اُسے
پیش کرنے جا رہی ہوں۔ مطمئن رہیے آپ کو سخت اقدام کی ضرورت پیش
نہیں آئے گی ۔

" اور گرامی نے استعفے امنظور نہ کیا ؟"
آنے والے کو تو روکا جا سکتا
ہے ۔ لیکن جانے والے کو کون روک سکتا ہے ؟
" بادشاہ بھی نہیں روک سکتا ۔"
تمہاری تنخواہ کے روپے نوابی کے پاس جمع ہیں، مجھے نہیں یاد کتنے
ہیں ۔ پانچ چھ سو تو ہوں گے ۔ اگر وہ رقم روک لیں اور کہیں کہ چونکہ تم بغیر نوٹس
دئے جا رہی ہو، لہٰذا تمہاری تنخواہ سوخت —!"
بڑے آدمی ہو کر کتنی اونچی باتیں سوچتے ہیں آپ بھی !"
" کیوں کیا وہ تنخواہ نہیں روک سکتیں
تنخواہ کیسی ؟
" تمہاری تنخواہ اور کیا ۔"
" بے شک میں تنخواہ پر بلازم ہو کر یہاں آئی تھی، لیکن سرکار کا برتاؤ دیکھ
کر تیسرے چوتھے دن ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تنخواہ لے کر ان کی
محبت اور اپنے خلوص کی توہین نہیں کروں گی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بارہا
اصرار کیا تنخواہ لوں، لیکن ہمیشہ اسی پر ضد رہی کہ آپ پاس رکھیے ۔ ابھی
تک مجھے کوئی ضرورت نہیں اگر کوئی تو لے لوں گی ۔ اور آج تک میں
نے ایک پیسہ نہ لیا ہے نہ آئندہ لوں گی !"

" گویا تم امی کے لئے یہاں ایک نیا ذریعہ آمدنی پیدا کرنے آئی تھی۔"
"افسوس آپ کے اس طنز کا جواب دینے سے میں معذور ہوں!"
" امی سے استعفے کی وجہ بیان کرو گی
" آپ کو کیا بتاؤں؟
کیا تم ماں بیٹے میں اختلاف پیدا کرنا چاہتی ہو۔
" ہرگز نہیں — میں نہ آپ کا نام لینا چاہتی ہوں نہ ذکر کرنا چاہتی ہوں، کوئی عذر پیش کر دوں گی۔"
" یہ تم نے کیا کہا۔"
" کیا کہا میں نے!"
"کہ تم نہ میرا نام لینا چاہتی ہو، نہ میرا ذکر کرنا چاہتی ہو۔ گویا میں اتنا ذلیل ہوں کہ تم میرا نام بھی زبان پر لانا نہیں چاہتی ہیں۔ اتنا کمینہ ہوں کہ تم میرا ذکر تک کرنا گوارا نہیں کر سکتیں!"
" ہر شخص خود ہی اپنے بارے میں زیادہ صحیح رائے قائم کر سکتا ہے!"
" گویا تم نے تصدیق کر دی کہ میں ذلیل اور کمینہ ہوں!"
" میری تصدیق اور تکذیب سے کیا ہوتا ہے۔ اگر میں سیاہ کو سفید کہہ دوں تو کیا سفید، سفید اور سیاہ نہیں رہے گا۔
یہ ناقابل برداشت توہین ہے!"
" تو نہ برداشت کیجئے۔"
(بلند آواز سے) چپ رہو۔ تم حد سے زیادہ گستاخ اور بدتمیز ہوا"
" جیسے کو تیسا!"
سارے بدن سے انور یہ الفاظ سن کر کانپنے لگا۔ اس نے خونخوار نظروں سے فرخندہ کو دیکھا اور گویا ہوا۔
" کیا کہا تم نے؟"

وہ نہایت اطمینان سے بولی ۔

" جو کچھ میں نے کہا، وہ آپ نے سن بھی لیا اور سمجھ بھی گئے ۔"

" (حد درجہ تلخی کے ساتھ) ہاں سمجھ بھی لوں گا !"

" اب آپ جا سکتے ہیں ۔ مجھے دیر ہو رہی ہے !"

" ایسا معلوم ہوا جیسے انور پر بم کا گولہ پڑ گیا وہ ایک بالشت اچھل پڑا ۔

" تم مجھے نکال رہی ہو ؟"

" دوسروں کو اس برتاؤ پر چراغ پا نہیں ہونا چاہیے جو وہ دوسروں کے ساتھ کرتے رہتے ہیں ۔"

" تم میری برابری کرو گی ؟"

" ہر انسان برابر ہے کم از کم اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں ہے ۔"

میں تمہیں عالم دین نہیں مانتا !

" میں بھی آپ کو ڈکٹیٹر تسلیم نہیں کر سکتی !"

کچھ سوچتے ہوئے انور نے کہا ۔

" اچھا تو جاؤ ، شوق سے اپنا استعفٰے پیش کر دو، امی کے حضور میں لیکن ان سے ایک بات میری بھی کہہ دینا ۔ ان سے کہنا کہ میں کوئی آدمی تلاش نہیں کر سکتا ۔ یہ بھی کہہ دینا کہ نہ میں کسی دوسرے کی گردن کاٹنا چاہتا ہوں ۔ نہ اپنی گردن قلم کرنے پر راضی ہوں ۔ !"

(۹)

فرخندہ لیڈی حمید کے کمرے میں پہنچی تو وہ اپنے کمرے سے باہر نکل رہی تھیں، انہوں نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"بیٹی کہاں رہ گئی تھیں تم؟ — ناشتے پر بھی نہ آئیں، امینہ نے بتایا سو رہی ہو، میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا!"

وہ ادب کے ساتھ گویا ہوئی۔

سرکار رات کو نیند بالکل نہیں آئی، صبح ہوتے ہوتے آنکھ لگی اس لئے دیر تک سوتی رہی!"

تشویش بھرے لہجہ میں لیڈی صاحبہ نے پوچھا۔

"نیند کیوں نہیں آئی؟ اس لئے چہرہ تمتمایا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ڈاکٹر نادرہ مختار کو بلا کر دکھا لو۔"

وہ نیم لب تبسم کے ساتھ گویا ہوئی۔

"نہیں سرکار کوئی ایسی بات نہیں ہے کبھی کبھی ایسا ہو ہی جاتا ہے ویسے میری طبیعت ٹھیک ہے۔"

کچھ مطمئن سی نظر آئیں اس جواب سے پھر کہنے لگیں۔

"نہیں بیٹی آج خان بہادر نقی علی خاں کے ہاں ایک تقریب ہے ان کی

نیم سے میری بچپن کی دوستی ہے کئی فون آ چکے ہیں۔ وہیں جا رہی ہوں، تمہیں بھی ساتھ لے چلتی لیکن تمہاری طبیعت سست ہے لہذا آرام کرو، میں شام تک واپس آجاؤں گی۔ یا شاید رات کا کھانا کھا کر واپس آؤں۔ ذرا انور کا خیال رکھنا اسے جائے کھانا وقت پر مل جائے!"

فرخندہ کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

اس چاؤ، اس محبت اس پیار کا جواب وہ یہ دے رہی تھی کہ اس گھر سے رخصت ہونا پڑ رہا تھا اسے۔

وہ سوچنے لگی، اگر سرکار بیگم علی نقی کے ہاں نہ جا رہی ہوتیں، تو بڑی مشکل پیش آتی، ان کے سامنے کسی طرح بھی میری زبان نہ کھلتی، لیکن اب ایک مختصر سا خط ساری مشکل آسان کر دے گا۔ وہ خان بہادر کے ہاں جائیں گی اور میں اسٹیشن پہ یا جہاں قسمت لے جائے ـــــ

اس نے لیڈی صاحبہ سے کہا

ابھی وہ آئے تھے وہ ایک پیام دے گئے ہیں آپ کو؟"

کون آیا تھا؟ کیا انور"

"جی ہاں ــ"

وہ پیام دے گیا ہے؟"

"جی ـــ"

"کیا پیام ہے وہ؟"

" وہ کہہ رہے تھے آپ سے کہہ دوں۔ وہ کسی کی تلاش نہیں کر سکتے نہ اپنے کسی دوست کی گردن پر تلوار چلا سکتے ہیں۔ نہ اپنا گلا کاٹ سکتے ہیں ــ"

یہ سن کر لیڈی حمید تلملا گئیں۔ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ بڑی دیر تک کچھ سوچتی رہیں ــ

پھر گویا ہوئیں۔

"اس کا مطلب ہے؟"

وہ بولی۔
"اس کا مطلب تو میری سمجھ میں خاک نہیں آیا، یہ تو اچھی خاصی پہیلی ہے میں نے کچھ پوچھنا مناسب بھی نہیں سمجھا، آپ ہی سمجھ سکیں تو سمجھ سکیں۔"
وہ کمزور آواز میں بولیں۔
"ہاں میں سمجھ گئی — گلوکوز!"
"فرخندہ نے جلدی سے گلوکوز پلایا، ذرا دیر کے بعد کچھ طبیعت سنبھلی انہوں نے کہا۔
"ذرا انور کو بلا لاؤ۔"
وہ کہنے لگی۔
"سرکار وہ تو سلطان گنج گئے!"
"کب —؟"
"ابھی تھوڑی دیر ہوئی — اور کہہ گئے ہیں ایک ہفتے کے بعد واپس آئیں گے!"
وہ سلطان گنج گیا ہے؟ مجھ سے بغیر پوچھے، میری اجازت لئے بغیر، خدا گواہ ہے اسے عاق کر دوں گی، اس کی صورت نہیں دیکھوں گا!"
یہ الفاظ سن کر فرخندہ بھی گھبرا گئی اور امینہ بھی پریشان ہو گئی اس نے کہا۔
لیکن سرکار وہ تو جاتے ہی رہتے ہیں۔ یہ نئی بات کون سی ہوئی جو آپ خفا ہو گئیں؟ وہ برافروختہ ہو کر بولیں۔
تو نہیں جانتی امینہ۔ وہ بہت نالائق ہو گیا ہے، اس کی اُس حرکت نے خون کھولا دیا ہے میرا — اب میرا بیگم علی نقی کے ہاں کا بھی جی نہیں چاہتا ہے۔
یہ کہہ کر وہ بیٹھ گئیں۔ کہنے لگیں — دو تین منٹ گزرے ہوں گے کہ بیگم علی نقی خاں خود موجود ہو گئیں۔ کہنے لگی۔

"واہ بھئی واہ خوب آئیں۔ یہ بھی نہ سوچا تم نے کہ تمہاری موجودگی کے بغیر میرے ہاں کوئی تقریب منعقد نہیں ہوسکتی۔ سب مہمان آچکے ہیں۔ صرف تمہارا انتظار ہے۔ اب سوچ کیا رہی ہو چلو اٹھو!"

لیڈی حمید نے کہا۔

"بہن میں تو دیکھئے کپڑے بھی بدل چکی تھی تمہارے ہاں آنے کے لئے لیکن یک بیک طبیعت خراب ہو گئی۔ اس لئے۔"

وہ بے تکلفی کے ساتھ بولیں۔

"مجھ سے نہ اڑو طبیعت ٹھیک ہے بالکل ہمارے ہاں چل کر اور ٹھیک ہو جائے گی۔ وہاں ڈاکٹر نادر بھی موجود ہیں انہیں دکھا لینا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے لیڈی حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے ساتھ لے چلنے پر کمر بستہ ہو گئیں۔

لیڈی حمید بے چاری مزاحمت نہ کر سکیں، چپ چاپ ان کے ساتھ ہو لیں۔ جاتے جاتے انہوں نے امینہ سے کہا۔

"کسی آدمی کو فوراً موٹر پر سلطان گنج بھیجو اور انور سے کہہ دو کہ مجھ سے آکر دو باتیں کر جائے پھر چلا جائے اگر وہ نہ آیا تو خود سلطان گنج جاؤں گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا!"

بیگم علی نقی خاں ہنسنے لگیں۔

"اوہ میں سمجھ گئی، انور سے خفا ہو کس بات پر لیکن اس بات کا برا ماننا کیا، درویش آدمی ہے درویش!"

لیڈی حمید کو بیگم علی نقی خاں کے ہاں گئے ہوئے دس پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ دفعتاً سارے گھر میں دھوم مچ گئی، معلوم ہوا کوئی بڑا معزز مہمان آیا ہے۔ اتنے میں آمینہ آگئی۔ فرخندہ نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے امینہ ۔۔۔ ہا بڑی چہل پہل نظر آرہی ہے!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
ناجی بٹیا آئی ہیں۔ تم سے ملنے آ رہی ہیں — !"
فرخندہ بیٹھی خط لکھ رہی تھی۔ اسے جلدی جلدی ختم کیا، لفافے میں بند کیا اور ناجی کے انتظار میں بیٹھ گئی — دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ ناجی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

" ارے فرخندہ تم ؟"
اور فرخندہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
" نجمی — "
پھر دونوں آگے بڑھیں اور ایک دوسرے سے بڑے تپاک اور گرمجوشی کے ساتھ گلے مل گئیں اور بڑی دیر تک دوسرے کے گلے سے لگی رہیں۔
فرخندہ نے کہا۔
" تو ناجی تمہارا نام ہے ؟"
وہ بولی۔
" نام تو میرا نجمی ہے، مگر پیار سے ممانی جان نے میرا نام ناجی رکھ چھوڑا ہے لہٰذا سارا گھر ناجی کہتا ہے۔ لیکن یہاں کیسے ؟"
وہ کہنے لگی۔
میں تو یہاں بہت دنوں سے ہوں، سرکار کی سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہی ہوں۔"
" اچھا اچھا، تو وہ فرخندہ تم ہو ؟ — ایک مرتبہ بھائی مرزا پور آئے تھے نہوں نے تمہارا نام تو لیا تھا۔ لیکن میں کیا جانوں وہ فرخندہ تم ہو۔"
پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔
بہت اچھا ہوا تم آ گئیں اور جہنم سے نجات مل گئی۔ مجھے تو اس دن سے نفرت ہو گئی ہے سہیلہ سے، پھر میں نے قدم بھی نہیں رکھا وہاں۔
توبہ ہے ایسے درندہ صفت اور انسانیت کش لوگ، خدا بچائے

پھر طبیعت بھرے لہجے میں پوچھا ۔
"یہاں کوئی تکلیف، یا شکایت تو نہیں ہے تمہیں ؟"
وہ بولی ۔
" بھلا جنت میں بھی تکلیف ہو سکتی ہے ؟"
ہنستی ہوئی وہ بولی ۔
" لیکن ہمارے بھائی تو ضرور کبھی کبھی اس جنت کو جہنم بنا دیتے ہوں گے لیکن ان کی کسی بات کا برا نہ ماننا ان کی مثال اخروٹ کی طرح ہے۔ جس طرح ہے جس کا چھلکا فولاد کی طرح سخت ہوتا ہے۔ لیکن گودا ریشم کی طرح نرم اور ملائم ــــ "
پھر اس نے امینہ کی طرف دیکھا اور بولی ۔
" میں نے کہا تھا تاکہ کار تیار کر دو، میں بھی خان بہادر صاحب کے ہاں جاؤں گی ۔ "
" غضب خدا کا میری اتنی پیاری سہیلی ہے ما شدہ، اس کی منگنی ہو اور میں نہ جاؤں ؟" تم بھی کیوں نہیں چلتیں، فرخندہ ۔ "
" مجھے سرکار چھوڑ کر گئے ہیں۔ کچھ کام ہے تم جاؤ ۔ !"
امینہ نے کہا ۔
ایک کار پر میاں (انور) سلطان گنج گئے ہیں۔ دوسری پر منشی جی انہیں بلانے کے لئے گئے ہیں۔ وہیں سلطان گنج !
بے پروائی کے ساتھ بولی
" خیر میں فون کر کے خان بہادر چچا کے ہاں سے کار منگوائے لیتی ہوں جاؤں گی بہر حال ! "
چنانچہ تھوڑی دیر میں کار آگئی اور نجمی خوب بناؤ سنگار کر کے "ٹاٹا" کہتی اور ہاتھ لہراتی رخصت ہو گئی ۔
فرخندہ اسے پہنچانے کے لئے دروازے تک گئی تھی، تو امینہ

آمنا سامنا ہوا۔ امینہ نے اسے تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا۔
"تم نہیں مانو گی؟ بخار ہے تمہیں خدا کے لئے آرام کرو، ورنہ خدانخواستہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی، تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"
وہ مسکراتی ہوئی کہنے لگی۔
"فکر نہ کرو، بڑی سخت جان ہوں، نہ بیمار پڑوں گی۔ فی الحال مرنے کا ارادہ ہے...!"
امینہ نے ڈانٹا۔
"مرنے جینے کا ذکر کرنے لگیں۔ مریں تمہارے دشمن — !"
وہ سنجیدہ تبسم کے بولی۔
"ایسا نہ کہو — میں دشمن کا مرنا بھی نہیں چاہتی، خدا سب کو زندہ سلامت رکھے —"

(۱۰)

دوپہر کے کھانے کے بعد حمید منزل میں عام طور پر سونا پڑ جاتا تھا یا کم از کم سناٹا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ گھر کے لوگ اپنے کمروں میں قیلولہ کے لیے لیٹ جاتے تھے اور ملازمین اپنی اپنی کوٹھڑیوں میں یا کمر سیدھی کرنے لگتے یا گپ شپ یعنی مختلف گھریلو معاملات و مسائل پر تبادلہ خیال۔

ٹھیک اسی وقت فرخندہ نے اپنے وہی دو جوڑے کپڑے جو ساتھ لائی تھی ایک گٹھڑی میں باندھے، آہستہ سے باہر نکلی، اپنے کمرے کا دروازہ اسی طرح بھیڑا کہ معلوم ہو اندر سے بند ہے اور وہ سو رہی ہے پھر دبے پاؤں نیچے اتری، ادھر ادھر چوروں کی طرح دیکھا اور نظروں سے بچتی ہوئی حمید منزل سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے سوچنا شروع کیا کہ کہاں جائے جیب دیکھی تو اس میں چند آنے سے زیادہ نہیں تھے۔ اس رقم میں مرزا پور یا کہیں اور جانا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔

ہسپتال کے دوران قیام میں جمیلہ سے خاصا ربط و ضبط ہو گیا تھا۔ سوچا وہیں چلنا چاہیے۔ اس سے کچھ قرض لے کر اور [illegible] کا رخ کرنا چاہیے۔

موٹر پر تو ہسپتال کا فاصلہ کچھ نہ تھا۔ منٹوں میں آدمی پہنچ جاتا تھا لیکن

بدل جاتا اور وہ بھی اس حالت میں کہ طبیعت ٹھیک نہ ہو اور بخار زور باندھ رہا ہو آسان نہ تھا لیکن ہمت بڑی چیز ہے یہ مشکل اس نے بہر حال آسان کر لی اور گرتی پڑتی جمیلہ کے کوارٹر تک پہنچ گئی۔

اتفاق کی بات تھی جمیلہ موجود نہ تھی، ماما تھی اور کھانا پکا رہی تھی اور فرخندہ کو پہنچانتی نہ تھی کہنے لگی۔

"ارے تم کون ہو کیسے آ گئی اتنے بے وقت میں؟"

وہ بولی۔

تم مجھے نہیں جانتیں، لیکن جمیلہ جانتی ہے مجھے اچھی طرح وہ میری دوست ہے اسے ترقی ملی وہ اب ہیڈ نرس ہے پہلے ایک کمرے میں رہتی تھی اب الگ کوارٹر میں رہتی ہے لیکن مجھے اس نے اطلاع نہیں دی، اس لئے آئی ہوں کہ اس سے زبردستی مٹھائی کھاؤں گی۔

یہ تفصیلات سن کر ماما مطمئن ہو گئی۔ اس نے اس کا کمرہ کھول دیا اور کہا۔

آرام کرو بیٹی، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں وہ آئیں گی آج ان کی چھٹی ہے کسی کام سے گئی ہیں!"

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں فرخندہ اتنی تھک چکی تھی کہ اگر یہ پیش کش نہ ہوتی تو بھی خود فرمائش کر کے کمرہ کھلواتی اور لیٹ جاتی۔

تو وہ اطمینان سے جمیلہ کے بستر پہ چادر اوڑھ کر لیٹ رہی اور بے خبر سو گئی۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد مغرب سے قبل جمیلہ آئی اس نے اپنا کمرہ کھلا ہوا دیکھا تو ماما سے سوال کیا۔

"اسے کس نے کھولا ہے؟"

وہ بولی۔

"تمہاری کوئی سہیلی، مٹھائی کھانے آئی ہیں۔ میں نے تو کبھی دیکھا

نہیں انہیں ۔

جمیلہ اندر آگئی تو کوئی چادر اوڑھے بے خبر سو رہا تھا زور سے چادر کھینچ کر اٹھائی تو فرخندہ ہڑبڑا کر آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھی ۔

فرخندہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھیں ۔ جمیلہ اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی ۔

" او ہو تم ہو ۔ یہ تو میں نے فون پر ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ مجھے ترقی ملی ہے اب میں کمرے کی بجائے کوارٹر میں رہتی ہوں ۔ اور تمہیں مٹھائی کھانے کے لئے کسی دن میرے پاس آنا پڑے گا ۔ لیکن اس طرح اچانک آجاؤ گی یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا ۔ "

ویسے ہی بیٹھے بیٹھے وہ بولی ۔

" تو چلی جاؤں کیا ؟ "

جمیلہ نے اپنایت کے ساتھ کہا ۔

" اب کہاں جاؤ گی ، دو چار دن رہنا پڑے گا ، ہمارے غریب خانے پر ۔ "

یہ دعوت قیام نہ تھی ، دل کی مراد تھی ، جو فرخندہ کو خود بخود مل گئی ، لیکن یک بیک جمیلہ نے فرخندہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ لے کر کہا ۔

" ارے تمہیں تو بڑا تیز بخار ہے ۔ کب سے ہے ؟ "

فرخندہ جواب نہ دے سکی اس نے گردن ڈال دی ۔ بے ہوش ہو گئی ۔

"

(۱۱)

نجمی نے خان بہادر علی نقی کے ہاں، لیڈی کو زیادہ دیر تک ٹھہرنے نہیں دیا، جیسے ہی تقریب ختم ہوئی، اس نے اصرار کرنا شروع کیا۔

چلئے، بس اب ہو گئی شرکت، مجھے فرخندہ یاد آ رہی ہے، بے چاری سے اچھی طرح مل بھی نہ سکی اور چلی آئی، کیا کہتی ہوگی وہ بھی!"

لیڈی حمید کے استفسار پر نجمی نے اپنی اور فرخندہ کی پہلی ملاقات کی ساری داستان بیان کر دی اور پھر ضد کرنے لگی۔

چلئے ممانی جان!

وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

ہاں بیٹی چل میرا بھی دل نہیں لگ رہا ہے۔ آج انور پر مجھے بہت غصہ ہے!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"بھلا بھلائی صاحب بھی ایسی چیز ہیں کہ ان سے خفا ہوا جاسکے وہ ٹھہرے ملنگ آدمی، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں!"

لیڈی حمید کو غصہ آگیا کہنے لگے۔

"کیسے چھوڑ دوں؟ کیوں چھوڑ دوں؟ کیا میں گھوڑے سے اٹھا لائی تھی؟ نو مہینے پیٹ میں رکھا ہے کیسی کیسی تکلیفیں اور راذنیں سہی ہیں، اس

نے کیسی کیسی جائز اور ناجائز ضدیں پوری کی ہیں، اس کو شہزادی کی طرح پالا پوسا ہے اسے خونِ جگر سے اس کی پرورش کی ہے اسے خونِ جگر سے اس کی پرورش کی ہے، اسے اس حال پر کیسے چھوڑ دوں؟ اس کی بغاوت برداشت کر لوں؟

نجمی نے ممانی صاحب کے یہ تیور کبھی نہ دیکھے تھے۔ گھبرا کر کہنے لگی۔

"بغاوت؟ بھائی صاحب بغاوت کر سکتے ہیں بھلا آپ سے؟ ویسے یہ ٹھیک ہے کہ بغاوت ان کی فطرت میں داخل ہے وہ دنیا کے ہر اصول اور رواج کے باغی ہیں۔"

لیڈی حمید نے تجھڑکتے ہوئے کہا۔

چپ رہ لڑکی میرے سامنے اس نالائق کی وکالت کرنے چلی!!"

وہ سہم کر بولی۔

نہیں ممانی جان میں نے ایک بات کی تھی۔

وہ ترشی سے ہم کلام ہوئیں۔

"میں تو ترشی سننا نہیں چاہتی!"

بے چاری خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد بیگم تلی نقی خان سے اجازت لے کر وہ حمید منزل کی طرف روانہ ہوئی وہ اس وقت اتنی برافروختہ نظر آ رہی تھیں کہ مزید بات چیت کی نجمی کی ہمت نہیں پڑی وہ دل میں سوچنے لگی، واہ بھئی یہ اچھی بات رہی، گئے تھے نماز بخشوانے، الٹے روزے گلے پڑ گئے تھے۔

سلیم پور آئی اس لئے تھی کہ چند دن، ہسپتال اور مریضوں کی بک بک جھک سے الگ خوشی اور مسرت کے ساتھ بسر ہوں گے۔ یہاں ممانی جان بیکر غضب نظر آ رہی ہیں۔ دیکھنا چاہیئے گا بھائی صاحب کے آنے کے بعد کیا گل کھلتا ہے وہ بھی ہیں ایک اکھڑ مزاج، کہیں ایسا ویسا جواب دیا، تو کیا ہو گا۔ اس وقت اختر بھی نہیں ہے ورنہ وہ بڑی بگڑی خوبی سے

بنا لیتا۔ اس کا اثر بھائی پر بھی ہے۔ ہاں پر بھی، روتوں کو ہنسا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، میں تو ان دونوں کی لڑائی میں پس جاؤں گی

لیڈی حمید نجمی سے کوئی انچ کے فاصلے پر الگ تھلگ سی بیٹھی تھیں اور نہ جانے کیا سوچ رہی تھیں۔ لیکن یہ ظاہر تھا کہ بہت زیادہ خفا ہیں۔ حد سے زیادہ برہم ہیں اس سمے اگر بھائی صاحب نظر کے سامنے آ گئے تو نہ جانے کیا ہو جائے گا۔

دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی۔

یا اللہ اس وقت، بھائی جان اور ممانی جان کا آمنا سامنا نہ ہو، جب ممانی جان کا غصہ اتر جائے تب مڈبھیڑ ہو دونوں کی۔

دفعتہ لیڈی حمید نے ڈرائیور سے کہا۔

"چیونٹی کی چال کیوں چل رہے ہو۔ تیز چلو۔"

ڈرائیور کو ہمیشہ تاکید رہتی تھی کہ چیونٹی کی چال کار کو چلایا کرے۔ لیکن آج اسے برق رفتاری کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس نئی بات نے نجمی کو بھی حیران کر دیا اور ڈرائیور کو بھی۔ لیکن اس نے چال تیز کر دی۔

(۱۲)

پورٹیکو میں کار آکر ٹھہری اور لیڈی حمید اپنے شبستان راحت میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر جلال برس رہا تھا امینہ ساتھ ساتھ حاضر ہوئی اس نے دریافت کیا۔

"کیا انور آیا ہے"

وہ ڈرتے ڈرتے کہنے لگی۔

"ابھی تک تو نہیں آئے سرکار!"

لیڈی حمید نے کہا۔

"جاؤ فرخندہ کو بلا لاؤ"

وہ جان بچی لاکھوں پائے کا دل ہی دل میں ورد کرتی ہوئی فرخندہ کے کمرے کی طرف آئی۔

اتنے میں موٹر کے ہارن کی آواز آئی، نجمی نے کہا۔

شاید بھائی صاحب آگئے۔

لیڈی حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ذرا دیر میں انور اندر داخل ہوا، نجمی کو دیکھتے ہی خوش ہو گیا۔

"ارے تم کب آئی نجمی؟"

وہ بولی۔

بھائی صاحب آج ہی آئی ہوں!"

"خیریت تو ہے؟ کیسے بھول پڑیں؟"

"آپ نے یاد نہیں کیا، میں خود ہی بے غیرت بن کر چلی آئی۔ کیا کیا جائے بہنوں کو بے غیرت بننا ہی پڑتا ہے، اپنی محبت کے باعث"

انور نے ایک قہقہہ لگایا۔

باتیں خوب کرنا آگئی ہیں لڑکی تجھے

وہ کہنے لگی۔

"لیجئے اب سچی بات کہنا بھی مشکل ہو گیا۔ اچھا غلطی ہوئی جو آگئی، آج واپس چلی جاؤں گی!"

انور نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ذرا جا کر تو دیکھو"

لیڈی حمید اب تک خاموش تھیں، ان دونوں کی باتوں میں انہوں نے کسی طرح کی مداخلت نہیں کی لیکن دفعتہً انہوں نے انور سے کہا۔

"تجھے میں نے بلایا تھا یا نجمی نے"

انداز تخاطب سے انور کو چوکنا کر دیا، جن باتوں کو یہاں سے جانے کے بعد اس نے فراموش کر دینے کی کوشش کی تھی، وہ ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔ جب منشی جی نے سلطان گنج پہنچ کر اسے طلبی کا پیام دیا تھا تو یا تھا اسی وقت کھٹکا تھا۔

لیکن اس نے کچھ اہمیت نہیں دی تھی۔ خیال تھا شاید امی جان کا کیا ٹھیک، ادھر اختلاج ہوا۔ اُدھر انور یاد آیا۔

لیکن اس گھر میں بہت کچھ پوشیدہ تھا۔ وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ اسی نے کہا۔

"آپ نے بلایا تھا امی جان!"

لیڈی حمید نے تیز اور تند نظروں سے گھورا اور کہنے لگیں۔

"تو نے کوئی پیام بھجوایا تھا مجھے فرخندہ کے ہاتھ؟"
وہ مسکرانے لگا
"لیڈی صاحبہ واقعی وہ پیام آپ تک پہنچ گیا"
لیڈی صاحبہ نے اور زیادہ تلخ لہجہ میں پوچھا
"تو کیا تو نے مذاق کیا تھا؟"
وہ ہنستا ہوا بولا۔
"جی ہاں اور کیا!"
لیڈی حمید کہنے لگیں۔
"بازی بازی باریش بابا ہم بازی — تو مجھ سے مذاق کرتا ہے؟ اپنی ماں سے۔ اب تیری ہمت اتنی بڑھ گئی ہے۔"
یہ تیور اور یہ انداز انور کے لیے بالکل نیا تھا۔ پھر اس نے بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"جس نے پیام آپ تک پہنچایا ہے۔ وہ خود تو بالکل نہیں سمجھ سکا ہو گا کہ میرا مطلب کیا ہے۔
لیڈی حمید نے جواب دیا۔
"وہ پہیلی میرے لیے تھی، میں تو سمجھ گئی۔
انور نے پھر ہنسی میں بات ٹالنے کی کوشش کی۔
"نہیں امی آپ بھی نہیں سمجھیں!"
پھر وہ مسکراتا ہوا بولا
"نکتہ برطرف تھا ایک انداز جنون وہ بھی"
بیگم اب تک معاملے کی نوعیت نہیں سمجھ سکی تھی۔ لیکن اس فضا کو جلد از جلد ختم کرنا ہے جس نے ایک گھٹن سی پیدا کر دی تھی۔ وہ انور کے ساتھ ہنسنے لگی اور گویا ہوئی۔
"دیکھئے ممانی جان میں نہ کہتی تھی۔ بھائی صاحب ملنگ ہیں ملنگ۔ ان

سے خفا ہونا اور ان کی کسی بات پر اعتراض کرنا بے کار ہے!"

انور نے تحسین آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا

"کچھ جو سمجھا ہے میرے شکوے کو رضوان سمجھا۔ بس دنیا میں اگر کسی نے واقعی مجھے سمجھا ہے تو وہ تم ہو۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گھبرائی گھبرائی ایک لفافہ ہاتھ میں لئے امینہ آئی اور اس نے کہا

"وہ تو نہیں ہیں سرکار۔ سارا گھر چھان مارا میں نے کہیں بھی نہیں ہیں ان کے کپڑے جو ساتھ تھے وہ بھی نہیں ہیں"

---

(۱۳)

ایسا معلوم ہوا، جیسے کسی نے لیڈی حمید کی جان نکال لی ہے، انہوں نے کلیجہ پہ ہاتھ رکھا اور اُسے دباتے ہوئے امینہ سے کہا۔

"تو نے کیا کہا؟ — فرخندہ گھر میں نہیں ہے۔؟"

وہ سہمے ہوئے انداز میں رو بولی۔

"نہیں ہیں سرکار۔"

"تو کہاں ہے میری بچی!"

"کچھ پتہ نہیں چلتا سرکار وہ یہاں ہمارے اس شہر میں تو کوئی ان کی جان پہچان کا بھی نہیں ہے۔"

امینہ کے یہ الفاظ سن کر نجمی بھی گھبرا گئی تھی اور انور کا یہ حال تھا جیسے کسی نے پچکاری سے اس کا سارا خون نکال لیا ہے نہ اسے اپنے کانوں پر یقین آ رہا تھا۔ نہ حواس پر۔"

یکایک لیڈی حمید نے تڑپ کر اس سے سوال کیا۔

کہاں گئی فرخندہ۔

وہ ڈرتا ڈرتا گویا ہوا۔

"امی میں نہیں جانتا صرف اتنا جانتا ہوں جب میں سلطان گھر دیکھتا ہوا

تھا، تب وہ یہاں تھی ۔

" کیا بیری ان سے کچھ باتیں ہوئی تھیں ؟"

کچھ تامل کے بعد اس نے کہا ۔

" جی ہاں ۔ "

کیا تو نے اُسے کچھ سست کہا ۔

وہ انکار نہ کر سکا ۔

" جی ہاں کچھ نرم گرم باتیں بھی ہوئی تھیں ۔ "

دو قدم آگے بڑھ کر لیڈی حمید نے پوری طاقت سے اپنے بوڑھے کمزور اور لرزتے ہوئے ہاتھ کا بھرپور طمانچہ انور کے منہ پر لگایا پانچوں انگلیاں بن گئیں ۔ یہ حملہ اتنا بے سان و گمان اور اس درجہ زوردار ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا، گرتے گرتے بچا اور خود لیڈی حمید کا یہ حال ہوا کہ اگر نجمی سنبھال نہ لے تو اپنے زور کے جھونک میں پختہ فرش پر سر کے بل دھڑام سے گر پڑتیں ۔

انہوں نے زندگی میں پہلی بار انور پر ہاتھ اٹھایا اور اپنی قوت صرف کر دی تھی ۔ ان بوڑھے ہاتھوں میں بھی ۔ وہ دم تھا کہ انور میاں جیسے لحیم شحیم آدمی کو دن میں تارے نظر آنے لگے ۔

انور جس کے رعب اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ جس نے سارا گھر اور گھر کے باہر کے لوگ بھی خائف اور سہمے ہوئے رہتے تھے ۔ ماں کے ہاتھوں سے پٹ کر ایک مجرم کی طرف چپ چاپ کھڑا تھا ۔

نجمی نے اماں سے پوچھا

" یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے ؟ "

وہ بولی ۔

کوئی خط ہے ۔ نہ جانے کس کا ہے ؟ وہاں میز پر رکھا تھا ۔

انور نے خط لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا ۔ لیکن لیڈی نے کہا

"خبردار ــ!
پھر نجمی سے کہا۔
"دیکھو کس کا خط ہے اور کیا لکھا ہے؟"
نجمی نے خط پڑھنا شروع کیا۔ پڑھ کر پھر لفافے میں رکھ لیا اور کہنے لگی۔
"فرخندہ کا خط ہے۔"
لیڈی حمید اٹھ کر بیٹھ گئی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر پاؤں پھیلاتی ہوئی کمزور اور نحیف آواز میں آہستہ سے کہنے لگیں۔
"گلوکوز ــ"
وہ جلدی سے گلوکوز کا ایک گلاس بنا لائی اسے انہوں نے ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔ نجمی نے بڑے پیار سے پوچھا۔
"کیسی طبیعت ہے ممانی جان؟"
وہ بولیں۔
"بے حیا ہوں کہ زندہ ہوں!"
پھر فرمایا۔
"خط میں کیا لکھا ہے سناؤ!"
وہ بولی۔
اس نے استعفے پیش کیا ہے۔
بگڑتی ہوئی لیڈی حمید کہنے لگیں۔
"پورا خط سناؤ"
نجمی نے کچھ تامل کے بعد لفافے سے خط نکالا اور پڑھنا شروع کر دیا

سرکار عالیہ

میں ایک بدقسمت ان لوگوں میں سے ہوں کہ جہنم سے جنت میں آکر پھر جہنم واپس جانے پر مجبور رہوں، جنت مجھے راس نہیں

آسکی۔ شاید میرے لیئے جہنم ہی مقدر ہو چکی ہے اور بندہ مقدرات کے معاملے میں بے بس اور مجبور ہے اللہ کی مرضی سے کون بغاوت کر سکتا ہے۔

اس مدت میں جو میں نے یہاں گزاری ہے، آپ کا نقش میرے دل ناتواں پر قائم ہو گیا ہے جو انمٹ ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا، آپ کی محبت اور شفقت میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے اور اس پونجی کو جان سے زیادہ رکھوں گی۔

میں کیوں جا رہی ہوں؟ یہ سوال ضرور آپ کے دل میں پیدا ہو گا لیکن اس کا جواب سچ پوچھئے تو میرے پاس بھی نہیں ہے شاید مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہے شاید یہی جنون ایک مرتبہ مجھے در در کی ٹھوکریں کھلوائے گی۔ کھاؤں گی۔ اور اس کے سوا کر بھی کیا سکتی ہوں۔ مجھے کسی سے شکایت نہیں ہے میں اس کے گھر کے ہر فرد کی ممنون ہوں!

آپ سے دور لیکن ہمیشہ آپ کی

فرخندہ

۱۴

لیڈی حمید پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہوں نے انور کی طرف
گھور کر دیکھا اور دیوانوں کی طرح بڑبڑانے لگیں۔

"ضرور یہ تیری حرکت ہے قطعاً تو نے اسے یہاں سے رخصت ہو جانے
پر مجبور کر دیا۔"

انور اپنے آپ کو واقعی مجرم سمجھ رہا تھا۔ مجرم کی طرح خاموش کھڑا رہا
لیڈی حمید نے دیوانوں کے سے جوش و خروش کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

"تو نے یہ پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ مجھے بہت زیادہ چاہتا ہے
زیادہ چاہتا ہے۔ لیکن نجمی اور امینہ تو بھی گواہ رہنا۔ میرا قاتل میرا لڑکا
ہے وہ لڑکا جو مجھے سب زیادہ چاہا کرتا تھا۔"

نجمی نے لیڈی حمید کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ بولی۔

"ممانی جان ایسا نہ کہئے۔ بھلا کہیں یہ اندھیر بھی ممکن ہے!"

وہ کہنے لگیں۔

"بیٹی اسی دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے۔ خیر مجھے زندگی کی ہوس بھی نہیں ہے
اور رخشندہ کے بعد تو زندہ رہنا جرم ہے!"

نجمی بے قرار ہو کر بولی۔
کروں گی!

وہ پھر زور زور سے سانس لینے لگیں۔ جیسے سانس اکھڑ رہا ہو۔ نجمی نے پھر جلدی سے گلوکوز کا ایک گلاس بنایا اور بڑے پیار سے کہا۔
"قدموں پڑتی ہوئی ممانی جان، خدا کے لئے اپنے اوپر اتنا ظلم نہ کیجئے دو گھونٹ پی لیں!"
"کیوں پی لوں؟ کیا اس لئے کہ توانائی آجائے؟ کیا اس لئے کہ زندہ رہ سکوں؟"

وہ بولی۔
"جی — !"
اور بڑی بیگم نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔
"نہیں — مجھے زندگی نہیں چاہیئے۔ فرخندہ کو کھو کر مر جانا چاہتی ہوں اولاد سے بوڑھی ماں کو سکھ ملتا ہے۔ مجھ بوڑھی کمزور اور بیمار ماں کو اولاد کی طرف سے جو سکھ مل رہا ہے وہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ہٹاؤ یہ گلاس میں نہیں پیتی ایک گھونٹ بھی!"
نجمی نے بڑی بیگم کے قدموں پہ سر رکھ دیا۔
"خدا کے لئے ضد نہ کیجئے۔ میں وعدہ کرتی ہوں، جس طرح بھی بن پڑے گا۔ فرخندہ کو ڈھونڈھ نکالوں گی۔ آخر وہ جا کر کہاں سکتی ہے ملک چھوڑ کر تو نہیں روپوش ہو سکتی، میں اس کی تلاش میں خود شہر شہر گھوموں گی آدمی دوڑاؤں گی۔ اخبارات میں اشتہار دوں گی، پیر صاحب سے تعویز حاصل کروں گی، درگاہوں پر جا کر دعا کروں گی، منت مانوں گی۔ وہ مل گئی تو سو نفروں کو کھانا کھلاؤں گی۔
خدا کی قسم ممانی جان، اگر میرے دم میں دم ہے تو میں ضرور فرخندہ کا کھوج لگالوں گی۔ مجھے تھوڑا سا موقع تو دیں۔"
انور نے نجمی سے مخاطب ہو کر کہا۔
"میں تم سے پہلے اسے تلاش کروں گا۔

پھر اس نے بھی ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہنے لگا۔

"امی اب وہ بات کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ جو مرتے دم تک کوئی مجھ سے نہیں قبول کرا سکتا تھا۔"

لیڈی حمید نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ لیکن سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہ سلسلہ کلام جاری رکھتا ہوا بولا۔

"امی — میں فرخندہ سے محبت کرتا ہوں۔ اسی دن سے محبت کرتا ہوں۔ جب پہلے پہل میں نے اسے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ اس دن سے محبت کرتا ہوں جب پہلے پہل اس گھر میں اس نے قدم رکھا تھا۔ مجھے اپنے اوپر ناز تھا کہ میرا دل کوئی نہیں جیت سکتا۔ لیکن فرخندہ نے اسے پہلی نظر میں فتح کر لیا۔ میں بالکل کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں ہتھیار ڈال سکتا ہوں۔ لیکن میں بالکل کہتا ہوں۔ امی یقین کیجیے۔ میں تلاش کروں گا۔ ورنہ اپنی جان دے دوں گا۔ اور آپ جانتی ہیں۔ انور جھوٹ نہیں بول سکتا جو کہتا ہے وہ کرتا ہے۔"

لیڈی حمید نے گلاس نجمی کے ہاتھ سے لے لیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگیں۔

---

(۱۵)

فرخندہ کی گمشدگی کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ انور اس کی تلاش میں زمین کا گز بنا ہوا تھا۔ لیڈی حمید کو چپ لگی ہوئی تھی۔ نہ وہ منہ سے بولتی تھیں نہ سر سے کھیلتی تھیں۔ کھاتی پہلے ہی کونسا ایسا زیادہ تھیں۔ اب تو دو لقمے بھی مشکل سے بچی کی زبردستی یا انور کے اصرار سے کھا لیتی تھیں۔

انور سے انہوں نے بول چال بالکل بند کر رکھی تھی، بچی کی سفارش اور منت سماجت اور خود انور کے ہاتھ پاؤں جوڑنے کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اگر کوئی بات پوچھا تھا تو مختصر سا جواب بے رخی کے ساتھ دے دیتی تھیں
ایک روز بچی نے کہا۔
"ممانی جان اتنا ظلم تو نہ کیجئے بھائی صاحب پر!"
وہ تیوری چڑھا کر بولیں۔
"ظلم میں نے کیا یا ہیں نے ؟"
"لیکن اب تلافی بھی تو زور شور سے کر رہے ہیں!"
"لیکن کیا فائدہ؟ گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر!"
"نہیں ممانی جان، ایسا نہیں ہے میں نے اندازہ کر لیا ہے واقعی انہیں فرخندہ سے بے پناہ محبت ہے۔"
"جھوٹا ہے!"
اُسے تو ان کے دشمن بھی مانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولتے ہی گردن پر کوئی

چھری رکھ دے، تب بھی ان کی زبان سے غلط بات نہیں نکل سکتی!"
لیڈی حمید نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ کہنے لگی۔
"بے چارے کی حالت نہیں دیکھی جاتی، نہ کھانے کا ہوش ہے نہ سونے کی فکر، دن رات، بس اسی فکر میں غرق رہتے ہیں، صبح ہوئی، موٹر لی اور دنیا جہاں کی خاک چھاننے لگے۔ فرخندہ کی تلاش میں ویسے بھی وہ کون سے فیشن کے قائل تھے۔ لیکن اب تو ایسی حالت بنالی ہے، جیسے جیل سے بھاگا ہوا قیدی مجھے تو ترس آتا ہے بے چارے پر!"
"اگر وہ واقعی وہ اس سے محبت کرتا ہے تو اس نے ایسا طرز عمل کیوں اختیار کیا کہ وہ تنگ آکر چلی گئی۔
"ممانی جان ہر شخص کا مزاج جدا ہوتا ہے طبیعت الگ ہوتی ہے وہ ہیں۔ اسی طرح کے ناقابل فہم سے آدمی کریں گے محبت، معلوم یہ ہو نفرت کر رہے ہیں۔ جان دے دیں گے۔ لیکن اظہار محبت نہیں کریں گے۔ محبت بے انتہا کریں گے۔ لیکن کیا مجال ہے کہ جو کوئی ایسی بات کہیں یا جس سے محبت جھلکتی ہو!
" یہ دیوانگی ہے یا نہیں؟"
"ضرور ہے۔ لیکن حلف لے لیجئے، وہ فرخندہ سے بے انتہا محبت کرتے
بتاؤں کل میں نے کیا دیکھا چوری چوری۔؟
اشتیاق کے ساتھ لیکن بے پروائی کا اظہار کرتی ہوئی کہنے لگیں۔
"تو کیا بتائے گی؟"
وہ کہنے لگی۔"
"کسی کام سے کل میں اس کمرے میں گئی، جہاں بھائی صاحب کام کرتے ہیں، یوں ہی نہ جانے کیوں میرا ہاتھ ان کی میز کی دراز تک پہنچا اور اسے کھول لیا۔ اور اسے دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔
"کیوں کوئی عجائب خانہ رکھا ہوا تھا اس میں؟"
وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"ہاں ممانی جان واقعی عجائب خانہ تھا - فرخندہ کی کئی تصویریں !"
"فرخندہ کی تصویریں — ؟
"جی —"
"یہ اس کے پاس کہاں سے آئیں ؟ اس نے خود تو کبھی کوئی تصویر کھنچوائی نہیں
"جی بھائی صاحب نے اپنے دست مبارک سے کھینچی ہیں، ہر تصویر پر تاریخ درج ہے اور تاریخ کے ساتھ کوئی اچھا سا بچتا ہوا شعر بھی !"
"لیکن یہ تصویریں کس وقت کھینچ لیں اس نے ؟ — وہ تو اس سے بات بھی نہیں کرتا تھا "
"یہ تو کمال ہے - اس طرح چوری چوری یہ تصویریں کھینچیں کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا -
وہ غم اور غصے کے لہجے میں کہنے لگیں -
"ان باتوں پر مجھے اور زیادہ غصہ آتا ہے -
"کیوں ممانی جان — کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کہ وہ فرخندہ سے محبت کرتے ہیں ؟
"سوال یہ ہے کہ اگر وہ محبت کرتا تھا تو محبت ہی کرتا، نفرت، بیزاری اور طرح طرح خانی کے اظہار کی کیا ضرورت تھی ؟"
" (ہنستے ہوئے) یہ تو ان کی ادا ہے ممانی جان !"
"پہلی مرتبہ لیڈی حمید کے ہونٹ ذرا سے تبسم سے آشنا ہوئے کہنے لگیں
"جی ہاں — کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری ! — وہ بیچاری نہ جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہی ہوگی . اور صاحبزادے شان دکھاتے ہیں لگے ہوئے تھے - اس نے اگر ذرا شرافت کا برتاؤ کیا ہوتا — کہاں بھاگنی تھی سچ کہتی ہوں - وہ مجھے بہت چاہتی تھی - میری محبت تو جوابی تھی وہ کسی قیمت پر مجھے چھوڑ کر نہیں - اس نے میری وہ خدمت کی ہے کہ کیا سگی اولاد کرے گی -
اور پھر کچھ سوچتی ہوئی بولیں -

"اور کیا صرف میری ہی؟ — یہ نمک حرام اور احسان فراموش، اب سے دو دن جب بیمار پڑا ہے، تو اس نے نرس کو طلاق پر بٹھا دیا اور دن رات اس کی خدمت کرتی رہی۔ اس کے پیشاب کا برتن تک اس نے اپنے ہاتھ سے میرے منع کرنے کے باوجود صاف کیا ہے!"

"ہاں — کہتے تھے — یا"

"کیا کہتا تھا؟"

"یہی جو آپ بیان کر رہی ہیں اور جب یہ واقعہ بیان کر رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔"

وہ تلخی کے ساتھ بولی۔

"آنسو — مگرمچھ کے آنسو!"

نجمی نے حیرت کے ساتھ لیڈی حمید کو دیکھا اور کہنے لگی۔

"ممانی جان آپ فرخندہ کو اتنا زیادہ چاہتی ہیں کہ اپنے دلارے اور محبوب بیٹے تک کو داؤں پر لگائے دے رہی ہیں"

وہ منہ سے کچھ نہ بولیں، لیکن آنسو نہ روک سکی۔

(۱۶)

انور اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ امینہ آئی اور اس نے کہا۔

"کھانا تیار ہے!"

وہ بولا۔

مجھے بھوک نہیں ہے اس وقت ذرا بھی!"

امینہ نے خوشامد کرتے ہوئے کہا

"دو ہی لقمے کھا لو بیٹے — !"

"نہیں۔"

امینہ کہنے لگی۔

"تو کیا جان دے دو گے اس طرح؟"

وہ کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی۔

نہ جانے وہ بے چاری زندہ ہے یا نہیں؟

انور نے چونکا ہو کر پوچھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو — اس کا مطلب؟"

وہ بولی۔

"جس روز وہ گئی ہے اس کی طبیعت خراب تھی —!"

(بے قرار ہو کر) کیا کہا طبیعت خراب تھی؟

ہاں— بخار تھا اُسے میں نے پوچھا تو کہنے لگی رات بھر نیند نہیں آئی بدن ٹوٹ رہا تھا۔ میں نے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور نبض دیکھی تو اچھا خاصا بخار تھا۔

میں نے کہا موسم خراب ہے کہیں زیادہ خراب ہو جائے۔ آرام کرو کہنے لگی ذرا سرکار کے پاس ہو آؤں پھر آکر لیٹ رہوں گی، میں چلی آئی، میں نے راستے میں دیکھا تم اس طرف جا رہے تھے شاید تم سے کچھ باتیں ہوئی ہوں گی تھوڑی دیر کے بعد وہ سرکار کے پاس آئی وہ خان بہادر صاحب کے ہاں جا رہی تھیں وہ چلی گئیں۔ تو میں اس کمرے میں گئی، وہ میز پر بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"تم نہیں مانو گی!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"بھلا تمہارا کہنا نہ مانوں گی۔ لو کام ختم!"

اتنے میں بچی بیٹا آگئیں۔ وہ اس سے ملنے بھی آئیں دونوں میں پرانی جان پہچان تھی، ذرا دیر تک خوب گھل مل کے باتیں ہوئیں۔ پھر نہ جانے انہیں کیا خیال آیا، خود بھی خان بہادر کے ہاں چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد میں نے پھر آرام کی تاکید کی کیونکہ بخار اب پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ وہ جھلا کر کہنے لگی۔

"تم ٹلو بھی تو کسی طرح آرام کیسے کروں؟"

"میں چلی آئی، میں نے خیال کیا بخار کی جھونک میں ایسی بات کہہ رہی ہے ورنہ اس نے تو کبھی کڑوے بول نہیں بولے۔ مجھے کیا معلوم کہ گھر سے رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔"

جب سرکار بیگم علی نقی کے ہاں سے آئیں اور اُسے بلوایا تو معلوم ہوا کہ وہ چلی گئی۔"

انور بہت توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا پھر کہنے لگا۔

"تو بخار کی حالت میں یہاں سے گئی؟ ... میں جب اس سے باتیں کر رہا

تھا۔ تب بھی وہ بخار میں مبتلا تھا۔ ہاں یاد آیا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں
اور چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔"

امینہ نے کہا۔

"یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں بیٹے۔"

انور کو غصہ آگیا اس نے کہا۔

تم نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ شاید وہ ہسپتال میں ہوا۔

جیت

(۱)

فرخندہ کو اعصابی بخار تھا پہلے ہی انجکشن نے اثر دکھایا اور اس کی طبیعت کسی قدر بحال ہو گئی۔ چند روز کے بعد بالکل ٹھیک ہو گئی۔ ایک دن جمیلہ نے اُسے ٹانک کی خوراک پلاتے ہوئے کہا۔

آخر تم کیسے آ گئیں ؟ وہ بھی اس بخار میں !"

وہ بولی۔

" چند روز تمہارے پاس رہوں گی۔ پھر جدھر منہ اُٹھے گا۔ چلی جاؤں گی۔"

جمیلہ کو فرخندہ کے سبھاؤ سے بہت پیار ہو گیا تھا۔ ہسپتال میں جتنے دن وہ رہی اس کے اثرات و نقوش اب تک جمیلہ کے دل پر قائم تھے وہ اس کے لئے بہن کی کسک محسوس کرنے لگی تھی اور جب فرخندہ نے رو رو کے اپنی سرگزشت از ادل تا آخر یعنی ماں کے مرنے سے لے کر لیڈی حمید کے گھر سے رخصت ہونے تک کی بیان کی۔ تب تو اس کا کلیجہ پھٹ گیا۔ فرخندہ تو صرف سسکیاں لے رہی تھی۔ لیکن جمیلہ زیادہ جذباتی تھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

" مجھے ڈھائی سو روپیہ تنخواہ ملتی ہے کچھ اوپر سے بھی آمدنی ہو جاتی ہے میرے

ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہے کوئی بہن بھائی ہے نہیں آج سے تم میری بہن بھی ہو اور بیٹی بھی، بس کہیں تم نہیں جا سکتیں ۔

اور پھر انور کا ذکر کرتی ہوئی بولی

میری تو اس جنگلی کے متعلق پہلے ہی کچھ رائے اچھی نہیں تھی، ورنہ تم ہی تھیں جو اس کی شرافت اور انسانیت کے گن گا رہی تھیں، محبت کا تعلق تو صورت شکل سے کچھ زیادہ نہیں ہوتا میرے خیال میں تم اس بھیانک شخص سے لگاؤ محسوس کرنے لگی تھیں اور اگر وہ ذرا بھی لفٹ دیتا تو محبت بھی کرنے لگتیں اور اگر ایسا ہوتا تو وہ ۔۔ تمہاری زندگی اجیرن کر دیتا!"

پھر کچھ سوچتی ہوئی کہنے لگی ۔

" مور دغا باز نہیں کہ مل گیا تو ایسے لتے لوں گی کہ یاد ہی تو کرے گا۔

فرخندہ نے اسے روکتے ہوئے کہا ۔

تم تو میرے جوش محبت میں نہ جانے کیا کیا کہہ گئیں، میں کس کس بات کا جواب دوں ! " وہ تکتی ہوئی بولی ۔

" مجھے کوئی جواب نہیں چاہیے!"

وہ بولی ۔

" بہرحال اس طرز عمل کے باوجود میری رائے انور صاحب کے بارے میں اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی ۔"

" یعنی ۔۔"

" ہاں کبھی، جھوٹ کیوں بولوں، باقی یہ سچ ہے کہ میرے ساتھ ان کا برتاؤ شروع سے وحشیانہ رہا ہے لیکن میں نے تب کسر اٹھا رکھی نہ ترکی بترکی جواب دینے میں حساب کتاب برابر رہا ۔۔"

" تم اب تک اس کے گن گائے جا رہی ہو کیوں ۔؟"

وہ بولی ۔

وہ میرے کون لگتے ہیں جو گن گائے گی خواہ مخواہ، البتہ جو بات ہے وہ

ضرور کہوں گی، انہوں نے میری توہین کی۔ میں نے بدلہ لے لیا۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔

"وہ کیا؟"

"سرکار بہت یاد آتی ہیں!"

"پھر جانا چاہتی ہو شاید وہاں؟"

"ہرگز نہیں کسی وقت بھی نہیں، جس گھر میں انور صاحب تشریف فرما ہوں میں ایک پل کے لئے نہیں رہ سکتی، لیکن سرکار کا احسان بھی زندگی بھر نہیں بھول سکتی، ان کی شفقتیں، عنایتیں ایسی نہیں ہیں جنہیں کوئی انسان بھلا سکے۔"

"تو فون کر کے بتا دوں کہ تم یہاں ہو۔"

"پھر وہی احمقانہ باتیں۔ سرکار اگر یاد آتی ہیں تو اس کے معنی کہاں سے لئے تم نے کہ میں پھر وہاں جانا اور رہنا چاہتی ہوں۔ اگر تم نے فون کیا یا انہیں کسی طرح خبر ہوئی تو فوراً یہاں سے رخصت ہو جاؤں گی!"

وہ بڑے دبدبے کے ساتھ بولی۔

"اگر جانے دیا۔"

فرخندہ ہنسنے لگی اور گویا ہوئی

"تو کیا تم نے مجھے قید کر لیا ہے"

وہ بولی۔

"یہی سمجھو!"

فرخندہ نے کہا۔

"جی تو نہیں چاہتا تمہیں چھوڑنے کا لیکن یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تم پر اپنا بار ڈال دوں۔!"

وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

"بار کیسا؟ میرے اوپر کسی کا بار نہیں ہے، جو میری تنخواہ اور آمدنی ہے وہ ہم دونوں کے لئے بہت کافی ہے۔"

کچھ سوچتی ہوئی فرخندہ بولی
" بھی! یہ میں نہیں گوارا کر سکتی! البتہ ایک طرح ممکن ہے!"
" وہ کیا، کہہ ڈالو جلدی سے!"
مجھے بھی نرسنگ کا فن سکھا دو!"
" نرس بنو گی تم؟"
" تو کیا ہوا؟ ۔ تم نہیں ہو؟ بلکہ اب ہیڈ نرس ہو۔
ذرا دیر تک جمیلہ غور کرتی رہی، پھر اس نے کہا۔
" بہر حال میں تمہیں اپنے سے جدا نہیں کر سکتی اگر تمہاری یہی شرط ہے تو مجھے منظور ہے۔
فرخندہ خوش ہو گئی اس نے کہا۔
" تم نے واقعی بہن ہونے کا حق ادا کر دیا!
اتنے میں ہارن کی آواز آئی، پھر دروازے پر دستک ہوئی، ماما نے دروازہ کھولا۔ اور ایک خوش شکل اور خوش پوش نوجوان اندر داخل ہوا فرخندہ کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ وہیں دروازے پر کھڑے کھڑے اس نے کہا۔
" آپا نے آج کھانے پر بلایا ہے تمہیں ۔"
وہ بولی!
" میں نہیں آ سکتی ۔ میرے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں!"
" مہمان کی بھی دعوت کی ہے ۔"
" ہمارا مہمان کسی دوسرے کا مہمان نہیں بن سکتا!"
" تو پھر یہاں کھانا حاضر کر دیا جائے گا ۔!"
پھر جاتے جاتے اس نے کہا ۔
" اگر تم نہ آئیں تو آپا روٹھ جائیں گے، لاکھ مناؤ گی۔ مگر وہ ملنے سے رہیں!
دونوں میں یہ باتیں بڑے دلچسپ اور بے تکلفانہ انداز میں ہوئیں۔ اس کے جانے کے بعد فرخندہ نے اُس سے پوچھا ۔

"کون تھے یہ ذات شریف؟ باتیں تو اس طرح کر رہے تھے، جیسے نہ جانے کب کے مراسم ہوں!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"یہ خان بہادر علی تقی خان کے صاحبزادے ہیں، ان کی بہن میری مریض ہیں!"

"اور اب یہ مریض ہو گئے ہیں؟"

وہ ہنستی ہوئی کہنے لگی۔

"ہاں۔ لیکن یہ انور کی طرح مردم کش احسان فراموش احسان فراموش اور غدار نہیں ہے۔ اس میں محبت ہے۔ وہ دکھاوے انسانیت ہے میرا اس کا جوڑ کیا؟ یہ امیر ابن امیر، میں غریب قلاش، مفلس، لیکن واقعی محبت کرتا ہے اور شادی پر تلا ہوا ہے اس کی بہن میری سچی دوست ہے وہ مجھے راضی کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ دل و جان سے۔"

"تو کیا تم راضی نہیں ہو۔"

"دل سے تو ہزار جان سے راضی ہوں، لیکن ذرا آزما رہی ہوں!۔"

"سچ کہنا کیسا تھا؟"

"انور صاحب سے بھی بُرا۔ دونوں ہنسنے لگیں۔

(۲)

اس واقعہ کے دوسرے دن جمیلہ کی ماما جو کھانا پکانے اور گھر صاف رکھنے پر مامور تھی، تین روز کی رخصت پر چلی گئی اور اپنی ایک عزیزہ کو قائم مقام کے طور پر رکھ گئی۔ جمیلہ کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اس نے بات مان لی۔

نئی ماما آئی اور کام پر لگ گئی، فرخندہ نے نوٹس بھی نہیں لیا، صبح کو دونوں ناشتے کے انتظار میں بیٹھی تھیں کہ نئی ماما ناشتے کی ٹرے لے کر حاضر ہوئی۔ فرخندہ اخبار پڑھ رہی تھی۔ جمیلہ سن رہی تھی، دفعتہً بڑے زور کا چھنکا کا ہوا ماما کے ہاتھ سے ٹرے گر پڑی تھی، ناشتہ فرش پر بکھر گیا تھا اور برتن چکنا چور ہو گئے۔

یہ دھماکہ سن کر دونوں چونک پڑیں۔ جمیلہ نے بگڑ کر کہا۔

یہ کیا کیا۔؟

لیکن فرخندہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور زینب بوا کہہ کر اس کے گلے سے لپٹ گئی۔

دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، فرخندہ نے کہا۔

"تم یہاں کیسے؟"

وہ بولی۔

"میں خود تمہیں دیکھ کر حیران رہ گئی!"

جمیلہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگیں۔
اچھا بھائی تم دونوں اطمینان سے راز و نیاز کی باتیں کر لو۔ ہم تو چلے!"
فرخندہ نے پوچھا۔
"اور ناشتہ؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
"خدا کانٹین کو سلامت رکھے، ناشتہ بہت!"
وہ اپنی ڈیوٹی پر چلی گئی۔
اس کے جانے کے بعد دونوں میں باتیں ہونے لگیں، فرخندہ نے اپنی ساری سرگزشت از اول تا آخر سنا دی وہ روتی جاتی تھی اور فرخندہ کی داستان درد سنتی جاتی تھی، اپنی کہانی سنا چکنے کے بعد فرخندہ نے زینب سے کہا
تم بھی تو اپنی سنا چکنے کے بعد فرخندہ نے زینب سے کہا۔
"تم بھی تو اپنی کہو۔
وہ بولی۔
"بیٹی میں کیا کہوں؟ عائشہ کے برتاؤ نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیے تھے تم پر جو ظلم ہو رہے تھے انہیں نہ میں روک سکتی تھی نہ برداشت کر سکتی تھی۔ لہذا چلی گئی۔"
"لیکن کہاں؟ تمہارا تو کوئی تھا ہی نہیں؟"
"خدا تو تھا۔ جاوید منزل سے نکل کر ایک اور صاحب کے ملازم ہو گئی وہ پولیس میں ملازم ہیں، جانے کیا عہدہ ہیں۔ ہوگا کوئی خدا معلوم کیا بات ہے ان کی اپنے افسروں سے بنتی نہ تھی، آج یہاں تبادلہ ہو گیا، کل وہاں کا اس طرح وہ سلیم پور آگئے، اب پھر ان کے تبادلے کے احکام آ گئے اور دوسرے کسی اور شہر چلے گئے بڑا اصرار کر رہے تھے کہ میں بھی ساتھ چلوں، لیکن اب جی اُکتا گیا ہے، دنیں دیس گھومنے سے ساری زندگی محنت کی، اب کسی کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں گی۔ خدا کے فضل سے اتنا پاس جمع ہے کہ دال روٹی کھا کر گزر کروں

گی، خدا کے فضل و کرم سے اتنا پاس ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤں
گی، تمہارے یہاں جو بابا نوکر تھا اس کا گھر ہمارے پولیس افسر صاحب کے
بنگلے کے قریب تھا۔ یاد اللہ تھی، خوشامد کرنے لگی۔ تو تین دن کے لئے آ گئی
اس کی ماں بڑی اچھی عورت ہے کہتی تمہیں رہو۔

فرخندہ نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"وہاں نہیں یہاں رہو۔"

وہ بولی۔

"اب تم جہاں ہو وہاں ہیں۔ لیکن واہ میرے مولا کا کیا کہنا ہے۔ تیرا
واقعی بیر ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

فرخندہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی پھر گویا ہوئی۔

یہ کیا کہنے لگی بوا۔

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔

"غرور کا سر نیچا۔"

"لیکن ہوا کیا؟"

"وہی جو ایسے لوگوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے سلمیٰ بیگم کو ہیضہ ہوا وہ دنیا سے
رخصت ہو گئیں۔ ارشاد نے دوسری شادی کر لی سہیلہ کی ایک امیر کبیر سے
شادی ہو گئی۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ساس بہو میں چلنے لگی۔ نہ جانے "
نے زہر دے دیا یا واقعی کچھ گڑبڑ ہو گئی، مرا ہوا بچہ پیدا ہوا، سارے
بدن میں زہر پھیل گیا، وہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئی۔"

"ہائے — یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"ہاں بیٹی اور میاں سہیل!"

"کیا انہیں بھی کچھ ہو گیا؟"

"کیسے نہ ہوتا!"

وہ موئے ٹھیکے دار کی لڑکی بیاہ لائے اس لڑکی نے گھر میں آتے ہی صفایا

کر دیا۔ ساری دولت سنبھالی۔ جائداد اپنے نام لکھوا لی اور شوہر کو اپنے ساتھ لے کر میکے جا کر رہنے لگی۔

"تو — ؟"

"لیکن جوئے کی لت، بری ہوتی ہے ماشاءاللہ داماد اور سسر دونوں اوّل درجے کے جواری، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ساری دولت ختم، دیوالیہ نکل گیا۔ بیوی نے آنکھیں دکھائیں، سسر نے نظر بدلی، جیب خالی، کریں کیا آؤ دیکھا نہ تاؤ، پستول اٹھایا دھائیں۔ بیوی خون میں لت پت گری اور ختم، پھر دھائیں اور سسر صاحب تیزی سے بھاگے لیکن پیٹھ پہ گولی لگی۔ اور آہ کر کے وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ایک مرتبہ پھر دھائیں، اور وہ جوان جہان لڑکا تیورا ہو کر گرا اور ایڑیاں رگڑتا ہوا ختم ہو گیا۔"

"کون ختم ہو گیا!"

"سہیل اور کون — بیوی کی جان لی، سسر مارا اور خودکشی کر لی۔"

فرخندہ رونے لگی۔ اس نے کہا۔

"ہائے غضب۔ سارا گھر تباہ ہو گیا — !"

وہ بغیر کسی تاثر کے بولی۔

"ہاں بیٹی یہی ہوتا ہے!"

"ظلم کی کھیتی کبھی نہیں پھلتی
ناؤ کاغذ کی کبھی نہیں چلتی

"ظلم کی کھیتی سوکھ گئی، کاغذ کی ناؤ بیٹھ گئی، بڑی عبرت ہوتی ہے

"لیکن بوا، ممانی جان کہاں ہیں؟ ان کا کیا حال ہے؟"

"وہ بولی!

بہت برا بیٹی — سوکھ کر چمرخ ہو گئی ہیں لیکن ہیں سخت جان، بیٹی کا غم سہا، بیٹے کی نالائقی اور طوطا چشمی برداشت کی، پھر اس کی موت کا گھاؤ بھی جھیل گئیں۔ زندہ ہیں لیکن مردے سے بدتر، بیمار رہتی ہیں، نہ چلا جاتا ہے

.. نہ بیٹھا جاتا ہے ہر وقت پڑی رہتی ہیں اور اپنے گناہوں
کا ماتم کرتی رہتی ہیں۔ نہ جانے زندہ بھی ہیں یا اللہ کو پیاری ہوگئیں۔"

"یہ واقعہ کب کا ہے؟"

"ہوگئے ہوں کوئی دو مہینے۔ شاید دس پانچ دن زیادہ ہو گئے ہوں۔

"ہوں!"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"اس واقعہ کے چند دن بعد ہمارے پولیس آفیسر صاحب دورے پر مرزا پور گئے ہوئے تھے، مع بال بچوں کے میں بھی ساتھ ایک دن راستے میں امجد مل گیا تھا، اس نے بتایا تھا، رہا نہ گیا اس کے ساتھ عائشہ سے ملنے گئی وہ محلوں میں رہنے والی عورت اب معمولی سی کوٹھڑی میں رہ رہی ہے جس کا کرایہ سات روپیہ مہینہ ہے جاوید منزل تو نیلام پر چڑھ گئی میرے آنسو نکل آئے میں نے پوچھا"

"گزر کیسے ہوتی ہے؟"

منہ سے کچھ نہ کہا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا دیا اور رونے لگیں، یعنی اللہ کسی نہ کسی طرح کام چلا ہی دیتا ہے۔

باہر آئی تو میرے پاس پچاس روپے تھے وہ امجد کے حوالے کئے کہ دوا دارو کا خیال رکھے۔ جاوید کے ایک دوست ہیں وہ پابندی سے تیس روپے دے رہے ہیں۔ لیکن تیس روپے مہینہ سے کیا ہوتا ہے اس زمانے میں؟ امجد کہیں اور نوکر ہے صبح و شام آکر خبر لے جاتا ہے۔"

فرخندہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ اس نے کہا۔

"بوا اب میں یہاں نہیں رہ سکتی!"

"کیا کرو گی بیٹی؟"

"مرزا پور جاؤں گی۔ وہاں کوئی ملازمت تلاش کروں گی، ممانی جان کی خدمت کروں گی۔ انہیں خیرات کے ٹکڑوں پر نہیں پلنے دوں گی کچھ بھی ہو۔ وہ میرے ماموں کی بیوی ہے میرا فرض ہے کہ میں ان کی خدمت کروں۔"

زینب حیرت سے فرخندہ کو دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔
یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔ ؟
وہ بولی۔
ہاں بوا، میں اپنا فرض ضرور ادا کروں گی!"
ڈیوٹی سے جمیلہ واپس آئی تو فرخندہ مرزاپور جانے کے لئے پا بہ رکاب تھی۔ اس نے سارا واقعہ اسے بتا دیا اور کہا۔
"میں اب ایک پل یہاں نہیں رہ سکتی، تم سو روپے مجھے قرض دے دو انشاءاللہ جلد ادا کر دوں گی!"
جمیلہ نے سمجھ لیا۔ یہ اس وقت کسی کا کہا نہیں مانے گی۔ اس نے سو روپے کے بجائے پانچ سو دیئے اور کہا۔
"بحث نہ کرو، لے لو، میرا تمہارا معاملہ ایک ہے جب واپس کرو گی لے لوں گی۔ لیکن وہاں نہ جانے کیا ضرورت پیش آئے اس کے بعد بھی ضرورت ہو تو بے تکلف منگا لینا۔ اور خط برابر لکھتی رہنا۔"

(۵)

فرخندہ کو مرزا پور گئے ہوئے دو دن ہو چکے تھے۔
جمیلہ بیٹھی اس کو یاد کر رہی تھی کہ منظہر اپنی بہن زہرا کے ساتھ وارد ہوا۔
وہی خان بہادر علی نقی کا لڑکا۔
ان دونوں کو دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے جمیلہ فرخندہ کو بھول گئی زہرا نے آتے ہی فرمائش کی۔
"بھئی گھر کی چائے چھوڑ کر آئے ہیں ذرا جلدی بند و بست کریں۔"
منظہر نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔
"ہم چائے پینے نہیں کافی پیتے ہیں۔ ہمیں کافی چاہیے۔"
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
یہ ہوٹل نہیں ہے جہاں فرمائشی چیزیں ملا کرتی ہیں۔
پھر جلدی سے وہ اٹھی اور بڑے اہتمام کے ساتھ مع لوازمات کے چائے تیار کر لائی۔
چائے کا دور چلا۔
زہرا نے کہا۔
"بھئی جمیلہ منہ میٹھا کراؤ تو ایک خوشخبری سنائیں۔"
جمیلہ نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

اپنی پیالی میں دو کے بجائے دس چمچے شکر کے ڈال لو منہ میٹھا ہو جائے گا۔"
زہرا ہنسنے لگی۔ جمیلہ نے کہا۔
" آج تم بہت خوش دکھائی دے رہی ہو، کیا بات ہوئی ہے۔"
وہ بولی۔
بھئی آج بہت بڑا معرکہ سر کیا ہے ہم بھائی بہن نے!"
جمیلہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی، وہ بولی۔
ضدی بیٹے کے سامنے آخر یا بہروت باپ کو ہتھیار ڈال دینا پڑے۔"
جمیلہ سمجھ تو گئی، لیکن بظاہر نہیں سمجھی۔ کہنے لگی۔
" وہ کس سلسلے میں؟"
زہرا نے چھیڑتے ہوئے کہا۔
" وہ کس سلسلے میں؟" اب اتنی نادان نہ بنو۔ ارے بھائی ابا جان نے تمہیں اپنی بہو بنانا منظور کر لیا ہے۔
" جمیلہ چپ ہو گئی، زہرا نے چھیڑا۔"
" چپ کیوں ہو گئیں۔ حالانکہ دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔"
زیر لب تبسم کے ساتھ جمیلہ نے کہا۔
" وہ کوئی اور لوگ ہوتے ہوں گے۔
زہرا نے کہا۔
" وہ تم ہو۔ جس کا نام جمیلہ ہے اور جو ہمارے بھائی منظر کی بیوی بننے والی ہے!"
منظر نے ٹوکا۔
" اور جو کبھی منظر سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی، اگرچہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے!"
جمیلہ اب بھی خاموش
" کیوں بھئی سچ؟"

وہ خفا ہوتی ہوئی بولی۔

" اب سنو گی کچھ میرے منہ سے !

منظہر پھر بول پڑا

" نیکی اور پوچھ پوچھ، اس روز ہماری آپا (زہرا) تمہارے گانے کی تعریف بھی بہت کر رہی تھیں۔ ضرور سناؤ، ہم گوش برآوازہ ہیں ۔"

منظہر اور زہرا میں صرف ایک سال کی چھوٹائی بڑائی تھی اس لئے دونوں بہت زیادہ بے تکلف تھے۔

زہرا نے منظہر کو جھڑکتے ہوئے کہا۔

" تو نہیں چھیڑے گا۔ ہاں جمیلہ تو پھر کب منگنی کی رسم ہونی چاہیے ؟"

منظہر نے پھر مداخلت کی۔

" یہ منگنی کیا چیز ہوتی ہے۔"

وہ بولی۔

" تمہارا مطلب تو شاید یہ ہے کہ جھٹ منگنی پٹ بیاہ — !"

وہ کہنے لگی۔

" نہیں بھائی جھٹ منگنی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا صرف پٹ بیاہ !"

جمیلہ نے اکتائے ہوئے لہجہ میں زہرا سے کہا۔

" بھئی دنیا کی کچھ اور باتیں بھی ہیں کرنے کی دہی گھسی پٹی باتیں

" مجھے سخت کوفت ہوتی ہے۔ ان خواہ مخواہ کی رول تول باتوں سے ۔"

منظہر نے زہرا سے کہا۔

تم تو سینما کا پروگرام بنا کر آئی تھیں، یہیں جم کر بیٹھ رہیں۔

زہرا کو جیسے بھولی ہوئی بات یاد آگئی، کہنے لگی

" ہاں بھئی بڑا دلچسپ پروگرام ہے ذرا شاہی بارہ دری کی طرف چلتے ہیں !

جمیلہ نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی جمیلہ

نے ماما سے کہا۔
" دیکھنا تو یہی کون ہے ؟"
" وہ بولی کوئی صاحب ہیں انور وہ آئے ہیں، کہتے ہیں بڑا ضروری کام ہے — ان کے ساتھ ایک لڑکی ہے ۔"
جمیلہ سوچنے لگی، پھر بولی ۔
" انور کون ؟ میں سمجھ گئی — میں سمجھ گئی۔ ضرور لیڈی حمید کے فرزند ارجمند ہیں"
زہرا نے کہا۔
" تو پھر وہ لڑکی نجمی ہوگی — چلو منظہر چلیں، ہو چکی سیر!"
منظہر سوچ ہی رہا تھا کہ چلے یا بیٹھے کہ جمیلہ نے کہا۔
" اب گھر پر آئے ہیں تو ملنا ہی پڑے گا۔"
منظہر اُٹھ کھڑا ہوا۔
" اچھا ابھی سے نکالتی کیوں ہو، ہم خود چلے جاتے ہیں، اتنے بڑے لوگ جب حاضری دیں تو ہماری پوچھ کہاں ہو سکتی ہے ۔"
جمیلہ روٹھ گئی ۔
" مجھے اس طرح کی باتیں اچھی نہیں لگتیں!"
منظہر نے کہا۔
" ہمیں تو ہر طرح کی باتیں اچھی لگتی ہیں ۔ بشرطیکہ وہ تمہاری ہوں ، یا تمہارے بارے میں ہوں!"

زہرا اُٹھ کھڑی ہوئی اور وہ مسکراتی ہوئی بولی ۔
اب بیٹھنا کسی طرح مناسب نہیں نہ جانے لوگ کیوں آئے ہیں ، اور کیا کہنا چاہتے ہیں!" — آؤ چلو۔
یہ دونوں باہر نکلے تو دیکھا، انور اور نجمی اپنی شان دار کار میں اجازت کے منتظر بیٹھے ہیں۔ جمیلہ دونوں کو باہر تک پہنچانے آئی تھی ۔ انسے اور زہرا اور منظہر کو دیکھ کر کار سے اتر آئے ۔

انور نے مظہر سے سوال کیا۔

"تم یہاں کہاں؟"

وہ نہایت سادگی سے پوچھا۔

"کیوں جناب کیا صرف آپ ہی بیمار پڑ سکتے ہیں، ہیں نہیں پڑ سکتا؟"

اس جواب پر انور کے سوا سب ہی ہنس پڑے۔

زہرا اور مظہر کے جانے کے بعد، جمیلہ نے انور اور نجمی سے خوش اخلاقی سے کہا۔

آیئے تشریف لایئے یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔؟

دونوں جمیلہ کی پیشوائی میں اندر آ گئے۔

(۶)

جمیلہ نے ایک مرتبہ پھر چائے کا اہتمام کرنا چاہا لیکن انور نے روک دیا۔

"مس جمیلہ تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔"

جمیلہ ویسے ہی کون سی خوش تھی، حضرت انور سے۔ اس انداز میں گفتگو کے بعد اس نے بھی چائے کا خیال چھوڑ دیا اور کہنے لگی۔

"فرمایئے کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟"

انور نے کہا۔

"کیا یہاں فرخندہ آئی تھی۔؟"

انور کے منہ سے فرخندہ کا نام سن کر جمیلہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"نہ آپ کو مجھ سے یہ سوال کرنے کا حق ہے نہ میں جواب دینے پر مجبور ہوں۔"

ہسپتال کی جمیلہ اور اس جمیلہ میں کتنا زمین آسمان کا فرق تھا۔ لیکن اس جواب سے اس نے سمجھ لیا کہ فرخندہ اب یہاں ہو یا نہ ہو، لیکن جمیلہ اس کا حال جانتی ہے۔ اس نے بگڑ کر کہا

"آپ کو اس سوال کا جواب دینا پڑے گا۔"

وہ بھی بگڑ کر کہہ رہا ہوئی۔

"اگر آپ تہذیب سے بات نہیں کر سکتے تو آپ کے لئے بہتر یہ تھا کہ یہاں

تک آنے کی زحمت نہ گوارا کرتے اور اب بھی وقت ہے مناسب یہی ہے
کہ تشریف لے جائیں آپ ---!"
نجمی نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر لی۔ اس نے انور سے کہا۔
" بھائی صاحب آپ خاموش بیٹھئے، عورتوں سے عورتیں ہی اچھی طرح باتیں
کر سکتی ہیں!"
انور خاموش ہو گیا۔ لیکن چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ حد درجہ مشتعل اور برہم
ہے۔
پھر وہ جمیلہ سے مخاطب ہوئی۔
" بہن تمہاری صورت دیکھ کر تو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا، کہ تمہارا دل اتنا
سخت ہو سکتا ہے"
جمیلہ نے جواب میں کہا۔
" آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ آپ ابھی قیافہ شناس نہیں ہیں!"
نجمی نے اس طنز کو شہد کے گھونٹ کی طرح پی لیا اور اسی میٹھے انداز میں کہا
" مجھے اپنی قیافہ شناسی پر ناز ہے میرا قیافہ ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔
لیکن اس وقت کس وجہ سے خفا ہو ہم چلے جاتے، پھر کسی وقت آجاتے
" لیکن بہن فرخندہ کے حالات اگر معلوم نہ ہوتے تو کئی آدمیوں کا خون تمہاری گردن
پر ہو گا۔"
جمیلہ کی تیوریاں اب تک چڑھی ہوئی تھیں وہ کہنے لگی۔
" جو لوگ خود ظالم، قاتل اور درندہ صفت ہیں۔ ان کے خون سے مجھے ہمدردی
کیوں ہو، کل کے مرتے آج مر جائیں!"
اور پھر روہانسی آواز میں کہنے لگی۔
" وہ نیک شریف اور پیاری لڑکی، جس پر دشمنوں کو بھی ترس آئے بھوکی
پیاسی جنگلوں میں لت پت کئی میل پاؤں پاؤں چل کر یہاں آئی۔ مگر یہاں نہ پہنچ
تو ضرور مر جاتی، ذرا بتانا تو سہی، اس کا خون کس کی گردن پر ہوتا۔؟

نجمی نے بڑے ٹھنڈے لہجہ میں کہا۔
"ہے ری گردن پر — لیکن اب وہ کیسی ہے ؟"
آخر آپ اس کے بارے میں کرید کیوں ہو رہی ہے ؟ زندہ ہے تو کسی کو کیا مر گئی۔ تو کسی سے کیا ؟
نجمی نے اور زیادہ ملائم لہجہ میں کہا۔
"نہیں میری بہن ایسا نہ کہو، فرخندہ کی زندگی سے کئی لوگوں کی زندگی وابستہ ہے اور اسے خدانہ خواستہ کچھ ہو گیا، یا وہ نہ ملی تو حمید منزل اجڑ جائے گی۔
جمیلہ نے طنز سے بھرپور لہجہ میں کہا۔
حمید منزل اجڑ جائے گی ؟ — وہاں کون اس کا ماتم کرنے والا ہے۔ یاد کرنے والا - اس سے محبت کرنے والا بیٹھا ہے حمید منزل میں تو رونق آ گئی ہو گئی اس کے چلے آنے سے !"
ایسا نہ کہوں ؟ کیا دن کو دن اور رات کو رات نہ کہوں ؟ سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید نہ کہوں آخر تم چاہتی کیا ہو۔!"
پہلے صرف ایک بات کا جواب دو — اب وہ کیسی ہے ؟"
کچھ تامل کے بعد جمیلہ نے بتایا۔
"اچھی ہے !"
"اب اسے بخار تو نہیں ہے ؟"
"نہیں !"
"کمزور تو بہت ہو گئی ہو گی ؟"
"ہاں ہے لیکن بیماری کے ساتھ کمزوری بھی گئی !"
نجمی نے خوش ہو کر انور سے کہا۔
بھائی صاحب مبارک، ہماری فرخندہ زندہ ہے تندرست ہے !"
پھر بڑے خوشامدانہ لہجہ میں جمیلہ سے کہنے لگی۔
"میری بہن ایک بات، بس صرف ایک بات اور بتا دو !"

انور سے جمیلہ جس قدر برہم تھی نجمی کے طرزِ عمل نے رفتہ رفتہ اتنا ہی اس سے مانوس کر دیا تھا کہنے لگی۔

"کیا پوچھنا چاہتی ہو؟

"اب، وہ کہاں ہے؟

"یہ میں نہیں بتاؤں گی!"

"کیوں آخر اس میں تمہارا کیا نقصان ہے۔"

"بہت بڑا نقصان ہے میری عزیز بہن — !"

"مجھے بھی تو معلوم ہو اس نقصان کی کیفیت!"

"جب سے وہ گئی ہے ممانی جان، یعنی لیڈی حمید کا حال ابتر ہے وہ اسے اولاد کی طرح چاہتی تھیں۔ وہ اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں — !"

"ہاں مجھے معلوم ہوا ہے فرخندہ ہمیشہ ان کا ذکر نہایت عظمت، احترام اور محبت کے ساتھ کیا کرتی تھی۔ !"

"وہ اس کے فراق میں ادھ موئی ہوئی جا رہی ہیں کھانا چھوٹ گیا، نیند غائب ہو گئی۔ حد درجہ کمزور ہو گئی ہیں۔ اگر یہی لیل و نہار رہے اگر چند روز اور فرخندہ نہ ملی تو ان کا خدا حافظ!"

لیڈی حمید کی یہ کیفیت سن کر اس کا دل پسیجا، لیکن انور کو سامنے دیکھ کر پھر وہ مشتعل ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"مجھے لیڈی حمید سے ہمدردی تھی۔ ان کا یہ حال سن کر میرا دل کراہ رہا ہے کاش میں ان کی مدد کر سکتی! — "

"کیوں، تم مدد کرنے سے مجبور کیوں ہو!"

"اس لئے کہ لیڈی حمید اتنی بے پناہ محبت کرنے کے باوجود اُسے ظلم سے نہیں بچا سکیں، آخر کار وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی — پھر اب اگر وہ فرخندہ کو پالیں، فرخندہ ان کو مل تو جائیں کیا وہ اسے ننگ انسانیت مظالم

سے کس طرح بچا سکیں گی ؟ پہلے وہ بھاگ جانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اب وہ مر جانے پر مجبور ہو جائیں گی۔"

انور کا چہرہ سرخ ہو گیا یہ الفاظ سن کر، لیکن فرخندہ کی تحقیق احوال کا جذبہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ کڑوی کسیلی باتیں سنتا رہے اور دم نہ مارے اس نے یہی کیا، نجمی نے جس طرح گفتگو کا آغاز کیا تھا اور جس نہج پر گفتگو کو لیے جا رہی تھی۔ اس سے امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جمیلہ سے فرخندہ کے بارے میں تمام ضروری معلومات حاصل کر سکنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

نجمی نے کہا۔

"جب اس کی زندگی سے حمید منزل کی زندگی وابستہ ہے تو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ہدف بنے اور مجبور ہو جائے مرنے پر۔۔۔؟"

"لیکن اب تک کیا ہوتا رہا ہے۔"

"اب تک ؟ بھائی صاحب، آپ موٹر میں بیٹھے جا کر، مجھے اور مس جمیلہ کو یکسوئی کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے دیں۔

انور خاموشی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

(۷)

جمیلہ کی ڈانٹ کھا کر جس طرح انور خاموش ہوا اور نجمی کے کہنے سے جس طرح چپ چاپ وہ باہر چلا گیا۔ یہ بات جمیلہ کے لئے بڑی حیرت انگیز تھی، وہ کہنے لگی۔

" ان حضرات کو کیا ہوا ہے "

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

" عشق ــــ "

اسی طرح بے ساختہ جمیلہ کو ہنسی آگئی، اس نے کہا۔

" عشق ؟ انور صاحب کو ؟ فرخندہ سے ــــ ؟

نجمی نے اقرار میں گردن ہلائی۔

جمیلہ ہنسنے لگی۔ اس نے کہا۔

" اس سے اچھا اور دلچسپ لطیفہ آج تک میں نے نہیں سنا ــــ اگر تم مجھ سے یہ کہتیں کہ فرخندہ کو اس وحشی شخص سے لگاؤ ہے۔ تو میں مان لیتی۔"

" کیوں مان لیتیں ــ"

" میرا اندازہ کچھ ایسا ہی ــ اس نے ان حضرات کی بلندی کردار اور خوبی سیرت اور انسانیت نوازی کے وہ جھنڈے گاڑھ رکھے ہیں کہ سن سن کر اور

ان عضرات کو دیکھ دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ اب کہ وہ نیم جان حالت میں یہاں آئی تھی۔ اب بھی نہ وہ ان کی برائی سننا پسند کرتی ہے نہ خود برائی کراتی ہے بلکہ تعریف کا جو پہلو بھی ملتا ہے۔ اسے شاعرانہ مبالغہ سے بیان کرتی ہے۔

نجمی بے ساختہ جمیلہ کے ساتھ چمٹ گئی۔ اس نے کہا۔

"سچ کہتی ہو۔"

وہ بولی ۔

"ہمیشہ ۔"

نجمی نے کہا۔

"تو پھر اب اس وحشی کی کہانی بھی سن لو۔"

اور پھر اس نے سارا ماجرا از اوّل تا آخر جمیلہ کو سنا دیا۔ اس نے کہا۔

"اگر چند روز اور فرخندہ نہ ملی، تو دیکھ لینا خدا نخواستہ بھائی صاحب پاگل ہو جائیں گے ۔ یا خودکشی کر لیں گے۔"

جمیلہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہنے لگی۔

"واقعی ؟ — سچ"

نجمی نے جواب دیا۔

"قسم لے لو، ممانی جان کی حالت دیکھ کر مجھے ان پر ترس آتا ہے اور بھائی صاحب کا حال دیکھ کر خون کے آنسو رونے لگتا ہے جس شخص کا سر کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکا تھا۔ وہ اس طرح سرنگوں ہے کہ عبرت ہوتی ہے!"

جمیلہ تردید نہ کر سکی کہنے لگی۔

"ہاں اس وقت کے انداز و اطوار سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے؟"

نجمی نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"تو خدا کے لئے تمہیں اپنی جوانی کی قسم بتا دو، فرخندہ کہاں ہے؟"

جمیلہ ہنسنے لگی، پھر اس نے کہا۔

"وہ مرزا پور گئی ہے؟"

"حیرت ہے" نجمی نے کہا
"وہاں کیا کرنے گئی ہے؟ ۔ وہاں کون ہے اس کا؟ کیا لے گی۔ وہاں جا کر؟"
جمیلہ نے مرزا پور کا پورا واقعہ بھی بیان کر دیا۔
نجمی عشق عشق کر اٹھی۔
"شاباش ہے اس خون کو اس شرافت کو ۔۔۔ اچھا بہت بہت شکریہ آج سے ہمارے درمیان نہ ٹوٹنے والے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ تمہارے اس احسان کو میں زندگی بھر یاد رکھوں گی۔!"

(۸)

فرخندہ کے آجانے سے عائشہ کو واقعی نئی زندگی مل گئی تھی، ماں پر جان چھڑکنے والی اولاد بھی اتنی خدمت نہیں کر سکتی تھی، جتنی فرخندہ نے کی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو فنا کر رکھا تھا۔ اپنی کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ فکر تھی تو یہ کہ ممانی جان کی کسی طرح کی تکلیف نہ ہو عائشہ کو روتے دیکھتی تو خود بھی رونے لگتی۔ روتی جاتی اور آنسو پونچھتی جاتی۔ عمدہ سے عمدہ لذیذ، خوش رنگ اور خوش ذائقہ پرہیزی کھانے اپنے ہاتھ سے اس طرح کھلاتی جیسے ماں چھوٹے بچے کو کھلاتی ہے۔ سونے کا وقت ہوتا تو پاؤں دبانے بیٹھ جاتی اور جب تک سو نہ جاتی۔ پاؤں دباتی رہتی گرچہ محسوس کرتیں تو چاہے ہاتھ شل ہو جائیں۔ منع کرنے کے باوجود پنکھا جھلتی رہتی۔ کیونکہ کسی پریشانی کو ان کے قریب نہ پھٹکنے دیتی۔ آتے ہی کئی رنگ کا سستا کپڑا خوبصورت رنگوں کا لائی اور اپنے ہاتھ سے چار جوڑے سیئے اور انہیں پہلی مرتبہ نیا جوڑا پہنا کر اتنی خوشی ہوئی جیسے پہلی مرتبہ اس نے خود لباس عروسی زیب تن کیا ہے۔

فرخندہ کیا آئی۔ عائشہ کی زندگی بدل گئی۔

وہ اکثر سوچا کرتی کیا فرخندہ مجھ سے انتقام تو نہیں لے رہی ہے میں وہی تو ہوں جب پر اس نے ہر طرح کے ظلم توڑے وہی تو ہے جس نے ہر طرف

کے ظلم سہے۔ میں نے اسے کیا دیا؟ حقارت، ذلت، تکلیف۔ یہ مجھے کیا دے رہی ہے راحت، خدمت، محبت!

کیا دنیا میں اس طرح کے لوگ بھی ہوتے ہیں؟

میں سمجھتی تھی دنیا میں ہم جیسے سیاکاروں سے آباد ہے اب معلوم ہوا دنیا میں اس طرح کے چند نیک اور فرشتہ صفت لوگوں کی وجہ سے قائم ہے۔ ورنہ قیامت آجاتی، خدا کا قہر نازل ہو جاتا ساری دنیا تہس نہس ہو جاتی۔

اور پھر وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتی۔

میں بھی کتنی ذلیل فطرت کی واقع ہوئی ہوں۔

معلوم ہوتا ہے کہ میرے دل کی سیاہی اب تک نہیں ڈھلی

ہائے وہ بیچاری سب کچھ بھول کر شب و روز میری خدمت کر کے اپنی ذات پر تکلیفیں جھیل کر، یہاں آئی، شب و روز میری خدمت میں گزارے خود دکھ سہے، مجھے سکھ پہنچائے، اپنے پاس سے خرچ کر کے مجھے کھلائے پلائے، پہنچائے، اڑھائے اور دوا علاج کرے۔

اور اس کے بارے میں ناپاک خیال میرے دل میں ہو رہا ہے کہ یہ مجھ سے انتقام لے رہی ہے۔

کیا دنیا میں اس طرح بھی انتقام لیا جاتا ہے؟

وہ اپنے بستر پر لیٹی یہی باتیں سوچ رہی تھی کہ فرخندہ آگئی، اس نے عائشہ کو افسردہ اور مضمحل دیکھا تو پیار بھرے لہجہ میں کہنے لگی۔

"پھر وہی۔"

عائشہ نے پوچھا۔

"کیا ہوا بیٹی؟"

وہ بولی۔

"کتنی دفعہ آپ سے کہہ چکی ہوں، زیادہ نہ سوچا کیجیے، افسردگی اور اضمحلال کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیا کیجیے۔"

وہ تن کر بولی۔

"بیٹی تیرا خیال غلط ہے، میں خدا کی ناشکری نہیں کروں گی، اب مجھے افسردہ یا مضمحل رہنے کا کیا حق ہے؟ نالائق اولاد کو کھو کر میں نے تجھے پالیا۔ سب کچھ پالیا۔ البتہ ایک بات ضرور سوچا کرتی ہوں!"

وہ کیا ممانی جان۔

"اللہ میاں کے کھیل بھی سمجھ میں نہیں آتے۔" "کیسے کھیل ممانی جان۔؟"

"تو نے ذلت اور اذیت کے سوا میرے ہاتھ سے کچھ نہ پایا۔ لیکن جب ساری دنیا میں کوئی نہ رہا تو فرشتہ رحمت بن کر آگئی اور وہ کر دکھایا جو کوئی نہ کر سکتا۔ ہاں، بہو، بیٹی سب کے فرائض تو نے اپنے سر لے لئے۔ یہ کیا ہے؟ کیوں ہے۔ اس میں خدا کی مصلحت کیا ہے؟

"بتاؤں؟"

"بتا سکتی ہو تو بتاؤ!"

"سہیل اور سہیلہ کو موت چھین لے گئی، اللہ میاں نے میرے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ وہ دونوں زندہ ہوتے تو شاید ایسا کبھی نہ ہو سکتا۔

عائشہ نے کہا۔

"بیٹی جو ہونا تھا ہو گیا۔ اور سچ پوچھو تو مجھے نہ سہیلہ کے مرنے کا کوئی غم ہے نہ سہیل کی خودکشی کا، سہیلہ کے مرنے پر تو ممتا کا جوش تھا۔ جس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا تھا، لیکن سہیل کی موت پر تو ایک آنسو بھی میری آنکھ سے نہ بہا"

فرخندہ حیرت سے ممانی کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہی تھیں۔

"دونوں نے مجھے بہت دکھ پہنچائے۔ سہیلہ نے کم، سہیل نے بہت زیادہ اس نے اپنی بیوی کے ہاتھوں مجھے ذلیل کرایا، اس کی بیوی نے اس کے سامنے مجھے مارا تک مگر چپ چاپ تماشا دیکھتا رہا، تیرے ماموں نے مجھے اس گھر کی رانی بنا کر رکھا تھا۔"

" جی ہاں — میں جانتی ہوں !"

" لیکن میرے ماموں کے بیٹے نے جو میری کوکھ سے پیدا ہوا تھا اور جسے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ چاہا تھا، کوتے ہکنی بنا کر رکھ چھوڑا تھا اس گھر میں

فرخندہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ممانی کی طرف تکتی رہی ان کا بیان جاری تھا۔

" بیوی نے جو کہا کیا، بہویں عام طور پر ساس سے جلتی ہیں لیکن خود سہیل نے کیا کسر اٹھا رکھی رفتہ رفتہ اس کا برتاؤ میرے ساتھ یہ ہو گیا تھا۔ جو کسی ظالم آقا کا کسی غلام سے ہو سکتا ہے۔ بیٹے میں اس سے ڈرنے لگی تھی۔ جب وہ گھر میں قدم رکھتا تھا میں سہم کر اپنے کمرے میں جا بیٹھتی تھی۔ اس نے میری وہ درگت بنائی ہے کہ اس کے سننے کے لئے فولاد کا جگر چاہیے ۔"

فرخندہ نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

" نہ کہیے، مجھ میں سننے کی تاب نہیں، آپ پر بھی برا اثر پڑے گا۔"

لیکن وہ کہاں رکنے والی تھیں۔ اپنی کہے جا رہی تھیں۔

اس نے میرا ایک زیور مجھ سے چھینا اور اپنی کے حوالے کر دیا۔ جو کچھ میں نے الگ سے جمع کیا تھا۔ تلاشی لی، اسے برآمد کیا اور اپنے قبضے میں لے لیا۔ شراب ہر وقت پیتا تھا۔ جوا کھیلنے میں تو طاق تھا۔ پھر ایک دن وہ اپنی بیوی کے گھر اٹھ گیا۔ اور وہاں تھوڑی مدت کے بعد اس نے خودکشی کر لی، میں نے یہ خبر سنی تو خدا کا شکریہ ادا کیا اور کہا، چلو اچھا ہوا پاپ کٹا، سچ فرخندہ اس کے مرنے کا ذرا غم نہیں ہے۔ ہاں سہیلہ ضرور ضرور کبھی کبھی یاد آتی ہے پھر خود آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ گو شادی کے بعد وہ بھی بدل گئی تھی۔ لیکن سہیل خدا کی پناہ اللہ دشمن کو بھی ایسی اولاد نہ دے "

فرخندہ نے سنتے سنتے کہا۔

" ممانی بس —"

وہ کہتی رہیں۔

" لوگ مجھے روتا دیکھتے تھے تو خیال کرتے تھے، سہیل کے غم میں رو رہی ہوں مجھے رونا اپنے گناہوں پر آتا ہے جن کی سزا غربت اور افلاس کی صورت میں مجھے مل رہی تھی۔"

فرخندہ نے دلاسا دیا اور کہنے لگی۔

" اگر ایسی بات بھی تھی تو ختم ہو گئی۔

وہ بولیں۔

" ہاں اللہ کا لاکھ شکر ہے۔"

فرخندہ سوچنے لگی۔ واقعی سہیل نے کیسے کیسے ظلم ہوں گے کہ ماں کا دل بھی پتھر بن گیا۔

مرنے کے بعد بھی وہ بیٹے کو معاف نہ کر سکی۔

مسکراتے ہوئے فرخندہ نے کہا۔

" ممانی جان، پندرہ روپے مہینے پر دو تین کمروں کا ایک مکان مل گیا ہے کل ہم اس میں منتقل ہو جائیں گے۔

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

" یہ کیوں بیٹی ؟"

یہ صرف ایک کوٹھڑی سی ہے۔ آپ، زینب، تینوں یہیں رہنے پر مجبور ہیں۔ اس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہاں ایک کمرہ آپ کے لیے علیحدہ کمرہ ہو گا۔

ممانی جان نیا مکان دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

فرخندہ نے تینوں کمروں کو خوب صاف ستھرا بنایا تھا ایک کمرہ میں زینب بوا اور آپ رہنے لگیں۔

زینب بوا روزانہ فرخندہ کو سکول چھوڑ آتی۔

عائشہ بیگم اپنے کمرہ میں سو رہی تھیں اس نئے گھر میں واقعی انہیں بہت

آرام ملتا تھا اور وہ بہت خوش تھیں۔

فرخندہ نے جو ابھی ابھی اسکول سے آئی تھی اور دو تین موسمی اپنے ساتھ لیتی آئی تھی۔ اس فضول خرچی پر زینب کو حیرت ہوئی اس نے کہا

" یہ کیا لے آئی بیٹی ۔؟"

وہ بولی۔

" ممانی جان کی کمزوری کسی طرح جاتی ہی نہیں، میں نے فیصلہ کیا ہے تین موسمیوں کا جوس ہر روز انہیں پلایا کروں گی ۔"

زینب نے پیار بھری نظروں سے دیکھا اور کہا ۔

" تم کیا چیز ہو میں اب تک نہ سمجھ سکی، عائشہ کے ساتھ تمہارا سلوک میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ یوں بھی ہو سکتا تھا۔ بعض دفعہ تو جی چاہتا ہے تمہارے قدموں پر سر رکھ دوں !"

فرخندہ نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ ایک شیریں آواز آئی۔

فرخندہ نے سر اٹھایا تو نجمی سامنے کھڑی تھی ۔

فرخندہ ہق دق اسے دیکھنے لگی، نہ خیر مقدم کا کوئی لفظ کہہ سکی، نہ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا یا۔

نجمی نے زیر لب تبسم کے ساتھ کہا۔

اب نہ کر پردہ کہ او پردہ نشین دیکھ لیا۔

تو جہاں جا کے چھپا ہم نے دیکھ لیا

فرخندہ اب تک گم سم کھڑی تھی، زینب نے نجمی کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ بھی حیران تھی۔ یہ کون ہے اور فرخندہ کا اس سے کہاں کا میل جول ہے۔

نجمی نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

" اتنی خفا ہو کہ بیٹھنے کو بھی نہ کہو گی ؟ حالانکہ حالت یہ ہے کہ تمہاری تلاش میں شہر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ شاعری نہ سمجھ واقعہ بیان کر رہی ہوں۔ یہ دیکھو۔ !"

یہ کہہ کر نجمی نے سینڈل پاؤں سے الگ کی تو واقعی ایڑی پر ایک اچھا

خاصا چھالہ نظر آیا۔
زینب نے فرخندہ کے بجائے کہا۔
"تو بیٹی بیٹھتیں کیوں نہیں!"
فرخندہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے بستر پر لاکر بٹھا دیا وہ بولی۔
حلق میں کانٹے پڑے ہیں مارے پیاس کے۔"
زینب نے اس کا ہاتھ پکڑا پانی کا ایک گلاس میں لاکر پیش کیا وہ
ایک ہی سانس میں غٹا غٹ چڑھا گئی۔ پھر بولی۔
" اب ذرا دم میں دم آیا۔"
فرخندہ نے پوچھا۔
" لیکن تم آ کیسے گئیں یہاں ۔ ؟
" تم نے چھوڑ دیا ہمیں، تو کیا ہم بھی چھوڑ دیتے؟ ۔ بے مروت کہیں کی
فرخندہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔
نجمی بولی۔
مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ظلم سہتے سہتے ہم کو بھی چھوڑ دیتے؟ ۔ بے مروت
کچھ خبر ہے ممانی جان کی (۔ لیڈی حمید) کا کیا حال ہے؟"
فرخندہ پریشان ہو گئی اس نے پوچھا۔
" خدا کے لئے بتاؤ کیا حال ہے ان کا۔"
اس نے بتایا۔
" جس روز سے تم گئی ہو، ادھ موئی ہو گئی ہیں وہ، ویسے ہی بڑھاپا ہزار
بیماریوں کی ایک بیماری ہوتا ہے۔ وہ بیچاری تو سچ مچ بیمار چلی آ رہی ہیں نہ جانے
کب سے میں نے تو ہوش سنبھالا ہے انہیں بھلا چنگا نہیں دیکھا اور نہ تمہارا
معاملہ وہ کہ ــــ اور جیسے کہ دیا جلا دنے جاتے جاتے!"
فرخندہ نے دھیمے لہجہ میں کہا۔
" ایسی باتیں نہ کرو نجمی ــــ"
وہ بولی۔

"دکھ ہوتا ہوگا یہ باتیں سن کر؟"

"ہاں اور کیا نہیں جی!"

"لیکن اگر وہ مر گئیں تو دیکھ رکھو ان کا خون تمہاری گردن پر پڑے ہوگا۔"

"خدا نہ کرے وہ کیوں مرنے لگیں؟ تمہارے منہ میں خاک!"

"ان کی کیفیت دیکھو تو یقین آئے گا باتوں کا کھانا ان کا چھن گیا۔ نیند ان کی غائب۔ وہ ہیں اور رونا ہے اور فرخندہ بے وفا، بے مروت کی یاد بڑی مشکل سے جملہ کو ہم لوگوں پر کیا۔ ممانی جان پر رحم آیا، بھائی صاحب کی حالت دیکھ کر بھی اس کا دل کراہا۔ اس نے بتایا تم مرزا پور آئی ہو بھائی صاحب کے تو خود دل کو لگی ہوئی تھی۔ فوراً مرزا پور کے لئے سامان باندھ لیا، میں کیوں پیچھے رہتی میں بھی ساتھ ہولی — لیکن ہم سے دو قدم آگے امی کمزوری اور ضعف و نقاہت کے باوجود ممانی جان تھیں۔ ہم دونوں نے لاکھ سمجھایا لیکن وہ کس کی سنتی تھیں؟"

"تو کیا وہ آئی ہیں —؟"

"جی جناب!"

کہاں ہیں وہ! — جھوٹی کہیں کی؟

"ہوٹل گرانڈ میں ہیں — وہ تو ہمارے ساتھ آرہی تھیں۔ بڑی مشکل سے سمجھایا کہ آپ بہت زیادہ تھک گئی ہیں آرام کریں، ذرا دیر ہم جاکر اسے لاتے ہیں —!"

"بڑا غضب کیا انہیں لے آئیں!"

وہ تو جو ہونا تھا ہو گیا تھا، اب اپنی کہو، کیا ارادہ ہے؟"

"ارادہ کیسا؟"

"چلتی ہو یا انہیں آنا پڑے گا؟"

"سر کے بل چلوں گی — لیکن!"

"لیکن کیا —؟"

"ان کا سامنا کیوں کر کر سکوں گی؟ ان سے چار آنکھیں نہیں کر پاؤں گی!"

"چلو تو سہی ۔ یہ مرحلے بھی طے ہو جائیں گے۔!"

ہوٹل کا ایک پورا سوٹ انور نے کرائے پر لے لیا تھا۔ فرخندہ کو دیکھتے ہی امینہ نے لپک کر اس کی بلائیں لیں اور رونے لگی ۔

"بیٹی تم نے تو مار ہی ڈالا تھا — یہ کیا کیا تم نے؟"

فرخندہ کی نظریں جھک گئیں نجمی نے امینہ سے پوچھا ۔

"ممانی جان کیا کر رہی ہیں ۔"

وہ بولی ۔

"میاں (انور) نے نیند والی گولی کھلا دی تھی، ابھی سوئی ہیں۔ لیکن سونے سے پہلے، بار بار دروازے کی طرف تکتی تھیں اور پوچھتی تھیں!"

"فرخندہ نہیں آئی — ؟

اور میں تسلی دیتی تھی ۔

"بس اب آیا ہی چاہتی تھی!"

نجمی فرخندہ کو لے کر اپنے کمرے میں آگئی اور کہنے لگی ۔

بھائی صاحب دیوانہ وار تمہیں چاہتے ہیں ۔"

"ایسی باتیں میں نہیں سننا چاہتی!"

"نجمی خدا کی قسم — تمہاری تلاش میں وہ زمین کا گز بن گئے۔ یاد ہو گا، کتنے لحیم شحیم تھے۔ ان چند دنوں میں اتنے بدل گئے ہیں کہ دیکھو گی تو پہچان نہ سکو گی ترس آجائے گا تم کو ان پہ —"

"ہاں تلاش کیا ہو گا۔ سرکار کے ڈر سے"

"نہیں فرخندہ وہ ڈرنے والے آدمی نہیں ہیں۔ وہ جھوٹ نہیں بولتے اچھا چلو مان لیا۔ ماں کے ڈر سے تمہیں تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن لیکن کیا تمہاری طرح دار، نظر افروز اور دل میں کھب جانے والی تصویر بھی انہوں نے ماں کے ڈر سے کھینچی تھیں اور ان پر اپنے قلم سے محبت بھرے فقرے اور اشعار لکھے تھے ۔

زیر لب تبسم اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ (بھئی اتنی بڑی جھوٹی ہو یہ

تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"
"اور اگر میں وہ تصویریں دکھادوں تو۔
"دکھاؤ۔"
نجمی نے الماری کھولی اور ایک لفافہ اس کے سامنے پھینک دیا۔
فرخندہ نے اشتیاق کے ساتھ لفافہ کھولا اور درجن بھر کے قریب مختلف پوزوں میں اپنی تصویریں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ مسکراتے ہوئے بولی۔
"ارے ــــ لیکن یہ تصویریں کب اتاری انہوں نے؟"
وہ ہنستی ہوئی بولی۔
چھپ چھپ کر ــــ بھئی ہیں تو وہ بھی اپنی شان کے تنہا آدمی محبت کا اظہار نہیں کر سکتے تھے اور دل کے ہاتھوں بھی مجبور تھے۔ آخر اس کے سوا اور کیا کر سکتے تھے کہ تمہاری تصویریں اتاریں، میز کی دراز میں رکھ لیں اور دفتر میں جب بیٹھیں تو انہیں دیکھ دیکھ کر دل خوش کرتے اور سینکتے رہیں ــــ ان کی محبت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ تمہاری جمیلہ نے انہیں وہ وہ صلواتیں سنائی ہیں اور ایسا آڑے ہاتھوں لیا ہے کہ کوئی اور ہوتا تو گولی مار دیتا اسے لیکن وہ گونگے بنے بیٹھے رہے ــ"
"احمق ہے وہ تو ــ اسے ہمارے معاملے میں بولنے کی کیا ضرورت تھی؟"
اتنے میں انور اندر آیا، اسے دیکھ کر فرخندہ کانپ گئی۔ واقعی اس کا حال اتنا ہیبت زدہ تھا کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اس نے نجمی سے کہا۔
امی جاگ گئی ہیں، جاؤ انہیں "دوا" دے دو ـ ـ لیکن دفعتہً نہیں!"
نجمی لیڈی حمید کے کمرے میں چلی گئی۔ انور اسی طرح کھڑا رہا، فرخندہ اسی طرح بیٹھی رہی، ذرا دیر کے بعد انور نے کہا۔
"فرخندہ، کیا تم مجھے معاف کر دو گی؟"
وہ کسمساتی ہوئی بولی۔
"آپ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔"
"اگر میں نے تمہارے منہ سے معافی کا لفظ نہ سنا تو خودکشی کر لوں گا، اور پستول ساتھ لایا ہوں۔" وہ بولا۔

میں نے معاف کیا، میرے خدا نے معاف کیا " وہ گھبرا کر بولی۔
انور اسی طرح کھڑا رہا۔ نہ جانے کیا سوچ رہا تھا، آہستہ آہستہ پھر اس کے لب ہلے اس نے پوچھا۔
" کیا تم سلیم پور واپس چلو گی؟ — حمید منزل تمہارے بغیر سونی ہے"
ان الفاظ میں کچھ ایسا درد اور کچھ ایسا سوز تھا کہ واقعی فرخندہ کو ترس آ گیا۔
اس نے تھوڑے سے تامل کے بعد کہا۔
" میرا خود وہاں جانے کا اور ساری زندگی سرکار کے قدموں میں گزار دینے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں!"
انور پر جیسے بجلی گر پڑی۔ اس نے بڑی حسرت کے ساتھ پوچھا۔
" کیوں مجبور ہو؟ — اگر مجھ سے تمہیں نفرت ہے تو وعدہ کرتا ہوں سلیم پور اور حمید منزل سے ناطہ توڑ دوں گا۔ سلطان گنج میں رہنا شروع کر دوں گا۔"
پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
" میرے لئے یہی بہت ہے کہ تم سلیم پور میں ہو۔ حمید منزل میں ہو۔"

فرخندہ کی زبان اب کھل چکی تھی۔ اس نے کہا۔
" خدا کے لئے۔ ایسی باتیں کیجئے، آپ تو بہت اچھے اور اونچے ہیں۔ آپ سے نفرت کون کر سکتا ہے؟ میں تو دوسری بات کہہ رہی تھی!"
" کون سی بات؟"
میں نے جمیلہ سے طے کر لیا تھا کہ نرسنگ سیکھوں اور اسی کے پاس رہوں گی۔ لیکن جب مجھے اپنی ممانی کا حال زار معلوم ہوا۔ تو میں فرض کی پکار پر لبیک کہنے سے اپنے آپ کو نہ روک سکی۔ یہاں آئی اور ایک اسکول میں ملازم ہو گئی وہ ہر سہارے اور ہر آسرے سے محروم ہو چکی ہیں۔ میں بھی اگر انہیں چھوڑ دوں تو قیامت کے دن اس ماموں کا سامنا کیونکر کر سکوں گی جو اپنی

بیوی کو بہت چاہتا تھا - اور جس نے مجھے ماں کا پیار دیا تھا ۔"

"اگر صرف یہی بات ہے تو تمہیں بے فکر ہو جانا چاہیئے ۔

"وہ کیسے ؟"

"حمید منزل میں وہ میری ماں کی طرح رہیں گی ۔ میں ان کی خدمت کروں گا اور انہیں پھول کی طرح رکھوں گا ۔

جواب میں فرخندہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ایک انور ایک قدم آگے بڑھ آیا - اس نے کہا ۔

"فرخندہ ایک بات زبان پہ آتی ہے ۔ لیکن کہنے کی ہمت نہیں پاتا ۔ کیا کہہ دوں ۔

فرخندہ کا چہرہ تمتما اٹھا، اس نے کہا ۔

"کہیئے ۔"

اس نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پا کر گلوگرفتہ آواز میں کہا

"میں نہیں جانتا محبت کس طرح کی جاتی ہے ؟ - لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں ۔

اس دن سے جب پہلے پہل تم کو اسٹیشن پہ دیکھا تھا - کیا مجھے ٹھکرا تو نہ دوں گی ؟"

شرمائی ہوئی آنکھوں سے فرخندہ نے اسے دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں انور نے کہا ۔

یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے . میں تمہارے ہر فیصلے کے سامنے سر جھکا دوں گا ۔ لیکن مجھے تمہارا فیصلہ معلوم ہو جانا چاہیئے ۔ بتاؤ ۔ ہاں یا نہیں ۔"

آہستہ سے فرخندہ نے کہا ۔

"ہاں ۔"

انور نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا ۔